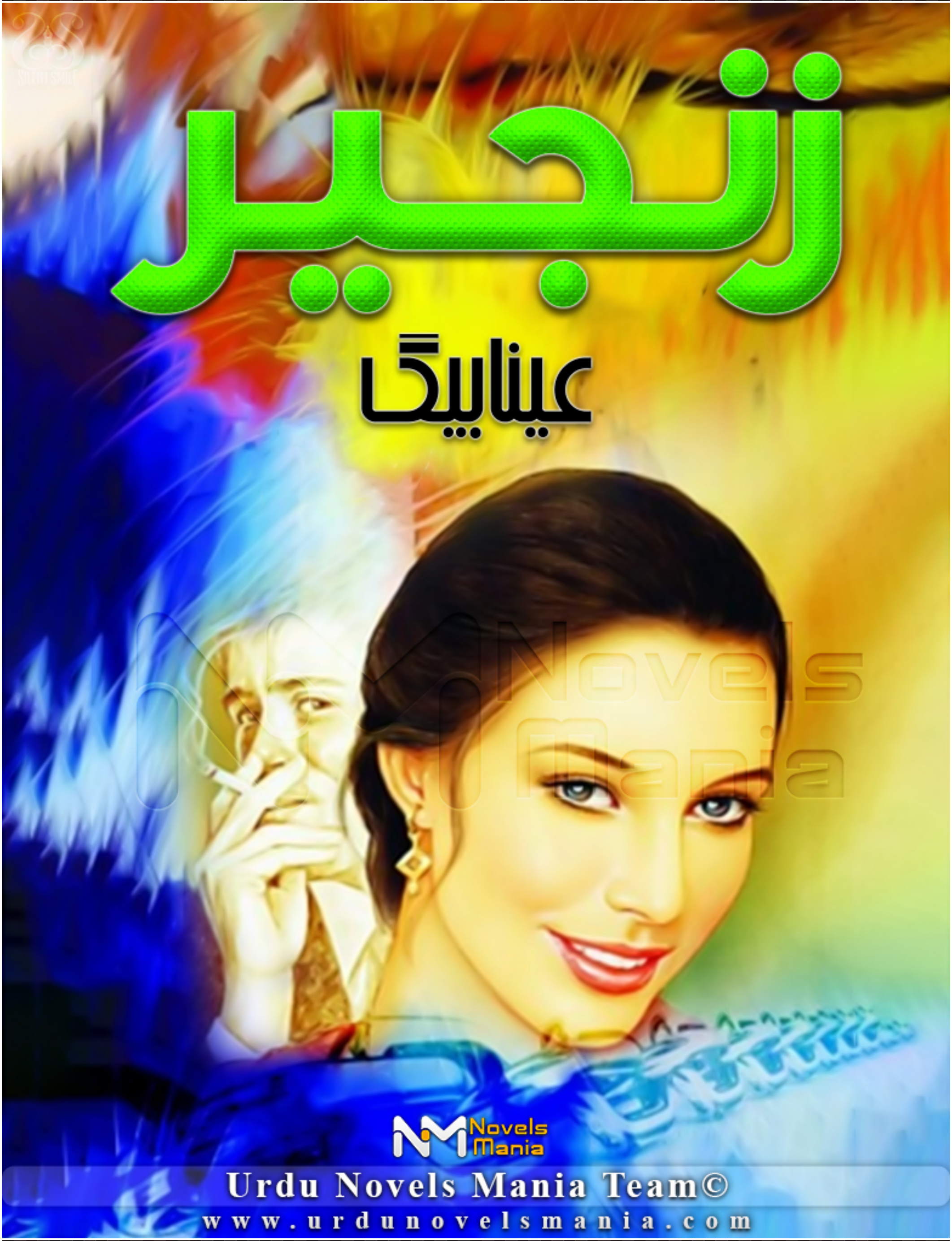
زنجیر
عینا بیگ
Novels Mania
Urdu Novels Mania Team©
www.urdunovelsmania.com

#زنجیر

#عینا_بیگ۔

پہلی قسط

سرد دنوں کی سرمئی شام! راتیں لمبی اور دن چھوٹے ہو رہے تھے۔ کھلی کھڑکی سے ہوتے ہوئے ہوا اس کی لٹوں کو چھیڑ رہی تھی۔ چہرہ کھڑکی کی سمت تھا اور ہاتھ میں پکڑے صفحے کو لئے وہ پرجوش کھڑی تھی۔ ڈوپٹہ مسہری پر رکھا ہوا تھا اور بال چٹیا میں قید تھے البتہ کچھ آوارہ لٹیں شرارتی ہوا کی نظر تھیں۔

"یہ سوال بھی میں نے ٹھیک کیا تھا۔ واہ! مزہ آگیا صالحہ۔ پرچہ تو تیرا بڑا زبردست ہوا ہے امید ہے نمبر بھی اچھے آجائیں ورنہ تو آگے کیسے پڑے گی؟ نہیں نہیں صالحہ کو ابھی بہت پڑھنا ہے۔ کوئی آفسران تو ضرور بن جاؤں گی"۔ اردگرد سے بیگانی وہ اپنی ہی کہی جا رہی تھی۔

وہ اس حویلی میں نئی تو نہیں تھی۔ تو کیا وہ نہیں جانتی تھی اس حویلی کی لڑکیوں کے خواب صرف ٹوٹنے کے لئے ہی ہوتے ہیں؟۔

کمرے میں خاموشی پھیلی تو اسے گھنٹی کی آواز آئی۔ کوئی دوسرے کمرے سے گھنٹی بجا رہا تھا۔ وہ جانتی تھی کون ہے اس لئے سب چھوڑ چھاڑ کر چادر سر پر پہن کر پورے وجود کو ڈھانپ کر بھاگتی ہوئی سیڑھیاں چڑھنے لگی۔ گھنٹی کی آواز میں تیزی آئی۔ وہ جو کوئی بھی تھا اب تیزی سے گھنٹی بجا رہا تھا۔ وہ اوپری منزل کے سب سے کونے والے کمرے کے دروازے کے سامنے کھڑی ہوئی۔ گھنٹی کی آواز اندر سے آ رہی تھی۔ صالحہ نے ارد گرد نظریں دوڑائیں کہ کہیں اسے کوئی دیکھ تو نہیں رہا۔ اوپری منزل ویران ہی رہا کرتی تھی۔ اس نے کمرے کے باہر لٹکے جالوں کو دیکھا اور گہری سانس لیتی اندر بڑھی۔ اندھیرے میں ڈوبا کمرہ صبح کے وقت بھی وحشتوں سے بھرا ہوا تھا۔ اندر کھڑکی کی طرف کھڑا ہوا وجود مڑ کر اسے دیکھنے لگا۔ ساکت نظریں صالحہ کے وجود پر اٹک گئیں۔ اس ساکت کھڑے وجود کے لبوں پر تب تک مسکراہٹ نہیں آئی جب تک صالحہ نے مسکرا اسے نہ دیکھا۔

صالحہ مدھم سی مسکراہٹ لبوں پر لائی۔

وہ شوق سے نہیں مسکراتی تھی۔ بلکہ اس لئے مسکراتی تھی کہ اسے دیکھ کر وہ ٹھہرا وجود بھی مسکرا اٹھتا تھا۔ اس کے بکھرے بالوں پر نظر پڑی تو صالحہ سر جھٹکتی گرد میں لپٹی سنگھار میز کی طرف بڑھی۔ وہ سنگھار میز کہلانے کے قابل ہی نہیں تھی۔ بلکہ اس بوسیدہ سی لکڑیوں کو سنگھار میز کہنا سنگھار میز کی گستاخی کرنے کے مترادف تھا۔ دراز جھٹکے سے کھولی

تو دھول اڑی۔ صالحہ نے ڈوپٹہ ناک پر رکھا۔ اندر رکھا ٹوٹا کنگھا تھامے وہ اس کے قریب آئی۔ ہاتھ تھام کر نرمی سے بستر پر بٹھایا۔ اس کے بکھرے بال کھولے اور برابر میں رکھا ٹیپ چلا دیا۔

"کوئی دل سے پوچھے

کیا حشر ہوا ہے روح کا

یا خدا یہ تیرے بشر

ظلم ہیں ڈھاتے ہم پر بہت

سانسیں بھی بے وجہ لے لیں

تو جرمانہ ہے اس پر بھی"

دھیمی آواز پر اس کے بالوں پر ہلکے ہاتھ پھیرتی کنگھی کے ساتھ ساتھ وہ ٹیپ سے نکلتی آواز کے ساتھ دھیما گنگنا رہی تھی۔ سفید کپڑوں میں لپٹے وجود نے ہاتھ میں رکھی بیل ہاتھ بڑھا کر میز پر رکھی۔ اسے اب گھنٹی کی ضرورت نہیں تھی۔ اس کے پاس صالحہ تھی اور یہ گھنٹی بھی اسی کی دی ہوئی تھی۔

--------------------------------------*

"ہم زمینوں سے ہو آئیں ہیں داجی"۔ سفید کرتا شلوار پہنے شرٹ نفاست سے پیچھے سے اٹھا کر وہ صوفے پر بیٹھا۔

"اچھا یے! ہمیں جانے سے قبل خبر کر دیا کرو!"۔ وہ اپنا مخصوص سگار کا دھواں ہوا میں چھوڑتے ہوئے بولے۔

"جو آپ کا حکم!"۔ وہ احتراماً بولا۔

اس حویلی کے مرداوران کی پر کشش چہرے! اپنا مقام رکھتے تھے۔

"شرجیل اس گھر کی عورتوں کو ہوش دلاؤ۔ لگتا ہے وہ کھانا پیش کرنا بھول گئی ہیں اس حویلی کی مکینوں کو"۔ داجی نے طنز کر کے منہ دوسری جانب پھیرا۔

"داجی میں دیکھتا ہوں"۔ وہ اٹھ کھڑا ہوا۔

"ایک گلاس پانی بجھواؤ کسی ملازم کے ہاتھوں!"۔ نخوت سے کہتے ہوئے ایک حکم اور دیا گیا۔

"جی داجی"۔ وہ دیوار پر لگی سونے کی گھڑی کو دیکھتے ہوئے باہر نکل آیا۔

"شمیلہ چچی کھانا لگوادیں ورنہ یہ حویلی داجی کی چیخوں کی آوازوں سے گونجے گی"۔ کچن میں موجود چچی کو اس نے خبر دار کیا۔

"ہائے اوئے اتنی دیر کیسے ہوگئی۔ کہاں مر گئے یہ تمام باورچی"۔ وہ ماتھے پر ہاتھ مارتی ہوئی باہر نکلیں۔

"کہاں مر گئے ہو جاؤ ناشتہ لگاؤ میز پر۔۔۔ ورنہ سب کی آج ہی چھٹی کردوں گی میں"۔

ساڑھی کا پلو صحیح سے اردگرد پھیلاتیں وہ اب ان پر غصہ کررہی تھیں۔

"آہستہ آواز رکھیں چچی! حویلی کی عورتیں ذرا سا اونچا بولیں یہاں کے مردوں کو سخت ناپسند ہے"۔ سپاٹ لہجے میں کہتے ہوئے وہ سیڑھیوں کی جانب بڑھ گیا۔

"اس حویلی کے مرداوران کی پسند". وہ نخوت سے بڑبڑاتی رہ گئیں۔

------------------------------------*

"کیا کررہی ہے میری گڑیا؟"۔ اس کی ناک دباتے ہوئے وہ اسے پھر سے تنگ کرنے آگیا تھا۔

"بھائی میری ناک تو چھوڑیں"۔ وہ اس کا ہاتھ اپنی ناک سے دور کرتے ہوئے بولی۔

"چلو اچھا چھوڑ دیتے ہیں اب بتاؤ کیا کر رہی ہو؟"۔ ایک ہاتھ سر کے نیچے رکھ کر اب وہ اس کے بیڈ پر لیٹا ہوا تھا۔

"اسائمنٹ"۔ وہ منہ بسور کر رونے والی شکل بنا کر بولی۔ اسے اس کی صورت پر ڈھیر سارا پیار آیا۔ اس کا ہاتھ اپنے لبوں سے لگا کر چھوڑا۔

"لاؤ میں بنا دوں تمہارا اسائمنٹ!"۔ اس نے سامنے رکھا لیپ ٹاپ اٹھا لیا۔

"وجدان بھائی آپ آفس سے تھک کر آئے ہیں۔ لائیں مجھے دیں میں کر لوں گی۔ آپ آرام کریں"۔ اس نے لیپ ٹاپ لینے کی کوشش کی۔

"وجدان قریشی اپنی بہن کے لئے قربان بھی ہو سکتا ہے! یہ تو بہت چھوٹی سی چیز ہے"۔

اب وہ لیپ ٹاپ کو گود میں رکھے اس کا اسائمنٹ دیکھ رہا تھا۔ وہ مسکراتے ہوئے اس کے گلے لگ گئی۔

"مگر وجیہہ قریشی کو اپنے بھائی کا خیال ہے اور وہ چاہتی ہے کہ اس کا بھائی آرام کرے"۔

وجدان نے مسکرا کر اسے دیکھا۔

"مگر اب وجدان قریشی اس کمرے سے تب تک نہیں ملنے والا جب تک وہ اپنی گڑیا کا کام مکمل نہ کر لے"۔

وجیہہ نے ہنس کر وجدان کے گال کھینچ ڈالے۔

"ٹھیک ہے پھر میں اب سونے لیٹ رہی ہوں"۔ وہ انگڑائی لیتے ہوئے بولی۔

"سوجاؤ تاکہ صبح یونیورسٹی فریش جا سکو"۔ وہ اس کا گال تھپک کر بولا اور لیپ ٹاپ اٹھا کر سامنے صوفے پر بیٹھ گیا۔ وجیہہ نے برابر سے چادر اٹھائی اور سونے لیٹ گئی۔

وجدان صوفے پر بیٹھ کر ساری رات جاگنے والا تھا۔

------------------------------------*

"میرا نام صالحہ کبیر بٹ ہے اور میں اس حویلی کی ایک خوبصورت۔۔۔ نہیں نہیں۔۔۔ بہت خوبصورت۔۔ بلکہ مہا خوبصورت لڑکی ہوں"۔ ہاتھ میں صفحہ تھامے وہ ایک بار پھر پرجوش تھی۔ سورج آہستگی سے ابھر رہا تھا۔ بستر پر سوتی ثریا کسمسائی۔

"صالحہ اب تو بخش دو! اب کون سی تقریر کر رہی ہو؟"۔ ثریا بیزاری سے بولی۔

"جی تو ناظرین یہ ہے ثریا بانو اور یہ میرے ویر کے ساتھ منسوب ہے! بدقسمتی سے یہ میری مستقبل کی بھابھی ہے"۔

اب موضوع "ثریا نامہ" شروع ہو چکا تھا۔

ثریا نے کانوں پر ہاتھ رکھ لئے۔

"افوہو بس کردو یار! پوری رات نیند میں بھی یہی سب کرتی رہی ہو۔ نہ تو سوتے میں چین ہے اور جاگے میں تو ہلاکو خان بنی پھرتی ہو! کہتی ہوں فردوس پھپھو کو کہ اپنی دھی کو سمجھائیں"۔

"خاموش رہو لڑکی! اگر اتنا ہی مجھ سے مسئلہ ہے تو اپنے کمرے میں کیوں نہیں سوئی؟"۔ صالحہ نے اسے گھورا۔

"تم جانتی ہو میرے کمرے میں کل رات جنگلوں سے الّو گھس آیا تھا"۔ جواباً گھورا گیا۔

"اوہو تو کسی مرد کو بلوا کر نکلوا لیتی"۔ صالحہ نے ماتھے پر ہاتھ مارا۔

"مشورہ تو ایسے دے رہی ہو جیسے تم جانتی نہیں کہ رات کے وقت مردوں کے کمروں میں انہیں بلانے جانا بھی منع ہے صالحہ کبیر بٹ!"۔ اس نے صالحہ کو باور کروایا۔

"افوہو کیا فضول بات ہے نا؟ بھلے سے کچھ ہو جائے مگر رات کے وقت مردوں کے کمروں میں مدد مانگنے نہیں جا سکتے، چاہے وہ مرد اس کا باپ، بھائی ہی کیوں نہ ہو!"۔ صالحہ چڑ سی گئی۔

"کسی کے سامنے مت کہہ دینا ایسا! تمہاری لاش برآمدے میں لٹکا دیں گے! حویلی والے لاش کتوں کے لیئے بھی نہیں چھوڑتے"۔ وہ جمائی لیتے ہوئے پھر سے لیٹ گئی "اور ہاں! اب خدارا کوئی تقریر نہ کرنا!"۔

"اگر تمہارے کمرے میں الو گھس آیا تھا تو کیا تمہیں صرف میرا ہی کمرہ دکھا تھا ثریا بانو! اس حویلی میں کتنے کمرے خالی بھی ہیں اور اس کمرے سے بڑے بھی ہیں!"۔ اس نے ہاتھ میں پکڑا صفحہ جھٹکا دے کر پھینک دیا۔

"مجھے رات کے اندھیرے میں تمہارا ہی کمرہ نظر آیا" وہ لحاف منہ تک ڈال چکی تھی۔

"ویر کو بتاؤں گی اسکی منگیتر کو اپنی نند کے کمرے میں آنے کا بہت شوق ہے"۔ وہ اسے گھورتے ہوئے بولی تو لحاف میں چھپی ثریا کے گال دہکنے لگے۔ ہاں یہ احساس بھی بے حد خوبصورت تھا۔

------------------------------------*

وجیہہ یونیورسٹی جانے کے لیئے اٹھی تو صوفے پر سوتے وجدان پر نظر پڑی۔ وہ کام کام کرتے کرتے یہیں سوگیا تھا۔ اسے دکھ کے ساتھ ساتھ اس پر پیار بھی آیا۔

"بھائی آپ میرے بستر پر سوجائیں! میں ویسے بھی اب تیار ہونے جارہی ہوں"۔ بازو اور گالوں پر آہستہ سے تھپک کر اسے اٹھانے لگی۔

"ہمم۔۔ ہاں؟ صبح ہوگئی کیا؟ اتنی جلدی؟"۔ وہ اٹھ کر کمرے میں پھیلی روشنی کو آنکھوں کو چندھیا کر دیکھ رہا تھا۔

"جی بھائی! آئیں بیڈ پر سوجائیں!"۔ وہ اسے سہارہ دے کر اٹھانے لگی۔

"نہیں نہیں تمہیں یونیورسٹی چھوڑنا ہوگا اور پھر ایک گھنٹے بعد مجھے بھی نکلنا ہے آفس"۔ وہ اٹھ کر کھڑا ہوگیا۔

"بھائی آپ ڈرائیور کیوں نہیں رکھ لیتے؟ ہمیں تو کوئی پیسوں کا مسئلہ ہی نہیں! گھر میں اتنی ملازمائیں ہیں تو ایک ڈرائیور کیوں نہیں؟ روز پریشانی پالتے ہیں۔ مجھے چھوڑنا پھر گھر آکر ناشتہ کرکے خود تیار ہوتے ہیں اور پھر آفس اتنا دور ہے ڈرائیو کرتے کرتے تھک جاتے ہیں! پھر چھٹی کے وقت بھی مجھے پِک کرکے گھر ڈراپ کرنا اور پھر خود آفس بھاگنا! اوپر سے کمپنی کے مالک ہیں تو ذمہ داریاں بھی بہت ہیں! میرے لئے ڈرائیور رکھوالیں تاکہ وہ روز مجھے چھوڑ دیا کرے"۔ اس سے روز یوں بھائی کو اتنا کام کرتے دیکھا نہیں جاتا تھا۔ اس لئے اس نے تجویز پیش کی۔

"میں تمہارے معاملے میں کسی پر بھی اعتبار نہیں کر سکتا۔ کسی غیر مرد کو پیچھے نہیں چھوڑ سکتا۔ پورا دن گھر میں نہیں ہوتا میں! اس لئے کسی غیر مرد کو بھی نہیں رکھ سکتا تمہاری حفاظت کے لئے! یہ ہمیشہ یاد رکھنا اپنوں کے سوا کوئی اپنا نہیں ہوتا! اور مجھے کوئی پریشانی اور تھکن نہیں ہوتی! تمہیں البتہ ضرور ہو جاتی ہوگی! اس لئے کہتا ہوں تمام کام نبٹا کر جلدی سو جایا کرو گڑیا! اور ہاں میں نے تمہارا اسائمنٹ بنا دیا ہے۔ سمبٹ کرا دینا۔ تم تیار ہو جاؤ میں فریش ہو کر آتا ہوں"۔ اس کا گال کھینچتے ہوئے وہ مسکراتا ہوا باہر نکل گیا۔ وجیھہ بھی کھل کر مسکرائی۔ بھائی بھی ایک نعمت ہے! اللہ نے ماں باپ لے لئے مگر بھائی کا ساتھ دیا تھا۔ بھائی اتنا اچھا ہو تو ماں باپ کی کمی محسوس نہیں ہوتی! وہ محبت سے اس کو جاتا دیکھ رہی تھی۔

--------------------------------------*

"ویییییییر"۔ وہ سیڑھیاں تیزی سے اترتے ہوئے حیدر کو بلند آوازیں لگا رہی تھی۔

"حیدر ویراں!"۔ ڈوپٹہ سر سے کھسک کر کندھے پر آگیا۔

"صالحہ!"۔ تیز گرجدار آواز سے وہ سہم اٹھی۔ یہ دھاڑ داجی کے کمرے سے آئی تھی۔ اس کی سانسیں اٹک گئیں۔ اس نے جلد سے ڈوپٹہ سر پر ڈالا۔

"ادھر آؤ"۔ ایک اور دھاڑتی آواز اس کا دل ہولا گئی۔ داجی اپنے کمرے میں اسے بلا رہے تھے۔ آس پاس کھڑے لوگ بھی خاموش ہو گئے۔

وہ ڈرتے ہوئے اندر داخل ہوئی۔ لال بھبھوکا چہرہ لئے وہ اسے خونخوار نظروں سے گھور رہے تھے۔

"اس حویلی میں کسی عورت کی آواز بلند ہونا سختی سے منع ہے! کاٹ کر پھینک دیں گے ہم!"۔ وہ اتنی زور سے دھاڑے کہ صالحہ کانپ اٹھی۔ آنکھیں بھیگنے لگیں۔

"ایک آنسو بھی نہیں نکلنا چاہیئے آنکھ سے! اس حویلی کی عورتوں پر رونا بھی حرام ہے"۔

ایک اور دھاڑ پر وہ جلدی جلدی آنکھیں صاف کرنے لگی۔

"کہتا ہوں میں کبیر سے کہ اپنی دھی کی زبان کو لگام دے ورنہ جو حال تیری پھپھو کا کیا تھا تیرا بھی کر دیں گے ہم"۔ وہ دھمکی آمیز لہجے میں بولے۔ اسے پھپھو کی حالت یاد آئی تو ضبط کرنا مشکل ہو گیا۔ آنسو آنکھوں کی دہلیز پر آ کھڑے ہوئے۔

"ہماری ہی غلطی ہے جو تم عورتوں کو بارھویں تک پڑھنے کی اجازت دے رکھی ہے۔ بارھویں پڑھ کر تم عورتوں کے اندر بغاوت جاگ جاتی ہے! اب اس حویلی کی کوئی لڑکی دسویں سے زیادہ نہیں پڑھے گی! یہ ہمارا حکم ہے! اور جسے نہیں منظور وہ ہمارے سامنے یہ بات کرے! اگر حویلی کی کسی عورت کی آواز ذرا بھی بلند ہوئی تو وہ انجام کی خود ذمہ دار

ہوگی! حویلی کی رسموں کے خلاف اگر کوئی جائے گا تو ہم سے برا کوئی نہیں ہوگا۔ اور ہم اپنی بات سے پھرتے نہیں"۔ داجی کی آنکھیں خون اگل رہی تھیں۔ اسے لگا کہ وہ تھوڑا وقت اور کھڑی رہی تو روح جسم سے علیحدہ ہو جائے گی۔

"سمجھ آئی؟"۔ لہجے میں بلا کی سختی تھی۔

"جی۔۔ داجی"۔ وہ ہکلائی۔

"دفع ہو جاؤ"۔ اتنی زور سے چلانے پر انہیں کھانسی ہونے لگی۔ ہاتھ بڑھا کر پانی کا گلاس تھاما اور لبوں سے لگایا۔ وہ آنسو پونچتے باہر نکلنے لگی۔ اندر آتے حیدر کو دیکھ کر وہ لمحہ بھر کو رکی تھی۔ حیدر نے اس کی آنکھوں میں آنسو دیکھے تھے تو دل چیر سا گیا تھا۔ وہ لمحہ بھر کو ہی رکی تھی صرف! پھر آنکھیں رگڑتے وہاں سے چلی گئی۔ وہاں کھڑے حیدر کو اس کے لئے افسوس ہوا تھا۔ صالحہ کو ابھی اور دکھ سہنا تھا۔ اسے حویلی والوں کے لئے ایک مثال قائم کرنی تھی۔ ایسی مثال جسے داجی آئندہ کی آنے والی نسلوں کو دے کر دھمکیاں دیں گے! جیسے آج افشاں پھپھی اور فضیلہ باجی کی مثال دے کر حویلی کی عورتوں کو دھمکاتے ہیں۔

صالحہ کو قطعی علم نہ تھا کہ اس کی زندگی کا دوسرا رخ کوئی اور نہیں بلکہ اس کا بھائی حیدر ویراں ہی دکھانے والا تھا۔

--

"ہیلو حاد؟"۔

"وجیہہ؟ ہاں!"۔ مقابل شخص کی آواز موبائل سے ابھری۔

"تم شہر نہیں آئے؟"۔ وہ خفگی سے بولی۔

"نہیں! یہاں کام بہت ہے۔ اس اتوار کو آنے کو پوری کوشش ہے!"۔

"تمہاری پڑھائی کا بھی حرج ہورہا ہے!"۔

"جانتا ہوں جیا! زمینوں پر ہوں ابھی۔ آج جمعہ ہے تو اتوار کو آؤ گا شہر! پھر انشاءاللہ پیر کو یونیورسٹی میں ہی ملیں گے! ایک ہفتہ ہوگیا اور تمہیں دیکھا بھی نہیں!"۔ لہجے میں اداسی صاف سنی جاسکتی تھی۔

"ہاں لیکن تمہیں میری فکر نہیں! تم حویلی والے ایسے ہی ہوتے ہو!" وہ خفا ہوئی۔

"ہائے ہم نے کیا کردیا اب؟"۔ حاد نے الزام پر دہائی دی۔

"تو اور کیا؟ ایسا نہ ہو تمہارے بزرگ تمہاری شادی کروادیں زبردستی اور میں یہاں یوں ہی رہ جاؤں"۔ وہ نظریں پھیر کر بولی۔

"ایسا نہیں ہوسکتا کبھی! یہ جیا کا حاد صرف اس کا ہی رہے گا!"۔ اس نے مسکرا کر اپنی محبت کا یقین دلایا۔ جیا موڈ خراب ہونے کے باوجود بھی مسکرادی۔ ایک یقین سا تھا اس پر! بس یہ یقین ٹوٹے نہ ورنہ دل ٹوٹ جائے گا۔

----------------------------------*

"میں آگے پڑھنا چاہتی ہوں اماں! یوں نہ کریں"۔ وہ ماں کے پاؤں میں بیٹھی گڑگڑا رہی تھی۔

"تجھے ہر بار حویلی کی اصول کیوں یاد دلانا پڑتے ہیں؟ یہاں عورت زیادہ نہیں پڑھ سکتی! تیری وجہ سے کل باقی لڑکیوں کی شامت آگئی! داجی نے گیارھوی اور بارھوی بھی منع کردی۔ شکر کر میری دھی تو نے بارھوی تک تو پڑھ لیا۔ ورنہ یہاں کی عورتیں زیادہ پڑھ جائیں تو وہ باغی ہوجاتی ہیں! ایسی تعلیم کا کیا فائدہ جو اس حویلی کی کڑیوں کو پھر سے جاہل بنا دے؟"۔ ساڑھی کا پلو سنبھالتے ہوئے انھوں نے اس کا ہاتھ اپنے پاؤں سے دور کیا۔

"اماں ویراں بھی تو پڑھتا ہے شہر کی یونیورسٹی میں! ہم کیوں نہیں اماں؟" آنسو بے جا بہنے لگے۔

"ہش۔۔ ہششش مردوں کے ساتھ اپنا موازنہ مت کر! یہاں کی عورتوں کا پلو سر سے کھسک جائے تو اس کی سزا بھی منعقد ہے اور یہاں کے مرد باہر جا کر کچھ بھی کرتے پھریں کوئی فرق نہیں پڑتا! سمجھ آئی ہے تجھے؟ اب کچھ مت بول جا یہاں سے"۔ اماں ڈوپٹہ گھونگھٹ کے انداز میں ڈالنے لگیں۔

"اماں میں نے بھی ویراں کے ساتھ اس کی یونیورسٹی میں پڑھنا ہے!"۔ وہ ہاتھ جوڑ کر بلکنے لگی تھی۔

"دیکھ اگر تجھے شہر جا کر یونیورسٹی دیکھنی ہے تو تجھے حیدر کے ساتھ بجھوادوں گی! تو دیکھ آنا شہر بھی، مگر پڑھنے کا شوشہ آئندہ مت چھوڑنا ورنا یہاں کی رسموں کی زد میں آجائے گی! مرد جتنا بھی پڑھ لے اسے زمینیں ہی سنبھالنی ہے! داجی جانتے ہیں ان کے اندر بغاوت نہیں پیدا ہوگی! اب جا چل یہاں سے ورنہ تمہارا باپ آجائے گا۔ تو جانتی ہے نا یہاں کے مردوں کو؟ اور افشاں کے کمرے سے روز گزرا کر تجھے عبرت حاصل ہوگئ۔ اب جا دفع ہو صالحہ! یہاں داجی کی مرضی چلتی ہے! یہاں کی رسموں کو توڑنے کی کوشش مت کرنا! جا یہاں سے اب ایسا نہ ہو کوئی دیکھ لے ہمیں یہ گفتگو کرتے ہوئے!"

وہ روتی ہوئی اٹھ کھڑی ہوئی۔

www.urdunovelsmania.com

"آنسو پونچھ صالحہ! حویلی کی عورتیں روتی نہیں!"۔ صالحہ نے اپنی ماں کو دیکھا تھا۔ اس کا دل چاہا چیخ پڑے کہ یہاں کی عورتیں انسان نہیں کیا؟ وہ اپنے اوپر ہوتے ظلم پر رو بھی نہیں سکتیں؟

مگر وہ خاموشی سے دوسرے کمرے میں چلی گئی۔ ایک اور امید تھی اس کے پاس!

ارحم شبیر بٹ! اس کا تایا کا بیٹا۔

----------------------------------------*

وہ سر پر ڈوپٹہ لپیٹتی تیزی سے زینے اتر رہی تھی۔

"شمیلہ چچی وہ ارحم صاحب کہاں ہیں؟"۔ شمیلہ سیڑھیاں چڑھ رہی تھیں تو ان سے پوچھ لیا۔

"وہ تو زمینوں پر ہے ابھی! شام تک آئے گا شاید"۔

صالحہ کا چہرہ مرجھا گیا۔

"کیا ہوا صالحہ دھی؟ اتنی پریشان کیوں ہو؟" اس کو پریشان دیکھ کر وہ چونکی۔

"نہیں چچی بس ویسے ہی"۔

"تجھے اس سے بات کرنی تھی؟"۔

"ہاں باورچی خانے کے لئے ذرا سامان منگوانا تھا۔ ملازم کو بولا ہے لسٹ بنا کر دے دے۔ میں ارحم صاحب کو دے دوں گی وہ باہر ملازم سے منگوا لے گا!"۔ اس نے جھوٹ بول دیا۔ شمیلہ چچی نے اسے غور سے دیکھا تھا اور مسکرا اوپر چلی گئی تھیں۔ وہ حویلی کے تمام نوجوانوں کو ویراں بولا کرتی تھی اور ارحم شبیر بٹ کو صرف ارحم صاحب! ایسے

میں وہ اس کے دل کا حال جانتی تھیں۔ پیچھے کھڑی صالحہ اداس ہوگئی۔ اب اس سے ملاقات رات میں ہو سکتی تھی! جب حویلی والے سوجائیں گے۔

---------------------------------------*

"اسلامُ علیکم بھائی"۔ وہ گاڑی میں بیٹھتی ہوئی بولی۔

"وعلیکم سلام گڑیا! دن کیسا گزرا؟"۔ وہ گاڑی بڑھاتے ہوئے بولا۔

"گزر گیا! اور پتا ہے کیا اسائمنٹ بھی سمبٹ ہوگیا۔ آپ نے بہت اچھا بنایا تھا بھائی"۔ وہ وجدان کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر گویا اسے سراہا رہی تھی۔ وہ ہنس پڑا۔

"یہ تو اچھا ہوگیا!"۔

"ہاں جی!"۔ وہ مسکرائی۔ "بھائی وہ دیکھیں گول گپے والا" تھوڑی دیر بعد اسے کچھ دور گول گپے والا نظر آیا تھا۔

"کھانے ہیں؟"

"ہاں جی"

"رک جاؤ گاڑی سائیڈ ہر کھڑے کرنے دو"۔ اس نے سائیڈ پر گاڑی روکی۔

"بہت سارے لائیے گا!"۔ وہ چہک کر بولی۔

"ہاں پوری ریڑھی لے آتا ہوں"۔ وجدان نے اسے گھورا۔

"سچ میں؟؟؟"

"اوئے نہیں! ذیادہ نہیں لا رہا طبیعت بگڑ جائے گی ورنہ" وجیہہ کو گھورتا وہ باہر نکل گیا۔

تھوڑی دیر بعد دو تھیلے اس کی گود میں لا کر رکھے۔

"تھینک کیو بھائی"۔ وہ تھیلوں کو کھول کھول کر دیکھنے لگی.

"گھر میں کھانا تیار بنا ہوا ہو گا۔ پہلے کھانا کھا لینا پھر یہ الم غلم!"۔

"یہ الم غلم نہیں ہے" وہ چڑ کر بولی۔

"یہ صحت کے لئے بھی اچھا نہیں ہے"۔

گاڑی گھر کے سامنے روکی۔ گاڑی سے اتر کر وہ اس کے ساتھ ہی اندر چلا گیا۔ ایک گلاس پانی لبوں سے لگا کر اب وہ خود کو بہتر محسوس کر رہا تھا۔

"میں جا رہا ہوں اللہ حافظ! اپنا خیال رکھنا"۔ کہتا ساتھ باہر نکل گیا۔

--

وہ سیڑھیاں چڑھ کر کمرے میں جا رہا تھا۔ گھڑی رات کے دو بجا رہی تھی۔

"ہشش ہشش۔۔ ارحم صاحب ادھر"۔ آواز کس کر اسے اپنی جانب متوجہ کروایا۔

"ہمم ہاں؟ کیا آپ سوئی نہیں؟"۔ ارد گرد نظریں دوڑائیں کہ کہیں کوئی دیکھ نہ رہا ہو۔

"مجھے آپ سے بات کرنی ہے"۔ ہاتھوں کی انگلیاں مروڑتے ہوئے وہ بے بسی سے بول رہی تھی۔

اس نے صالحہ کے چہرے کا جائزہ لیا۔

"ٹھیک ہے! داجی سو رہے ہیں؟"۔ وہ مان گیا۔

"جی وہ تو دس بجے ہی سو جاتے ہیں" اس نے داجی کی کمرے کی طرف دیکھ کر بتایا۔

"باہر باغ میں آجاؤ"۔ وہ باہر کی جانب مڑ گیا۔ صالحہ سر ڈھکتی اس کے پیچھے پیچھے جانے لگی۔

"ہاں کیا ہوا صالحہ؟ آپ پریشان کیوں ہیں؟ مجھے پتا ہے آپ کس لئے پریشان ہیں! ہم دونوں کے لئے نا؟ دیکھیں اب تو سب ٹھیک ہو گیا ہے! یہاں وٹہ سٹہ کا رواج ہے اور اب میری بہن آپ کے حیدر ویر کی منگیتر ہے! اس طرح وٹہ سٹہ سے ہماری بھی شادی ہو جائے گی۔ میں تو بہت خوش ہوں"۔ وہ اس سے کچھ دور ہو کر کھڑا تھا۔ حویلی کے مرد اور عورت کے درمیان چھ قدم کا فاصلہ ہونا ضروری تھا اگر وہ میاں بیوی نہ ہوں تو!

"نہیں ارحم صاحب! مجھے اس بات کی پریشانی نہیں ہے۔ میں پڑھنا چاہتی ہوں جیسے ویر اور باقی مرد پڑھ رہے ہیں! داجی نے منع کر دیا ہے مگر میں پڑھنا چاہتی ہوں"۔

"تو پڑھ کر کیا کریں گی آپ صالحہ؟ جب آپ کی شادی ہم سے ہی ہونی ہے۔ ویسے بھی آپ عورتیں ذیادہ پڑھ کر باغی ہو جاتی ہیں۔ داجی نے ٹھیک ہی منع کر دیا۔ میں بھی یہی سب چاہتا تھا مگر آپ کی وجہ سے کچھ نہ بولا"۔

"کیا بغاوت آجائے گی ارحم صاحب؟ اور آپ مردوں کو بھی تو اجازت لیے نا پڑھنے کی!" وہ گھٹی گھٹی سی آواز میں بول رہی تھی۔

"فضیلہ باجی اور افشاں کا یاد نہیں آپ کو؟"

"فضیلہ باجی تعلیم سے باغی نہیں ہوئی تھیں بلکہ انہوں نے صرف بارھویں پاس کیا ہے اور افشاں پھپھو تو۔۔۔" وہ تو حقیقت میں کسی بھی چیز سے باغی نہیں ہوئی تھیں۔ وہ ان کا حق تھا۔ وہ حق جو اسلام نے بھی دیا تھا۔

urdu novels mania
www.urdunovelsmania.com

"بارھویں پڑھ کر ہی اتنی ہمت آگئی تھی اور جہاں تک بات افشاں پھپھو کی ہے صالحہ! تو آپ جانتی ہیں. جب یہاں کے مردوں کو نہیں پسند ان کی عورتوں کا باہر جانا یا ذیادہ پڑھنا تو کرتے کیوں ہیں آپ لوگ ایسا؟ میں خاموش ہوں صالحہ تو صرف آپ کی وجہ سے!"۔

"توکیا آپ کی بھی رضامندی نہیں ہے؟مجھے لگا تھا ابھی نہیں مگر آپ سے شادی کے بعد آپ مجھے اجازت دے دیں گے"۔ وہ اسے باقی مردوں سے تھوڑا مختلف سمجھی تھی مگر یہ کیسے بھول گئی وہ اس حویلی کا ہی مرد ہے۔ اسے ان جیسا ہی ہونا ہے!

"جی نہیں!میری رضامندی نہیں ہے۔ ویسے بھی آپ کو پڑھ کر کرنا کیا ہے؟ جب شادی کے بعد چولہا سنبھالنا ہے، شوہر کی خدمت کرنی ہے تو پڑھنے کا کیا فائدہ؟ میں نہیں چاہتا کہ افشاں پھپھو کی طرح کوئی بغاوت جنم لے آپ کے اندر!اور ہاں بغاوت جنم لے بھی لے تو اس حویلی کے مردوں کو کوئی خاص فرق نہیں پڑے گا۔ عورتیں کچھ بھی کر لیں مگر چلنی حویلی کے مردوں کی ہی ہے۔ اب دیکھیں مثال کے طور پر اگر آپ باغی ہو جاتی ہیں اور اس گھر کے رسموں کے خلاف جاتی ہیں تو کوئی آپ کی نہیں سنے گا۔ شادی آپ کی مجھ سے ہی ہوگی کیونکہ میری بہن آپ کے بھائی کی منگیتر ہے۔ وٹہ سٹہ ہوتا ہے اور اس طرح آپ کو میرا ہی ہونا پڑے گا!"۔ سپاٹ لہجے میں کہتے ہوئے وہ اسے خبردار کر رہا تھا یا سمجھا رہا تھا صالحہ یہ خود نہ جان سکی۔ اس نے سوچا تھا وہ اس کا ساتھ دے گا۔

"تو کیا مرد باغی نہیں ہوتے؟ پہلے حویلی کے مرد بارھویں تک پڑھتے تھے مگر پھر فرقان چاچو نے بھی بغاوت کی اور آگے بھی پڑھنے کی ضد کی تھی۔ فرقان چاچو کو پڑھنے کی اجازت کیوں دی ارحم صاحب؟"۔ وہ اس کی آنکھوں میں نہیں دیکھ سکتی تھی۔ عورتیں سر جھکا کر بات کرتی تھیں تو وہ بھی زمین کو یک ٹک گھور رہی تھی۔

"آپ اپنا موازنہ مردوں سے مت کریں! ہم مرد ہیں!"۔ اکڑ سے بتایا جیسے صالحہ کو معلوم نہیں۔ "ہم کچھ بھی کرلیں ہم نے زمینیں ہی سنبھالنی ہے۔ یہ وراثت ہم مردوں کی ہی ہے! ہم آپ لوگوں کی طرح باغی ہو کر کم از کم یہاں کی رسموں سے نہیں منہ موڑتے! ہم حویلی چھوڑنے کی ضد نہیں کرتے اور ہم چھوڑ کر بھی کیوں جائیں؟ یہ وراثت، یہ زمینیں ہمارے لیئے کافی ہے۔ آپ لوگ کے اندر جب بھی بغاوت جنم لیتی ہے! آپ لوگ سب سے پہلے حویلی کی رسموں اور حویلی سے دور ہونے کا سوچتے ہیں! معاف کیجیئے گا مگر آپ کو لگتا ہے میں اس سب میں آپ کی مدد کروں گا تو آپ کی غلط فہمی ہے۔ میں آپ سے محبت کرتا ہوں جبھی کچھ نہیں کرسکتا۔ رات بہت ہوگئی ہے۔ اندر چلیں کیونکہ پیچھے جنگل ہونے کی وجہ سے الّو کے آنے کا خطرہ ہوتا ہے"۔ سپاٹ اور تلخ لہجے میں کہتا ہوا وہ اندر چلا گیا۔ وہ جان گئی تھی کہ وہ اس کی اس خواہش کا احترام نہیں کرسکتا ہے۔ سب راستے ختم ہوچکے تھے۔ وہ آگے بڑھ چکا تھا اور وہ پیچھے اپنی سسکیاں روک رہی تھی۔ آواز کوئی سن نہ لے

اس لئے منہ پر ہاتھ رکھ لیا۔ آنسو تھے کہ رکنے کے نام نہیں لے رہے تھے۔ وہ بھاگتی ہوئی اندر چلی گئی کہ اگر کسی نے دیکھ لیا تو اچھا نہیں ہو۔

------------------------------*

DON'TCOPYPASTEWITHOUTMYPERMISSION.

زنجیر از قلم عینا بیگ

قسط ۲

صبح کا سورج طلوع ہوتے ہی کچن میں ناشتہ کی خوشبو پھیل گئی تھی۔

"داجی ناشتہ لگا دیا ہے"۔ روبی نے جھکی نظروں اور آہستہ آواز میں اطلاع دی۔

"آرہا ہوں دھی! تو جا"۔ جواب دے کر پانی کا گلاس لبوں سے لگایا۔ روبی اثبات میں سر ہلاتے ہوئے کچن میں چلی گئی۔

"کیا کوئی آج زمینوں پر گیا ہے؟"۔ ناشتہ کی میز پر بیٹھتے ہوئے داجی نے پوچھا۔ ایک رعب تھا جوان کے لہجے کو اور خوفناک بناتا تھا۔

"ہم ناشتہ کے بعد جائیں گے بعد داجی"۔ شاہ زل نے کہتے ہوئے لسّی سے بھرا گلاس منہ کو لگایا۔ داجی نے اثبات میں سر ہلایا۔

ہر طرح کے لوازمات میز پر سجے تھے۔

"افشاں کو کھانا پہنچا دیا؟"۔ انہوں سمیعہ تائی کی طرف دیکھا تو سمیعہ تائی نے گڑبڑا کر شجر اور صالحہ دیکھا۔ کچن سے آتی صالحہ نے ہاتھ میں تھامی ٹرے کی جانب اشارہ کیا۔

"داجی ہم وہیں جا رہے ہیں"۔ صالحہ نے شجر کو اشارہ کیا تو شجر بھی ساتھ آگئی۔ افشاں کے کمرے کا دروازہ دھیرے سے کھول کر دونوں اندر آگئے۔ اس کمرے میں کوئی بتی بھی نہیں تھی البتہ پنکھا تھا جس کی رفتار آہستہ تھی۔ کھڑکی سے باہر جھانکتی عورت پلٹی۔

"پھپھو۔ یہ ناشتہ لائے ہیں ہم"۔ شجر نے اطلاع دی۔ اس عورت نے ان دونوں کو دیکھا اور بیڈ پر آکر بیٹھ گئی۔ پرہیزی کھانا ان کے سامنے بیڈ پر رکھ کر صالحہ ان کے تاثرات کا جائزہ لینے لگی۔

"کھالیں گی نا کھانا؟ میں کھلادوں آپ کو؟"۔ صالحہ نے اس عورت کے قریب آکر اس کا ہاتھ پیار سے پکڑا۔ افشاں نے مسکرا کر اثبات میں سر ہلایا اور اشارہ دیا کہ وہ کھالے گی کھانا۔

وہ عورت کوئی زیادہ بڑی نہیں تھی۔ لگ بھگ پینتس سال کی بے حد خوبصورت تھی۔

"کسی چیز کی ضرورت پیش آئے گی تو کیا کریں گی؟"۔

اس عورت نے برابر میں پڑی گھنٹی اٹھا کر اسے ادھر ادھر ہلایا جس سے وہ بج اٹھی۔

"بلکل۔۔ فوراً بجا دے گا۔ میں آجاؤں گی افشاں پھپھو"۔

اس کی بات پر وہ عورت پھیکا سا مسکرا اور اس کے گال کر چھو کر پیار کرنے لگی۔ شجر نے قریب آکر ان کا کھانا ان کے اور پاس کیا۔

"میں آؤں گی تو آپ میری مہندی لگائے گا"۔ صالحہ نے ان کا ہاتھ پکڑا تو وہ مسکرا کر اثبات میں سر ہلانے لگیں۔

"شجر، صالحہ!"۔ نیچے سے آتی داجی کی دھاڑ پر وہ دونوں سہم کر اٹھ کھڑی ہوئیں۔ اس عورت نے پہلے ان دونوں کو دیکھا اور آتی دھاڑ کی سمت کو!

"لگتا ہے سیڑھیوں سے چڑھ کر کوئی آرہا ہے"۔ شجر نے ڈر کر صالحہ کا ہاتھ سختی سے پکڑا۔

"تم لوگ کیا کر رہے ہو اتنی دیر سے؟ داجی چلا رہے ہیں نیچے آؤ! کیا تمہیں علم نہیں افشاں کے پاس ذیادہ وقت ٹھہرنا منع ہے! فوراً نیچے آؤ"۔ سمیعہ تائی نے انہیں گھورا اور پیچھے بیٹھی عورت کو دیکھ کر مڑ گئی۔

"ہمیں ابھی جانا ہے! مگر ہم آئیں گے"۔ صالحہ نے انہیں یقین دلایا۔

"رات کے اندھیرے میں ہمارا انتظار کیجئے گا۔ دروازہ لاک نہیں کیجئے گا"۔ صالحہ نے انہیں تاکید کی اور شجر کا ہاتھ پکڑتے ہوئے نیچے بڑھ گئی۔ اس عورت نے پھیکی مسکراہٹ

سے انہیں جاتا ہوا دیکھا اور پھر اپنے سامنے رکھے کھانے کو۔ ایک دم دل اچاٹ ہو گیا اور وہ اٹھ کر کھڑکی کے سامنے آکھڑی ہوئی۔ اس کھڑکی سے آتی ٹھنڈی ہوا انہیں کانپنے پر مجبور کر رہی تھی مگر وہ ان سب سے بے نیاز ہو کر باہر جھانکنے لگی۔

یہ رسمِ دنیا ہے۔

مل کر بچھڑنا ہے

کبھی بچھڑ کر ملنا۔

مگر مجھے حق چاہیئے۔

حق چاہیئے اپنے جینے کا!

کھڑکی باغ کی طرف میں کھلتی تھی۔ وہ عورت گھانس کو تک رہی تھی۔ کتنے سال ہو گئے اس نے گھانس پر قدم نہیں رکھا۔ اسے محسوس نہیں کیا۔ قدم رکھتے ہی ٹھنڈک کی جو لہر بدن میں دوڑتی ہے وہ اب سے بھول چکی تھی۔ اس گھانس کا لمس بھی بھول چکی تھی۔ سفید جوڑا پہن رکھا تھا اور یہی پہن کر رکھنا تھا۔ اس کے پاس تھے بہت جوڑے مگر سارے ہی

سفید۔۔۔۔

رسموں سے بغاوت نے اسے زمین پر لا پٹخا تھا۔

------------------------------------*

"ایک بات پوچھوں وجدان؟"۔

"تمہیں اجازت کی ضرورت کب سے پڑنے لگی؟"۔ فائلوں سے سر اٹھا کر اس نے سامنے بیٹھے زید کو دیکھا۔

"میں بہت دنوں سے دیکھ رہا ہوں تمہیں! تم اتنے بجھے بجھے کیوں پھر رہے ہو؟"۔ وہ اسے غور سے دیکھ رہا تھا، جیسے گہرائی تک جاننے کی کوشش کر رہا ہو۔

"ہم آفس ٹائم کے بعد بات کریں گے"۔ وہ اس کا سوال نظرانداز کر کے پھر سے فائلوں میں جھک گیا۔

"مگر میں ابھی جاننا چاہتا ہوں!"۔

وجدان نے ہارے ہوئے انداز میں اسے دیکھا اور گہری سانس لے کر رہ گیا۔

"تم کسی چیز سے بے خبر تو نہیں!"۔ وجدان نے تھکے تھکے لہجے میں کہتے ہوئے کہنیاں آفس ٹیبل پر ٹکائیں اور سر ہاتھوں میں گرا لیا۔

"تم ابھی تک اسے ہی سوچتے ہو؟"۔ وہ آنکھیں پھاڑے وجدان کو دیکھ رہا تھا۔

"میں اسے بھولا ہی نہیں زید!"۔

"اور اسے تمہارا نام بھی اب یاد نہیں ہو گا"۔ زید نے اسے سمجھانا چاہا۔

"مگر میں نے تو محبت کی ہے"۔ وہ ہار ماننے کو تیار ہی نہ تھا۔

"محبت تم نے کی ہے، اس نے نہیں! وہ صرف تمہارے قریب تمہاری۔۔۔۔"

"شٹ اپ زید! خدارا! ایسا کہہ کر کم از کم میرا دل تو نہ دکھاؤ"۔ وجدان نے دکھ سے میز پر ہاتھ مارا۔

"جو سچ ہے وہی بتا رہا ہوں وجدان قریشی! تمہاری عقل کا پردہ پھٹ گیا ہے سلوالو"۔ زید کا لہجہ تلخ ہوا۔

"میری بس ہو گئی ہے۔ میں واقعی تم سے بحث نہیں کر سکتا۔ تم ابھی جاؤ اور مجھے میرا کام کرنے دو! شام میں ہوتی ہے تم سے ملاقات ابھی تھوڑی دیر میں مجھے وجیہہ کو لینے بھی جانا ہے"۔ اس نے فائلیں درست کیں۔

"شام میں ملاقات ہی ہو گی"۔ زید اٹھ کھڑا ہوا۔ "اللہ کرے وہ کبھی تمہارے پاس لوٹ کر نہ آئے" اپنی گاڑی کی چابی اس کی میز سے اٹھاتا ہوا وہ یہ دعا کرنا نہ بھولا تھا۔

وجدان ششدر رہا۔

"تم مجھے بد عادے رہے ہو؟"۔ وہ اس بات کی توقع زید سے قطعی نہیں کر رہا تھا۔

"کیونکہ میں جانتا ہوں وہ کس طرح کی لڑکی ہے۔ اس نے کسی اور کے لئے تمہیں چھوڑ دیا۔ وہ تمہارے قریب بھی صرف اس لئے آئی تھی کہ تم دولتمند ہو اور جب اسے تم سے زیادہ دولتمند شخص مل گیا وہ تیرا کچھ سوچے بغیر اس کی جانب چل دی اور تو چاہتا ہے وہ پلٹ تیرے پاس آئے؟ جو ایک کا نہ ہو سکا وہ دوبارا کیسے اس کا ہو جائے گا؟ وجدان قریشی آنکھیں کھولو اور دیکھو یہ دنیا صرف محبت سے نہیں چلتی۔ محبت کرو مگر اس کی محبت کے چکر میں اپنی عقل نہ گنوا بیٹھو۔ اس دن میں تمہارے گھر آیا تھا تو دیکھی تھی میں نے سنگھار میز پر اس کی تصویر!"۔

وجدان چونکا۔ ہاں وہ تصویر جو اسے دو تین دنوں سے نہیں مل رہی۔

"وہ کہاں ہے؟ میں اسے دو دنوں سے ڈھونڈ رہا ہوں"۔

"پھینک دی پھاڑ کر تمہارے ہی گھر کے ڈسٹ بن میں"۔ زید کے چہرے پر مکمل سکون طاری تھا۔ وجدان نے پہلے صدمے سے اسے دیکھا اور پھر مٹھیاں بھینچیں۔

"تم یہ کیسے کر سکتے ہو؟"۔ وہ پوری قوت سے چلایا۔

"میں تمہارے لیئے کچھ بھی کر سکتا ہوں۔ چلو اچھا ہوا اب اس کی کوئی نشانی نہیں بچی"۔ وہ اب پر سکون تھا اور مسکرا رہا تھا کہ اچانک وجدان مسکرایا۔

"تم نے ایک تصویر پھاڑی ہے۔ میرے پاس دس سے زائد تصویریں ہیں اس کی!"۔ مسکراتا ہوا وہ پھر سے اپنی کرسی پر آ بیٹھا۔ زید کی مسکراہٹ سمٹی۔ کیا شخص تھا یہ؟۔

"وہ بھی پھاڑ دوں گا آہستہ آہستہ۔۔۔" وہ کڑھ کر رہ گیا۔

"دیکھتے ہیں!" وجدان مسکرایا۔

"میں ابھی جا رہا ہوں وجدان مگر اس بارے میں سوچنا ضرور! تم نے اسے سے محبت کی تھی۔ اس سے نکاح کرنا چاہا تھا مگر نکاح سے پہلے ہی اسے تم سے زیادہ اچھا لڑکا مل گیا اور وہ چھوڑ گئی تمہیں! کیوں چھوڑ گئی یہ سوچ لینا صرف۔۔۔ باقی باتیں تمہیں خود سمجھ آئیں گی اور جب سب باتیں پتا چل جائیں تو ان تصویروں کو جلا دینا ورنہ میں اس لڑکی کو کسی طرح سے ڈھونڈ کر زندہ جلا دوں گا"۔ وہ دانت پیس کر بھڑاس نکال رہا تھا۔

"یہ تمہارا معاملہ نہیں! دور رہو اس سب سے"۔ وجدان نے دو ٹوک بات کی۔

"مگر تم میرے دوست ہو۔ کیا دنیا میں لڑکیوں کی کمی ہو گئی ہے؟ جب کوئی لڑکی تمہیں مخاطب کرتی ہے تو انتہائی سرد لہجے میں تم بات کرتے ہو۔ میری بھی شادی ہو جائے گی

www.urdunovelsmania.com

اگلے مہینے! تم نے تنہا زندگی گزارنے کا فیصلہ تو نہیں کرلیا؟ یاد ہے وہ ہماری یونیورسٹی میں بیا نام کی لڑکی تھی؟"۔ وہ ایک ساتھ سارے سوالات کررہا تھا۔

"بیا؟"۔ وہ ناسمجھی میں بولا۔

"بیا اسے پیار سے کہتے تھے۔ اصل نام توانابیہ تھا۔ یاد آیا؟"۔

"ہمم ہاں آگیا یاد"۔ وہ فائلزپر اب دستخط کررہا تھا۔

"وہ تم سے بات کرنا چاہتی ہے"۔

"کیوں بھئی؟" وہ چونکا۔

"ایک لڑکی بات کرنا چاہ رہی ہے اس کا اور مطلب کیا ہوسکتا ہے"۔

"وہ مجھے اپنا بھائی بنانا چاہتی ہے تو میں ضرور بات کروں گا"۔

زید منہ کھولے اسے دیکھتا رہ گیا۔

'اگر یہی بہن تم نے اس دھوکے باز عورت کو بنائی ہوتی تو آج بہت خوش ہوتے اور شاید ایک بچہ بھی گود میں ہوتا"۔

وجدان ہنس دیا۔ اس کے گالوں پر ڈمپل گہرے ہوئے۔

"مجھے لگتا ہے وہ بیا تمہیں پسند کرتی ہے۔ اس سے بات تو کرو"۔

"وہ کرتی ہے پسند! مگر میں نہیں!"۔

"اس پاگل عورت سے محبت کر بیٹھا ہے"۔ وہ دانت پیس کر بڑبڑایا۔

"کچھ کہا؟"۔ وجدان نے جھٹکے سے سر اٹھایا۔ اس کے گھنے بال اس کے سر جھٹکے سے اٹھانے پر ہلے تھے۔

وہ ایک خوبصورت مرد تھا۔

"کچھ نہیں کام کرو اپنا"۔ وہ چڑ کر بولا اور چیئر پر پھر سے بیٹھ گیا۔

"تم جا نہیں رہے تھے؟"۔

"جی نہیں ارادہ بدل لیا"۔ وہ اس کی باتوں سے اب چڑ چکا تھا اس لئے جواب بھی چڑ کر دے رہا تھا۔

وجدان پھر سے کام کی طرف متوجہ ہو گیا۔ زید اس کا جائزہ لینے لگا۔

قد کاٹھ اس کی لمبی تھی۔ جسم وہ روز کی بنیاد پر جاتا اس لئے اس کے بھرے بھرے بازو تھے۔ نشیلی آنکھیں اور ہلکی ہلکی موچھیں پھر گال پر گہرا ڈمپل۔ نقشہ کھڑا تھا! کسی کو بھی وہ پہلی ہی جھلک میں متاثر کر سکتا تھا۔ گھنے کالے بال اور جب وہ سر کو جھکاتا تو بال آنکھوں کو چھپا لیتے۔ اس کی ڈریسنگ بھی کمال تھی۔ عام طور پر وہ جینز پر کالر والی شرٹ پہنتا تھا اور اکثر کف فولڈ ہوتے تھے۔ وہ ہر لڑکی کا آئیڈیل تھا مگر وہ دل کسی ایک کو دے چکا تھا۔ اس لڑکی کو جو ہر کسی کی ہو جاتی تھی۔

------------------------------------*

"باورچی سے کہہ آؤ کہ مردوں کے زمینوں سے لوٹتے کھانا لگا دیا جائے"۔ سمیعہ تائی نے اپنی دھی ثریا کو حکم دیا۔

"جی امّاں"۔ اثبات میں سر ہلاتی وہ چادر لپیٹتی باورچی کو خبر دینے آئی۔

"بی بی مجھے لگتا ہے کہ انہیں زمینوں سے آنے میں تاخیر ہو جائے گی اور داجی تو ایک بجے کھانے کا حکم دیتے ہیں!"۔

"کیا کر سکتے ہیں! ہو سکتا ہے داجی کے کھانے وقت سب لوٹ آئیں! آپ تیار رکھئیے گا اور ہاں۔۔ وہ۔۔ افشاں پھپھو کے لئے کیا بنوا رہے ہے دوسرے باورچیوں سے ؟" اسے یک دم یاد آیا تو پوچھ لیا۔

"پرہیزی کھانا ہے جو بن رہا ہے ساتھ ساتھ"۔ اس نے چولہے پر چڑھی دوسری دیگچی کی جانب اشارہ کیا۔

"کیا ان کے کھانے کی ٹرے ان کے کمرے سے خالی آتی ہے؟"۔

"جی نہیں! کھانا جیسا جاتا ہے ویسے ہی آتا ہے!"۔

ثریا نے حیرت سے اسے دیکھا۔

"مجھے نہیں لگتا بی بی کہ وہ کچھ کھاتی ہیں"۔ وہ گول چمچ اب تھوڑی تیزی سے دیگچی میں گھما رہا تھا۔

"آپ کو لگتا ہے کہ وہ کھا کر آرام محسوس کرتی ہوں گی؟" اس نے طنزیہ لہجے میں پوچھا۔

باورچی کا کام ایسے سوالوں کا جواب دینا نہیں تھا! اس لئے وہ خاموش رہا۔

"جب حلق سے تکلیف کے مارے کھانا اترتا ہے تو تکلیف راتوں کی نیند اڑا دیتی ہے۔ وہ عورت کیسے کھائے گی؟"۔ تلخ لہجے میں مسکرا کر کہتے ہوئے وہ باورچی خانے سے باہر نکلی۔ زینے چڑھ رہی تھی کہ رک کر نیچے کونے والے عالیشان کمرے کی طرف دیکھا جو داجی کا تھا۔

"سو رہے ہیں چین سے حویلی کی لڑکیوں کی نیندیں اڑا کر"۔ وہ دل میں کہہ کر نفرت سے سر جھٹکتی اوپر بڑھ گئی۔

--------------------------------------*

اس کی آخری امید بھی ختم ہوگئی تھی۔ حویلی والوں نے اس کے خوابوں کو آگ لگا دی تھی۔

وہ بچپن میں ڈاکٹر بننا چاہتی تھی۔

مگر یوں ہوا کہ بڑھتے ہوئے وقت نے سوچ بدل دی۔

اب اسے استاد بننا تھا۔ وہ اسکول میں پڑھانا چاہتی تھی۔

وہ ڈاکٹر ہی بنتی اگر حویلی کی رسموں کو جان نہ لیتی۔

اس نے قرآن پڑھا۔

اس نے اسلام میں عورت کا مقام جانا۔

پہلے پہل جب وہ چھوٹی تھی اور قرآن کا علم نہ تھا تو وہ یہی سمجھتی کہ شاید اسلام نے عورت کا رتبہ یہی رکھا ہے جو حویلی والوں نے اپنی عورتوں کا رکھا ہے۔ مگر وہ جب قرآن سے جڑی تو اس نے جانا کہ عورت کا مقام بہت بلند ہے۔ یہ رسم و رواج کی پابندی نقصان دہ ہے۔ عورت کو اپنی پسند ظاہر کرنے کا پورا پورا حق دیا گیا ہے۔

زیادہ مطالعہ کرنے سے اسے اور بہت سی باتیں معلوم پڑیں۔ جیسے کہ دوسری قوموں کی مشابہت کرنے سے منع کیا گیا۔

اس نے یہ بھی جانا کہ دین میں اضافہ کرنا بدعت ہے۔

حویلی والے پیر و فقیروں کے بہت ماننے والے تھے۔ ہفتے میں ایک دن طے تھا جب حویلی کی تمام عورتیں مزاروں پر جاتی تھیں۔

یہ قبروں میں موجود لوگ! جب یہ زندہ تھے تو انہیں رزق دینے والا کون تھا؟ ایک اللہ! کسی کے وسیلے سے اللہ سے مانگنا غلط ہے۔

جو قبروں میں لیٹے ہیں وہ بے یار و مددگار ہیں! وہ خود اللہ کے سہارے پر ہیں وہ تمہیں کیا دیں گے؟

اس نے حدیثوں کا مطالعہ کیا۔

"محمد (صہ) کی حدیث بھی پڑھی جس میں آپ (صہ) نے فرمایا تھا کہ تم قبروں کو عبادت گاہ مت بنانا، میں (محمد صہ) تمہیں اس سے منع کرتا ہوں"۔

urdu novels mania
www.urdunovelsmania.com

اس نے وہاں جانا ترک کر دیا تھا، مگر پھر حویلی کی عورتیں اس کی ذہنیت سمجھنے کی کوشش کرنے لگیں۔ وہ کھوجنے لگیں کہ کہیں یہ بغاوت پر تو نہیں اتر آئے گی؟ وہ اس کو زبردستی لے کر جانے لگیں مگر وہ وہاں جا کر بس ادھر اُدھر پھرا کرتی۔ نہ کہتی نہ بولتی۔ بس یک ٹک سب کو دیکھتی۔

وہ سورہ بقرہ کی آیت نمبر ۱۸ جسے اس نے زبانی کی ہوئی تھی وہ پڑھتی۔

صم بکم عمی فھم لا یر جعون۔

(یہ) بہرے اور گونگے ہیں اور اندھے ہیں کہ (کسی طرح سیدھے رستے کی طرف) لوٹ ہی نہیں سکتے۔

اس کی باتوں اور نظروں کے ارتکاز نے ان سب کو خبر دار کر دیا۔ ثریا جان گئی تھی کہ کبھی نہ کبھی صالحہ بغاوت ضرور کرے گی۔

ثریا اسے سراہتی اگر اسے یہ خوف نہ ہوتا کہ حویلی والے اگر یہ سب جان گئے تو صالحہ کو قتل کر دیں گے یا رسموں کی بھینٹ چڑھا دیں گے!

اس نے آس پاس جب اتنی جہالت کو عروج پر پہنچتے دیکھا تب اس نے اپنا خواب بدل لیا۔

اب وہ ایک استاد بننا چاہتی۔ وہ اس دور سے جہالت ختم کرنا چاہتی تھی مگر جب بڑی ہوئی تو یہ بات سہنا بھی آسان نہیں تھا کہ حویلی کی عورت بلا ضرورت باہر نہیں جاتیں اور جب جاتی ہیں تو ٹولی بنا کر جاتی ہیں مگر علیحدہ علیحدہ نہیں!

اس نے ہمت نہیں چھوڑی۔

اس نے بارھوی مکمل کر کے شہر یونیورسٹی جانے کا سوچا ہوا تھا تاکہ وہاں اسکول میں پڑھا سکے۔ اس طرح حویلی والوں کو بھی خبر نہ ہوگی۔

اس رات وہ تنہا کمرے میں بہت روئی۔ اس لیئے نہیں کہ داجی نے اسے بارھوی سے آگے پڑھنے کی اجازت نہیں دی! بلکہ اس لیئے کہ وہ استاد نہیں بن پائے گی۔ ارحم نے بھی اس کے جذبات نہیں سمجھے تھے۔ وہ ہمیشہ سے اسے دوسرے مردوں سے مختلف پائی تھی مگر یہ خوش فہمی بھی جلد ختم ہوگئی تھی۔ آج کل وہ بس قرآن کا مطالعہ اور اپنے رزلٹ کی فکر کررہی تھی۔ وہ بہت چھوٹی تھی جب فضیلہ باجی کے ساتھ ہوتا ظلم نے اسے سہما دیا تھا اور افشاں پھپھو پر ہوئے ظلم پر اس نے سختی آنکھیں میچ لی تھیں۔ حویلی افشان پھوپھو کی چیخوں سے گونجتی تھیں۔ لگ بھگ صالحہ اس وقت پانچ چھ سال کی تھی۔

حویلی میں لڑکیوں کی تعداد بہت کم تھی۔

ایک یہ خود۔ ایک ثریا جو سمیعہ تائی کی دھی تھی اور، شجر، اور روبی جو شمیلہ چچی کی دھی تھیں اور فضیلہ باجی تھیں جو صندل چچی کی بیٹی تھی۔ صندل چچی تو فضیلہ باجی کی پیدائش پر ہی اللہ کو پیاری ہوچکی تھیں۔

البتہ لڑکوں کی تعداد زیادہ تھی۔

www.urdunovelsmania.com

"سنا ہے زمینوں پر آج کل بہت جھگڑے ہو رہے ہیں! دوپہر کے کھانے کے دوران حویلی کے مرد بتا رہے تھے"۔ ثریا نے مونگ پھلی کا دانہ اچھال کر منہ میں ڈالا۔

صالحہ جو قلم کتاب پر رگڑ رہی تھی، اس نے چونک کر سر اٹھایا۔

"کیوں؟"۔

"یہ نہیں معلوم مگر سنا ہے کہ آج کل لڑائیاں چل رہی ہیں! دعا کرو کوئی قتل نہ ہو ورنہ کوئی لڑکی خون بہا میں جائے گی یا آئے گی ونی بن کر"۔

صالحہ کا دماغ سن ہو گیا۔

"یہ مردوں کے چکر میں بھی عورتیں ہی ان کے حصے کی سزا بھگتی ہیں۔ جاہل لوگ"۔ اس نے سر جھٹکا۔

"مگر کیا کر سکتے ہیں اب صالحہ؟ یہ ساری رواج و رسمیں ہماری حویلی میں ہمیشہ سے ہیں"۔

"مگر ان کا خاتمہ کر سکتے ہیں"۔

ثریا ہنس دی۔

"ان کا خاتمہ ممکن نہیں صالحہ! بغاوت مت کرنا کبھی۔ اس لئے کیونکہ میں تمہیں یہاں کی رسموں کی بھینٹ نہیں چڑھتے دیکھ سکتی"۔

"میں تمہارے ویر کی منگیتر ہوں ثریا! داجی کے اصولوں کے مطابق ہی سب ہو رہا ہے"۔

وہ پھر سے ڈائری میں جھکی۔ ثریا سوچ میں پڑ گئی۔

"صالحہ"۔ اس نے دھیمی آواز میں اسے پکارا۔

"جی"۔۔

"مجھے لگتا ہے تمہارے حیدر ویراں شاید مجھ سے شادی کے بعد خوش نہ رہیں"۔ لفظوں میں دکھ واضح تھا۔

صالحہ نے چونک کر سر اٹھایا۔

"کیوں؟"۔

"مجھے لگتا ہے وہ اس رشتے سے خوش نہیں"۔ اس نے دکھ کے ساتھ لب بھینچے۔

صالحہ نے گہری سانس لی۔ اگر ویر کی ثریا سے شادی نہ ہوئی تو ارحم سے صالحہ کی شادی بھی ممکن نہیں! وہ خاموش رہی۔

"تم نے اس کی ہی زوجہ بننا ہے جس کو اللہ نے تمہارے نصیب میں لکھا ہے۔ اس لئے غمزدہ نہ ہو!"۔ اس کی باتیں دل موہ لینے والی تھیں اس لئے ثریا اس سے بات کرنا زیادہ پسند کرتی تھی۔

"تم اتنے یقین سے کیسے کہہ لیتی ہو صالحہ؟"۔ وہ اس کا چہرہ کھوجتے ہوئے پوچھنے لگی۔

"کیا تم نے قرآن ترجمہ کے ساتھ پڑھا ہے ثریا؟"۔

ثریا نے اس کی بات پر غور کیا اور پھر سر جھٹک کر ہنس دی۔

"میں نے صرف عربی پڑھی ہے"۔

"ترجمہ بھی پڑھا کرو۔ تمہیں پتا چلے گا کہ اللہ کتنا بڑا مہربان ہے اور یہ بھی کہ اسلام میں عورت کا کیا مقام ہے! جب تم قرآن کو اپنے دل میں اتار لوگی تو تمہیں آس پاس جو جہالت نظر آئے گی، دیکھ کر تمہارا دل چاہے گا یہ سب ختم کردو۔ قرآن کو پڑھنا اور سمجھنا ضرور!"۔

وہ اسے نصیحت کر رہی تھی۔

"میں ضرور پڑھوں گی صالحہ! مجھے تم جیسا یقین چاہئے، حوصلہ چاہئے"۔ وہ جذب سے بولی۔

صالحہ مسکرادی۔

"بہت دیر ہوگئی ہے بمجھے جانا ہے"۔ صالحہ نے اٹھ کر ڈائری میز پر رکھی اور چادر نما ڈوپٹہ پورے وجود پر پلیٹ کر کمرے سے باہر نکلنے لگی۔

"کہاں جارہی ہو صالحہ؟"۔ ثریا نے گھڑی دیکھی جو دو بجا رہی تھی۔

"افشاں پھپھو کے پاس۔ وہ یقیناً میرا انتظار کر رہی ہوں گی۔ میں نے انہیں امید دلائی تھی"۔

ثریا کے دل کی دھڑکنیں تیز ہوئیں۔

"کوئی دیکھ لے گا صالحہ"۔ اس نے اپنا خدشہ ظاہر کیا۔

"کوئی نہیں دیکھے گا۔ سب سو رہے ہیں"۔ وہ بے پرواہی سے بولی۔

"کوئی گرم چیز پہن جاؤ صالحہ۔ ٹھنڈ بڑھ رہی ہے"۔ اس نے برابر رکھا صالحہ کا سوئیٹر اسے اچھال کر دیا۔ اچھے سے پہن کر اس نے خود کو گرم محسوس کیا اور پلٹ گئی۔

--------------------------------------*

رات کی چاندنی میں وہ اپنے کمرے کی کھڑکی سے باہر جھانکتا کسی کو سوچنے میں محو تھا۔

"دل ہے یہی کہ مرجاؤ صنم تم!"

یہ جملا اس نے کتنے سال پہلے اپنی کتاب میں لکھا تھا اس لڑکی کو سوچ کر۔

"ان چار سالوں میں میری محبت میں صرف اضافہ ہی ہوا ہے درشہوار"۔

سالوں پہلے وجدان نے ایک بار پھر اپنی محبت کا اظہار کیا تھا۔

وہ سن رہی تھی مگر لہجے میں اب وہ جذبات نہیں تھے۔ وہ اس سے اپنے اظہار کے جواب میں ہمیشہ کی طرح محبت کے اظہار ملنے کا انتظار کرتا تھا، مگر اس کی طرف سے سوائے "اچھا" کے کوئی جواب نہ آیا۔ وہ پہلی بار حیران ہوا۔

"کیا تم اپنی طرف سے اظہارِ محبت نہیں کرو گی؟" وہ شکوہ کن لہجے میں بول رہا تھا۔

"تھک گئی ہوں میں بار بار اظہار کر کے۔ ضروری نہیں کہ ہر دفعہ اظہار ہی کیا جائے"۔ وہ جنجھلا اٹھی۔

وہ متحیر ہوا۔ اس کا دل گویا کسی نے اپنی مٹھی میں لے لیا۔

اسے یاد آیا جب وہ یونیورسٹی کے آخری سال میں تھا اور اپنے دوستوں کے ساتھ عمارت کے باہر گارڈن کی گھانس پر بیٹھا باتیں کر رہا تھا تو وہی لڑکی اس کی طرف آئی تھی۔

"کیا ہم بات کر سکتے ہیں؟"۔

اور وہ ہمیشہ کی طرح جنجھلا گیا تھا۔

"معاف کیجیئے گا مگر نہیں"۔ اس نے منہ پھیر کر سرد لہجے میں جواب دیا۔

"مگر۔۔۔"وہ ممنائی۔

"میں نے آپ سے کہا تھا درشہوار علی کہ میں آپ کو پسند نہیں کرتا"۔ اس نے تیز نظروں سے اس بھورے بالوں والی لڑکی کو دیکھا۔

"مگر میں پسند کرتی ہوں آپ کو"۔

زید اس سب میں صرف اس لڑکی کو دیکھ رہا تھا جو اپنی منوانے کی کوشش کر رہی تھی۔

"تو۔۔۔؟" وجدان نے بھنویں اچکائیں۔

وہ لڑکی اداس نظروں سے دیکھتے ہوئے پلٹ گئی۔

زید کو ایک دم ہمدردی ہوئی۔

وہ غصے سے وجدان کو گھورتے ہوئے اٹھا اور اس لڑکی کے پیچھے بھاگا۔

"ہیلو"۔ اس نے مسکرا کر اسے پکارا۔

وہ رک گئی۔

"ہیلو" وہ پھیکا سا مسکرائی۔

"میں وجدان کی طرف سے معذرت کرتا ہوں"۔ چہرے پر شرمندگی واضح تھی۔

"نہیں اس کی ضرورت نہیں۔ وہ شاید ابھی بات نہیں کرنا چاہتے"۔

"وہ آپ سے بات ہی نہیں کرنا چاہتا"۔ اس نے کہہ کر زبان دانتوں میں دبائی۔

"پتا نہیں ایسا کیوں ہے؟ حالانکہ میں انہیں بہت پسند کرتی ہوں"۔

urdu novels mania www.urdunovelsmania.com

"میں اس سے بات کروں گا آپ کے بارے میں"۔

درشہوار نے سر اٹھا کر اسے دیکھا۔ آنکھوں میں امید کی کرنیں نمودار ہوئیں۔

"ہاں۔ آپ اس سے دوستی کرنے کی کوشش کیجیئے گا" وہ اسے امید دلا رہا تھا کہ وہ سب ٹھیک کر دے گا اور پھر اس نے ایسا ہی کیا تھا۔ ایک ہفتہ۔۔۔ پورا ایک ہفتہ اس نے وجدان کو سمجھانے اور اس کی سوچ بدلنے میں لگائے تھے۔

"میں اس سے محبت نہیں کرتا زید"۔ وہ جھلا کر بولا تھا۔

"تم اس سے دوستی تو کر کے دیکھو۔ وہ واقعی اچھی لڑکی ہے"۔ ایک ہفتے کی جدوجہد کے بعد وہ ان کی بات کروانے میں کامیاب ہو ہی گیا تھا۔

شروع کے دنوں میں وجدان ہمیشہ چڑا کرتا۔ پھر وقت گزرا تو سب اچھا لگنے لگا۔ وہ اچھی لگنے لگی، اس سے بات کرنا اچھا لگنے لگا۔ وہ اس کی طرف ڈھلتا گیا۔ ایسے میں زید درشہوار کو نوٹس کرنے لگا۔ وہ دیکھنے لگا کہ درشہوار کی ڈیمانڈز دن بہ دن بڑھ رہی ہیں۔ وہ تقریباً روز ہی وجدان سے کسی نہ کسی چیز مطالبہ کرتی۔ زید صرف سنتا، دیکھتا، مگر خاموش رہتا۔ ایک سال میں اتنا کچھ بدل گیا تھا۔ وہ جو اس سے ہمیشہ چڑتا آیا تھا اب اس پر دل ہار بیٹھا تھا۔ یونیورسٹی ختم ہونے کو تھی۔ یونیورسٹی کے آخری دن چل رہے تھے۔ زید یونہی ایک

کمرے کے باہر گزر رہا تھا۔ اندر کچھ لڑکیاں آپس میں گفتگو کر رہی تھیں۔ وجدان کے نام پر وہ ٹھٹھکا اور وہیں کھڑا ہو کر باتیں سننے لگا۔

"کیسی گزر رہی ہے زندگی وجدان کے ساتھ۔ سبحان تمہاری تلاش میں ہے۔ اس کی کل کال آئی تھی۔ وہ تم سے بات کرنا چاہتا ہے درشہوار۔ تمہیں اسے نہیں چھوڑنا چاہیئے تھا"۔ اس کی دوست افسوس سے نفی میں سر ہلا رہی تھی۔

"میں اسے چھوڑ چکی ہوں۔ اس بات کو بھی اب ڈھیرھ سال گزر گیا ہے"۔ لہجے میں بے پراوہی واضح تھی۔

"اگر ایسا تھا تو اسے محبت کا جھانسا کیوں دیا تم نے؟"۔

"وہ قابل نہیں تھا میرے۔ وہ میرے خواہشات کا احترام نہیں کر سکتا تھا"۔

"اس نے ہر ممکنہ کوشش کی ہے کہ تمہارے سوچوں کے معیار تک اترے"۔

"وجدان اس سے بہتر ہے"۔ نظریں پھیر کر جواب دیا۔

"کیونکہ وہ دولتمند ہے؟"۔

"بلکل!"۔ وہ مسکرائی۔ زید کے قدموں تلے زمین نکل گئی۔

"اور اگر تمہیں اس سے زیادہ اچھا لڑکا مل گیا تو وجدان کو بھی چھوڑ دو گی؟"۔ وہ لڑکی حیران تھی۔

"بلکل"۔ لپ اسٹک لبوں پر لگاتے ہوئے اس نے آپس میں ہونٹ ملا کر پھیلائی۔

"اور محبت؟"۔

"محبت کے لئے اپنی خواہشات کو ماردوں؟ ایسا کبھی نہیں ہوسکتا"۔

زید کا سر چکرانے لگا تھا۔ وجدان محبت کی انتہا پر تھا اور ایسے میں اسے روکنا اس کی بربادی سے کم نہ تھا۔

اس نے اسے سمجھانا چاہا مگر وہ سمجھنا ہی نہیں چاہتا تھا۔ چار سال ایسے ہی گزر گئے۔ اس لڑکی کے لئے محبت اس کے اندر بڑھتی گئی۔ زید اس وقت کو کوستا رہا جب اس نے اس کی بات وجدان سے کروائی تھی۔

چار سال گزر گئے۔ وہ وجیہہ سے دن رات درشہوار کی باتیں کیا کرتا۔ وجیہہ اسے نام سے نہیں بلکہ بھابھی ہی کہہ کر پکارنے لگی۔

پھر یوں ہوا کہ ایک دن جب وجدان نے نکاح کی بات چھیڑی تو گڑبڑا گئی۔ اس سے لڑنے لگی اور آج تک وجدان اس کے لڑنے کی وجہ ڈھونڈتا رہتا ہے۔ وہ اب منہ پھیر کر بات کیا کرتی تھی۔ وہ حیران رہ جاتا۔ وہ جب پکارتا، وہ سرد لہجے میں جواب دیتی۔ وہ ٹھٹھک جاتا۔ ایک دن اسے پکڑ کر جھنجھوڑ ہی ڈالا اور پوچھ ہی لیا کہ وہ آخر چاہتی کیا ہے۔ ایک لفظ نکلا تھا سرد لہجے میں۔ جسے وجدان کو سمجھنے میں تاخیر لگی۔

"جدائی"۔ وہ ساکت رہ گیا۔

"میں کسی اور کو پسند کرتی ہوں وجدان۔ میں اب تمہارے ساتھ نہیں رہنا چاہتی۔

معذرت"۔ وہ کہہ کر چلی گئی، مگر وہ وہیں رہ گیا۔ زید نے اسے اس سب سے نکالنے کی کوشش کی مگر وہ باہر نکلنا ہی نہیں چاہتا تھا۔ اس نے تہیہ کر لیا تھا کہ یا تو وہ اس کا انتظار کرے گا یا شادی ہی نہیں کرے گا۔ ایک ایکسیڈنٹ میں ماں باپ گزر گئے تھے۔ وہ کالج میں تھا جب ماں باپ گزر گئے۔ باپ کا بزنس سنبھالتے ہوئے کئی سال گزر گئے۔ وہ اس سال انتیس کا ہونے والا تھا۔ اگلے ماہ زید کی شادی تھی اور وہ چاہتا تھا کہ اب وجدان بھی شادی کر لے۔ کچھ سالوں میں وجیہہ کی بھی شادی ہو جائے گی۔ وہ کب تک یونہی تنہا زندگی گزارے گا؟ درشہوار کو بھی اس کی زندگی سے گئے کافی سال گزر گئے تھے۔

اس نے مڑ کر گھڑی دیکھی۔

رات کے تین بج رہے تھے۔ اس کی سوچوں میں وہ اب تک قبضہ کئے بیٹھی تھی۔ گہری سانس لیتے ہوئے اس نے سیگریٹ کا دھواں ہوا میں چھوڑا۔

اسے خود نہیں معلوم تھا کہ وہ کب تک یوں تنہا زندگی گزارنے والا تھا۔ وہ کبھی جو شوخ چنچل ہوا کرتا تھا اب مکمل خاموش ہوگیا تھا۔ ماں باپ کی موت کے بعد اس نے ہر کسی سے بات چیت کم کردی تھی۔ وہ ٹوٹ گیا تھا اور پھر کچھ سالوں بعد ایک لڑکی اسے مکمل توڑ گئی۔ اس نے تصویر پر نگاہ ڈالی۔ وہ گلابی رنگ کا کام کا سوٹ پہنی، اونچی پونی بنائے ہوئے، اسے اپنی طرف دیکھتے ہوئے محسوس ہورہی تھی۔ وہ تصویر کو غور سے دیکھنے لگا۔ ہاتھ میں پہنی اس کی ڈائمنڈ رنگ وجدان کی ہی دی ہوئی تھی جواب بھی درشہوار کے ہی پاس تھی۔ اس انگھوٹی کی فرمائش بھی درشہوار نے ہی کی تھی۔ وہ سانس بھرتا ہوا اپنی قسمت کو ہی کوسنے لگا، مگر اسے امید تھی۔ اسے امید تھی کہ وہ لوٹ کر ضرور آئے گی۔ وہ کیا کرے۔ زید کی آتی کال نے اسے ایک بار پھر گھڑی کی طرف مبذول کیا۔ فون اٹھا کر اسے کان سے لگایا۔ یہ رات گزرنے کا پتا بھی نہیں چلے گا۔ کیونکہ زید کال پر تھا۔

--------------------------------------*

"پھپھو۔ زمینوں پر جھگڑے ہورہے ہیں کہیں کوئی مرد قتل نہ ہوجائے"۔ اس نے سہم کر افشاں کا ہاتھ تھاما۔

اس ٹھہرے وجود کا چہرہ سفید لٹھے کی مانند ہوا۔

"اگر مقابل حویلی والوں میں سے کوئی مرد قتل ہوا تو میں نہیں جاؤں گی پھپھو ونی بن کر۔ میں نہیں جاؤں گی۔ میں اڑ جاؤں گی"۔ صالحہ ان کا ہاتھ مضبوطی سے پکڑے سر کو دائیں بائیں نفی میں تیزی سے ہلانے لگی۔

افشاں پھپھو نے اس کا ہاتھ پکڑ کر سہلایا اور تیزی سے اثبات میں سر ہلایا۔ وہ پھپھو کو انہماک سے دیکھنے لگی۔

وہ عورت سفید دودھیا رنگت کی حامل تھی۔ کنچی آنکھیں۔ صالحہ بنی بنائی افشاں تھی۔ آنکھوں سے لے کر چہرے کی رنگت تک وہ افشاں پر گئی تھی۔ بڑی بڑی آنکھیں اور آنکھوں پر گھنی پلکوں کی باڑ تھی۔ وہ بہت زیادہ خوبصورت نہیں مگر کسی کو متاثر کرنے کی قابل ضرور تھی۔ اس نے سارا حسن اپنی پھپھو سے چرایا تھا ماں باپ کی تو صرف بیٹی تھی۔ بولنے کا طریقہ ہو یا سوچنے کا نظریہ۔ وہ بنی بنائی افشاں تھی، بلکہ وہ افشاں ہی تھی۔ پینتس سال کی وہ عورت اب بھی حسن کا کرشمہ تھی، مگر وقت اس کا حسن اس سے چھیننے کی کوشش کر رہا تھا۔

"اگر میرے ساتھ زبردستی کی گئی تو؟ اگر میری رضامندی شامل نہ ہوئی تو؟"۔

اس کے سوالات پر عورت تیزی سے سر نفی میں ہلانے لگی۔

اس کی آنکھیں خوف سے پھٹ گئیں اور اس کے نفی میں سر ہلانے میں تیزی آئی۔

"آپ فکر نہ کریں۔ میں منع کردوں گی"۔ وہ زیرلب مسکرائی۔

وہ عورت پرسکون ہوئی۔ رات ڈھلنے لگی۔ صالحہ نے افشاں کی گھنٹی اٹھا کر اس کی سائیڈ ٹیبل پر رکھی اور اپنا چہرہ اس عورت کی گود میں رکھ کر آنکھیں موند لیں۔ نیند اس پر جلد ہی حاوی ہوگئی تھی۔ افشاں اس کے بالوں پر انگلیاں پھیرتے ہوئے باہر کی جانب دیکھنے لگی۔

"بس کسی پر برا وقت نہ آئے"۔ دل میں کہتے ہوئے وہ گود میں سر رکھی صالحہ کے لئے دعائیں مانگتی رہی، اور ساتھ حویلی کی تمام لڑکیوں کے لئے۔۔۔

----------------------------------*

اس عورت نے اسے جنجھوڑ کر اٹھایا تھا۔ صالحہ ہڑبڑا کر اٹھ بیٹھی۔

"کیا ہوا پھپھو؟"۔

اس نے گھڑی کی جانب اشارہ کیا جو صبح کے گیارہ بجا رہی تھی۔ صالحہ حیران و پریشان زمین پر کھڑی ہوئی۔

"ہائے اللہ! کہیں سب کو معلوم نہ پڑ گیا ہو کہ میں آپ کے پاس تھی ورنہ پتا نہیں کیا ہوگا میرا"۔ ماتھے پر ہاتھ مارتے ہوئے وہ نیچے بھاگی۔

نیچے پہنچی تو ایک عجیب سی ہڑبڑی مچی تھی۔ ہر ایک کے حواس بوکھلائے ہوئے تھے۔
ثریا تخت بیٹھی بے چارگی سے نفی میں سر ہلا رہی تھی۔ وہ ٹھٹھک گئی۔ ثریا نے صالحہ کر دیکھا جو ساکت نظروں سے اسے دیکھ رہی تھی۔

"کک۔ کیا ہوا ہے ثریا؟"۔ کچھ دور کھڑی وہ زرد پڑتے چہرے کے ساتھ اس سے پوچھ رہی تھی۔

ثریا بوکھلاتے حواسوں کو بمشکل قابو کرتے ہوئے اسے کچھ بہت غلط ہونے کا اشارہ کرنے لگی۔

صالحہ کے لب کانپنے لگے۔

"ونی"۔ ثریا کے لبوں سے ایک کانپتا لفظ آزاد ہوا۔

صالحہ کا دل زور دھڑکنے لگا۔ سنسنی سی لہر پورے وجود میں پھیلی۔

"آئے گی یا۔۔۔۔ ج۔ جائے گی؟" وہ ہکلا کر بولی۔

"آئے گی"۔ ثریا کے جواب پر اس نے درد سے آنکھیں میچیں۔

------------------------------------*

DON'TCOPYPASTEWITHOUTMYPERMISSION.

زنجیر از قلم عینا بیگ۔

قسط۳

"کون قتل ہوا ہے ثریا؟"۔ اس نے دھڑکتے دل اور کپکپاتے لبوں سے ساکت ہو کر پوچھا۔

"کوئی نہیں بتا رہا ہے ہمیں صالحہ۔ ابھی مرد نہیں آئے حویلی۔ ابھی صرف مشیروں سے خبر پہنچی ہے"۔ وہ ہاتھوں میں سر دیتے ہوئے بولی۔

صالحہ نے تھوک نگلا۔ کہیں حیدر ویر تو۔۔۔۔۔؟ سب سے پہلے زمینوں پر کون گیا تھا؟۔

اس کا دل سکڑنے لگا۔ وہ ماں کے پاس بھاگی۔

کچن سے اماں کی آتی آوازیں سن کر وہ کچن کی طرف بڑھی۔

وہ باورچیوں سے کھانا پکوا رہی تھیں۔ باورچیوں کے ہاتھ پتیلیوں میں چمچہ گھماتے ہوئے تیزی سے چل رہے تھے۔ وہ حیران ہوئی کہ ابھی مرنے کی خبر آئی ہے اور اماں اتنا اطمینان سے کھانا پکوا رہی ہیں۔

"اماں وہ۔۔۔" باقی الفاظ منہ میں رہ گئے۔ کہے تو کیا کہے کہ اماں مرا کون ہے یا میت کب گھر آئے گی؟ یا یہ کہے کہ ونی کا استقبال کیسے ہوگا؟۔

"ہاں دھی جلدی بول وقت کم ہے"۔ وہ ہاتھ میں پہنے سونے کی کڑے اتارنے لگیں۔

"کڑے کیوں اتار رہی ہو اماں؟"۔ وہ عجیب سی نگاہوں سے انہیں دیکھنے لگی۔ اماں نے اس کی باتوں پر دھیان نہ دیا اور دھیرے دھیرے چل کر باہر آگئیں۔ ان کڑوں کو اتار کر ایک چھوٹے کپڑے میں رکھا اور جھمکے سمیت تمام زیور اتارنے لگیں۔ صالحہ انہیں دیکھتی رہی۔ اس کپڑے میں تمام زیور ڈال کر اسے پوٹلا بنا کر گرڈھا لگائی اور اسے پکڑا دیا۔

"جا میری دھی اسے میرے کمرے میں رکھ آ"۔ انھوں نے چھوٹی سی پوٹلی اس کی ہتھیلی میں دبا کر اس کی ہتھیلی بند کی۔

"اماں مگر ایک دم سب ساتھ میں کیوں اتار دیا؟۔مجھے کچھ سمجھ نہیں آرہا اماں"۔

وہ اپنی ماں کا چہرہ بہت غور دے دیکھ رہی تھی جہاں کوئی غم کے آثار نہ تھے۔

"کیا تجھے علم نہیں کہ حویلی میں کسی مرد کا قتل ہوگیا ہے؟"۔ وہ الٹا اسے حیرانی سے دیکھنے لگیں۔

"اماں مجھے علم ہے، مگر آپ یوں اچانک سے سارا زیور اتار کر دے رہی ہیں؟"۔

اماں نے ماتھے پر ہاتھ مارا۔

"سوگ ہے صالحہ۔ موت پر اس حویلی کی عورتیں اپنا تمام زیور اتار دیتی ہیں اور صرف غم منایا کرتی ہیں"۔

صالحہ کا دماغ چکرانے کے قریب تھا۔ اس نے سر جھٹکا۔

"اماں قتل کس کا ہوا ہے؟"۔

"مرد آئیں گے تو ہی پتا چلے گا یا کسی ملازم کو بھجوانا پڑے گا"۔ ان کا لہجہ بے حد عام تھا۔

"اماں مجھے ڈر لگ رہا ہے۔ حیدر ویراں کہاں ہے؟ کہیں انہیں ت۔۔۔"وہ گھبراتے ہوئے ابھی اپنا خدشہ ظاہر کر ہی رہی تھی کہ اماں نے ڈپٹ کر خاموش کروایا۔

"اے ہے رب اسے لمبی زندگی دے۔ وہ یہاں نہیں ہے!۔ شہر جا چکا ہے۔ اسی لیے میں اتنی مطمئن بیٹھی ہوں"۔ وہ کہتے ہوئے کچن میں چلی گئیں۔

صالحہ کو اطمینان ہوا، مگر دکھ بہت ہوا اپنی ماں کی سوچ پر کہ اگر اپنا بیٹا ہوتا تو ایک واویلا مچا دیتیں۔ خیر یہ اس حویلی کی ہر عورت کا معاملہ تھا۔ وہ کپڑے کا پوٹلہ اماں کے کمرے میں رکھ آئی۔ لگتا تھا میت کے ساتھ ونی بھی آنے والی تھی۔ دو مردے اس گھر میں آنے والے تھے۔ اسے دو باتیں جاننے کا بہت تجسس پیدا ہوا۔ ایک یہ کہ موت کس کی ہوئی

urdu novels mania
www.urdunovelsmania.com

ہے؟ اور دوسرا یہ کہ ونی کو کس کے نکاح میں دیا گیا ہے۔ گھر میں سوگ کی کیفیت تھی۔ جن عورتوں کے بیٹے زمینوں پر تھے ان ماؤں کا دل حلق میں آچکا تھا!۔ وہ سہمی ہوئی تھیں کہ کہیں ان کا بیٹا تو نہیں مارا گیا؟۔ ثریا بولائے بولائے حویلی میں پھر رہی تھی۔

صالحہ ارحم کے کمرے کے سامنے سے گزری تو اسے یاد آیا کہ وہ بھی تو صبح سے زمینوں پر تھا۔ یہ خیال آنا تھا کہ وہ سہمتے ہوئے نیچے بھاگی۔ اس کی سانسیں بری طرح پھولنے لگیں۔ نیچے اتری تو ایک ملازم کھڑا تھا جو شاید باہر سے ہی آیا تھا۔ سامنے سے ثریا بھی اسے دیکھ کر اپنی جگہ پر ہی رک گئی تھی۔

"ارحم صاحب ٹھیک ہیں رشید بابا؟"۔ اس نے پھولی سانسوں سے جلدی سے پوچھا۔ پیچھے کھڑی ثریا کا بھی دل زور سے دھڑکنے لگا۔ اسے بھی یہی خدشہ لاحق تھا کہ کہیں اس کا بھائی تو قربان نہیں ہوا۔

www.urdunovelsmania.com

"نہیں بی بی! شرجیل صاحب کا قتل ہوا ہے اور ارحم صاحب کا قاتل کی بہن سے نکاح!"۔ رشید صاحب نے زمینوں کا حال سنایا اور جھک کر آگے بڑھ گئے۔ صالحہ جو کچھ اور ہی سمجھ بیٹھی تھی، اس کا چہرہ سفید لٹھے کی مانند ہوا۔ وہ ساکت رہ گئی۔ ثریا نے آنکھیں پھاڑ کر حیرت سے منہ پر ہاتھ رکھا۔ یہ کیسے ہو سکتا ہے؟ داجی ایسا کیسے کر سکتے ہیں؟۔ حویلی میں ایک

کہرام مچ گیا۔ زاہدہ چچی اپنے بیٹے کے موت کا سن کر چیخنے لگیں۔ وہ زمین پر سر پکڑ کر بیٹھتی چلی گئی۔ سمیعہ تائی حیران تھیں، مگر دل ہی دل میں شکرادا کر رہی تھیں کہ ان کا بیٹا موت کے منہ میں جانے سے بچ گیا۔ صالحہ نے دونوں ہاتھ چہرے پر رگڑے۔ اسے کچھ سمجھ نہیں آرہا تھا یہ کیا ہو رہا ہے۔ ڈوپٹہ سر سے ڈھلک کر کندھوں پر آگیا۔ اب کیا ہوگا؟ داجی بھلا ایسا کیسے کر سکتے ہیں؟۔ وہ اس کا منگیتر تھا!۔ کیا زمینوں پر اور حویلی کے لڑکے نہیں تھے جو یوں ارحم کا نکاح پڑھا دیا؟۔ اس کے گال آنسوؤں سے تر ہو چکے تھے۔ وہ چیخ کر اوپر کی جانب بھاگی۔ ایسا کیسے ہو سکتا ہے بھلا؟۔ وہ اتنی تیزی سے کمرے کی جانب بھاگ رہی تھی کہ اس کا ڈوپٹہ صرف ایک کندھے پر لٹکا تھا۔ ثریا کے دل پر ٹیس پڑی۔ اس کا دل چاہا کہ صالحہ کے پیچھے جائے، مگر یہ سوچ کے نہ گئی کہ اسے ابھی اکیلا چھوڑ دینے میں ہی عافیت تھی۔ حویلی میں عورتوں کی رونے کی آوازیں بلند ہو رہی تھیں۔ وہ کمرے میں پہنچی اور زور سے دروازہ بند کیا۔ آنکھیں مکمل بھیگی ہوئی تھیں۔ ارحم ایسا کیسے کر سکتا تھا؟۔ کیا اس نے منع نہیں کیا داجی کو ایسا کرنے سے؟۔ اس نے اپنی سائیڈ میز کی دراز کھولی اور اس میں موجود ارحم کی تصویریں نکالیں۔ ایک ایک نظر ان پر ڈال کر سب کو باری باری پھاڑ کر تصویریں دراز میں ڈال دیں۔ اسے غصہ آنے لگا۔ آنسوؤں میں اور تیزی آگئی۔ وہ جانتی تھی کہ وہ حق کی بات پر بھی آواز نہیں اٹھا سکتی کیونکہ وہ عورت ہے۔ اس کی ہمت ٹوٹنے

لگی۔ کیا ارحم نے اس کے بارے میں ایک بار بھی نہ سوچا؟۔ کیا اس کی محبت اس حد تک کمزور تھی؟۔ روتے روتے ہچکیاں بندھ گئیں۔ پاس رکھا موبائل اٹھایا اور حیدر کو کال ملانے لگی۔ وہ اپنا غم صرف اپنے ویر کو سنانا چاہتی تھی۔ ڈوپٹہ ایک طرف کو پڑا تھا اور بال مکمل پونی سے الگ ہو چکے تھے۔ کثرت سے دل کر رہا تھا کہ ویر فون اٹھا لے۔ ایک ایک لمحہ اس پر بھاری پڑ رہا تھا۔

----------------------*

"جیا سمجھنے کی کوشش کرو یار"۔

وہ دونوں ہی کینٹین میں بیٹھے تھے۔

"کیا سمجھنے کی کوشش کروں حیدر؟۔ تم اصل بات بتا کیوں نہیں دیتے کہ تم رشتہ لانا ہی نہیں چاہتے؟"۔ وہ اسے سے خفا تھی۔

"جیا میں ابھی کچھ نہیں کر سکتا"۔ وہ ہمت ہارنے لگا تھا۔ ایک دم اس کے موبائل پر بیل بجی تھی جو اس نے جھنجھلا کر بغیر نام پڑھے ہی کاٹ دی تھی۔

"تم نے اپنے حویلی والوں کو میرے بارے میں ابھی تک بتایا بھی نہیں؟۔ کیا تمہارا ارادہ بھی ہے رشتہ لانے کا یا یونہی ٹرخاتے رہو گے؟"۔ اس نے سامنے رکھے جوس کے گلاس کو ہاتھ بھی نہیں لگایا تھا۔

"اتنا آسان نہیں ہے انہیں بتانا!۔ میں تمہیں کیسے بتاؤں کہ حویلی والے۔۔۔۔" وہ کہتے کہتے رک گیا۔

"حویلی والے۔۔۔کیا؟"۔ وہ چونکی۔ اس کی زبان کو تالا پڑ گیا۔ وہ یہ بات کہنے سے ہمیشہ سے ڈرتا آیا تھا۔ وہ اس کو یک ٹک ساکت نظروں سے دیکھ رہا تھا اور وجیہہ اس کے جواب کا انتظار کر رہی تھی۔

"تم نے بتایا نہیں حیدر؟"۔ وہ اپنے ماتھے پر بل ڈال کر بلند آواز میں بولی۔ حیدر نے تھوک نگلا۔ وہ اب بھی چپ ہی رہا۔

"کیا تم بتاؤ گے حیدر یا میں جاؤں؟"۔ اس بار آواز پہلے سے زیادہ اونچی تھی۔

"حویلی والے وٹہ سٹہ کے بغیر شادی نہیں کرتے"۔ وہ جھنجھلا کر جلدی سے بولا اور نظریں پھیر لیں۔ حیدر اس کے چہرے کے تاثرات نہیں دیکھنا چاہتا تھا۔ وجیہہ کے چہرے نے رنگت بدلی۔ دل زور زور سے دھڑکنے لگا۔

"کیا مطلب اس بات کا؟"۔ وہ نا سمجھی میں بولی۔

"مطلب یہ کہ ہماری شادی اس صورت میں ہی ممکن ہے اگر میری بہن تمہارے بھائی کے ساتھ بیاہ دی جائے۔ حویلی والے بغیر وٹہ سٹہ کے شادی نہیں کرتے ہیں وجیہہ"۔ وہ تھک چکا تھا یہ باتیں اپنے اندر رکھ کر۔ اس لئے آج دل ہلکا کر ڈالا۔

"یعنی کک۔کہ"۔وہ ہکلائی۔

"بلکل !اگر وجدان بھائی کی شادی صالحہ سے ہوگی تو ہی ہم دونوں شادی کرپائیں گے !"۔

"ایسا کیسے ہوسکتا ہے ؟۔وہ نہیں مانیں گے !"۔وجیہہ نے پریشانی سے ہاتھوں میں سر گرالیا۔

"کوشش کرو!وہ تمہاری بات کبھی بھی نہیں ٹالیں گے !"اس نے وجیہہ کی ہمت بندھانی چاہی۔

"مگر۔۔۔"وہ اپنا کوئی جملہ مکمل نہیں کرپارہی تھی۔اسے سمجھ نہیں آرہا تھا کہ یہ سب کیسے ہوگا۔

"وہ تمہاری کوئی خواہش نہیں ٹالتے جیا۔۔۔دیکھنا وہ مان جائیں گے"۔

وجیہہ کے ہاتھ ڈھیلے پڑ گئے۔اس نے سانس ہوامیں چھوڑی۔

"یہ کوئی چھوٹی موٹی چیز نہیں ہے حیدر۔میں کیسے کہوں گی انہیں ؟"۔وہ پریشانی سے دونوں ہاتھوں سے ماتھے سے بالوں تک سختی سے ہاتھ پھیر کر بولی۔

"وہ مان جائیں گے"۔وہ ایک ہی بات دہرا رہا تھا۔

"یہ شادی کا فیصلہ ہے حیدر!۔کوئی چھوٹی موٹی چیز نہیں جس کے لئے میں رو رو کر مانگ لوں۔وہ خود بھی ایک لڑکی کو بہت چاہتے تھے۔وہ دل توڑ گئی ہے ان کا۔بھائی پہلے ہی اتنا

ٹوٹے ہوئے ہیں۔ وہ اس لڑکی کے علاوہ کسی سے شادی نہیں کریں گے"۔ وجیہہ کبھی بھی رو دینے کو تھی۔

"دیکھو میں بھی تو اس سب میں اپنی بہن قربان کر رہا ہوں؟۔ جبکہ میں یہ جانتا ہوں کہ وہ میری تائی کے بیٹے کی منگیتر ہے۔ اگر میں اپنی بہن تمہارے لیے قربان کر سکتا ہوں تو تم کیوں نہیں؟۔ دیکھو جیا!۔ ہم اگر ایک ہونا چاہتے ہیں تو ہمیں ایسا ہی کرنا ہوگا۔ میں حویلی نہیں چھوڑ سکتا۔ اگر میں نے حویلی چھوڑ بھی دی تو میں کیا کروں گا؟۔ اگر میں سب سے ہٹ کر چلا تو ہو سکتا ہے کہ جائیدادوں سے وہ مجھے عاق بھی کر دیں جو کہ میں قطعی نہیں چاہتا۔ ہماری گاؤں میں لاتعداد زمینیں ہیں جیا۔ وہ ہمارے لیے ہی تو ہیں۔ میں انہیں اپنے ہاتھ سے نکلتا نہیں دیکھ سکتا۔مجھے تم سے شادی کے لئے اپنی بہن کو بھی زبردستی دینا ہوگا جبکہ میں یہ اچھی طرح جانتا ہوں وہ دل میں ارحم بٹ کو بہت چاہتی ہے۔ میں بھی تو اپنے دل کے لئے اپنی بہن کو قربان کر رہا ہوں؟۔ تم بھی اپنے بھائی کو منالو"۔ وہ اسے سمجھا رہا تھا اور وہ سر ہاتھوں میں گرائے اسے سن رہی تھی۔

"اگر بھائی نہیں مانے تو؟"۔ اس نے اپنا خدشہ ظاہر کیا۔

"میں زمینیں نہیں چھوڑ سکتا جیا۔ اگر میں نے وٹہ سٹہ کے بغیر حویلی والوں کے خلاف جا کر شادی کی تو وہ مجھے اپنی جائیداد سے عاق کر دیں گے۔مجھے حویلی سے نکال دیں گے۔ میں

اپنی جائیداد نہیں چھوڑنا چاہتا۔ وہ زمینیں ہمارے مستقبل کے لیے کافی ہیں۔ میں دو ٹوک لہجے میں بات کرتا ہوں تم سے کہ میں حویلی کی دولت نہیں چھوڑ سکتا۔مجھے اپنا مستقبل محفوظ کرنا ہے"۔

وہ اپنی لالچ کو مستقبل کی حفاظت کا نام دے رہا تھا۔ وجیہہ سمجھ نہ پائی بلکہ وہ یہ سوچ کر سہم گئی کہ کہیں وہ اسے نہ چھوڑ دے۔

"اور ہم دونوں کا کیا؟"۔

"میں تمہیں نہیں چھوڑنا چاہتا جیا"۔ وہ قدرے جذب سے بولا تھا۔

"تم اپنی زمینیں مت چھوڑنا حاد۔ بھائی کو ماننا ہوگا میری خوشی کے خاطر!۔ ہمیں اپنا مستقبل محفوظ بھی کرنا ہے۔میں بھائی کو بتاؤں گی آج کل میں!۔ تمہارے بارے میں بھی اور تمہاری حویلی کی رسموں کے بارے میں بھی۔ وہ مان جائیں گے"۔

وجیہہ کے منہ سے یہ سب سنتے ہوئے اس کی باچھیں کھل اٹھیں۔

"تم سچ کہہ رہی ہو؟"۔ اسے قطعی امید نہیں تھی کہ وہ اتنی جلدی مان جائے گی۔

"بلکل!"۔ وہ مسکرائی۔ وہ اسے کھونا نہیں چاہتی تھی بلکل ایسے جیسے وہ اسے کھونا نہیں چاہتا تھا۔ ہاں وہ ایک دوسرے سے دل محبت کرسکتے تھے۔ چار سال کی محبت قطعی جھوٹی نہیں ہو سکتی۔

اسی وقت موبائل پر پھر بیل بجی تو اس نے نام پڑھا۔ "صالحہ" نام جگمگا رہا تھا۔ صالحہ کے پاس کوئی بڑا موبائل نہیں تھا بلکہ ایک چھوٹا بٹن والا موبائل تھا۔ یہ سب چیزیں حویلی والوں سے دور تھیں۔ وہ ایک دفع حیدر کے ساتھ شہر آئی تھی تو حیدر نے اسے چھپکے سے یہ موبائل دلایا تھا۔ حالانکہ اس موبائل پر وہ میسج کے سوا کچھ نہیں کر سکتی تھی، مگر یہ بھی صالحہ کے لیے بہت خاص تھا کیونکہ یہ اس کے ویر نے دلایا تھا یہ کہہ کر کہ حویلی میں کسی کو مت بتانا ورنہ اس بات پر بھی قیامت برپا ہو جائے گی۔ اس کا نام دیکھ کر ہی اسے اپنی بہن کی بری قسمت کا خیال آیا۔ اس نے کال اٹھا کر کان سے فون لگایا۔

"ہیلو"۔ اس نے آغاز کیا۔ دوسری طرف سے جو روتے ہوئے ہچکیوں کے ساتھ بتایا گیا تھا اسے سن کر اس کی آنکھیں پھٹتی چلی گئیں۔

"کیا؟ شرجیل کا قتل؟ ارحم؟ نکاح؟"۔ وہ ہکلاتے ہوئے لفظ ادا کر رہا تھا۔ وجیہہ کے ماتھے پر بل پڑے۔ وہ یک دم پریشان ہوئی۔

"ہاں! میں تھوڑی دیر میں نکلتا ہوں گاؤں کے لیے تم رو مت!"۔ اسے تنبیہ کرتے ہوئے کال کاٹی اور اٹھ کھڑا ہوا۔

"حویلی کے حالات ٹھیک نہیں ہیں جیا۔ مجھے جانا ہوگا۔ شرجیل کا قتل ہو گیا ہے اور ارحم کا ونی سے نکاح۔ مجھے جانا ہے ابھی"۔ وہ ہڑبڑاتے ہوئے اٹھ کھڑ

وجیہہ نے تیزی سے اثبات میں سر ہلایا۔

"میں حالات کو وہاں پہنچ کر آگاہ کروں گا"۔

"ٹھیک ہے حاد۔ تم کب آؤ گے اب؟"۔ وہ پریشان ہو گئی تھی۔ وہ شہر آیا بھی تو کتنے دنوں بعد تھا اور اب اتنی جلدی چلا جائے گا۔

"جلدی واپسی ممکن نظر نہیں آرہی!۔ میں کوشش کروں گا جیا۔ تم اپنے بھائی سے بات کر لینا"۔ وہ کہہ کر رکا نہیں تھا۔ "خدا حافظ" کہتا اداس نظروں سے آگے بڑھ گیا تھا۔ وجیہہ نے ہاتھ میں پہنی گھڑی کی طرف نگاہ ڈالی۔ وجدان آنے والا تھا۔ اسے جاننا صرف اتنا تھا کہ ان کی زندگی کی کہانی رخ کس طرف موڑتی ہے۔

------------------------*

"اتنی چپ چپ کیوں ہو وجیہہ؟"۔ بلیک پینٹ کوٹ پر کالی ٹائی، آنکھوں پر حیرت لیے اس سے سنجیدگی سے پوچھ رہا تھا۔ وجیہہ کا دل گویا حلق میں آیا۔

"نہیں وہ بس۔۔۔۔ کچھ نہیں میں۔۔ وہ۔۔" اسے اتنی جلدی کوئی بہانہ نہ مل پایا۔

"کیا ہوا؟۔ کوئی بات ہے؟ کیا تمہیں کچھ چاہیے؟"۔ وہ چونکا۔

دل چاہا بول دے کہ "آپ کی قربانی"۔

اسے خود پر افسوس ہوا کہ وہ کیسی بہن ہے جو اپنے بھائی کی محبت کا فائدہ اٹھانے لگی ہے۔

"مجھے آپ سے بات کرنی ہے بھائی، مگر ابھی نہیں"۔ وہ بول پڑی کہ کبھی نہ کبھی تو کہنا ہی تھا۔ دل نے منع کیا، مگر دل کو تھپک دیا۔ وہ چار سال کی محبت کے لیے اپنے بھائی کی بائیس سال کی محبت اور شفقت بھلا رہی تھی۔

"کیا کوئی خاص بات ہے گڑیا؟"۔ اس کے یوں گڑیا بولنے پر وجیہہ کو رونا سا آنے لگا۔ اسے لگا وہ اس لقب کے قابل نہیں ہے۔

"ہاں بھائی۔ ہم اس موضوع پر رات میں بات کریں گے"۔ اس کے لب کپکپانے لگے تو اس نے پہلو بدلا تاکہ اپنا آپ ریلکس کر سکے۔

------------------------*

مغرب تک میت کو حویلی لے آیا گیا تھا۔ داجی نے دھاڑ کر عورتوں کو خاموش کروایا۔ زاہدہ چچی تڑپ کر رہ گئیں۔ دل چاہا کہ چیخیں چلائیں کہ کیا وہ اپنے بیٹے کی موت کا غم بھی نہیں منا سکتیں۔ وہ بھاگتی ہوئی میت کی طرف آئی تھیں۔ باقی سب عورتیں بھی آس پاس ہی کھڑی تھیں۔ سب افسوس کر رہے تھے۔ وہ اپنے بیٹے کا چہرہ آخری بار دیکھنے کے لئے اس کے قریب آکھڑی ہوئیں۔ اس کے چہرے سے چادر اٹھاتے ہوئے ہاتھ مسلسل کانپ رہے تھے۔ صالحہ زینے اتر کر نیچے آئی تھی اور اب دیوار پکڑے کھڑی تھیں۔ آنسو مسلسل بہے جا رہے تھے۔ زاہدہ چچی نے چادر اٹھائی۔ آنکھیں حیرت سے پھٹیں اور وہ

چیختے ہوئے پیچھے ہٹیں۔ پیچھے سے شرجیل دروازے سے اندر داخل ہوا۔ سمیعہ تائی جو اپنے بیٹے کا نکاح کا سن کر تھوڑی مطمئن بیٹھی تھیں، چیختے ہوئے میت کی جانب بڑھیں۔

"ہمارا بیٹا مر گیا سمیعہ"۔ شبیر بٹ صدمے کی حالت میں بولے۔

"ارحم"۔ چادر میں لپٹا ان کا جوان بیٹا خون میں لت پت تھا۔ وہ چیختے ہوئے اس کی جانب بڑھیں۔ صالحہ فق ہوئی رنگت کے ساتھ سارا تماشہ دیکھ رہی تھی۔ وجود ڈھیلا پڑ رہا تھا۔ وہ جو سر پر ڈوپٹہ ڈالنے لگی تھی، ہاتھ ڈھیلے ہو گئے اور ڈوپٹہ زمین پر گر گیا۔ شرجیل ساکت سی نظریں ارحم کے بے جان ہوئے وجود پر ڈالے ہوا تھا۔ اس بھرے مجمع میں پیچھے دروازے سے حیدر نے قدم رکھا۔ بندوق کی گولیاں ارحم کے سینے میں پیوست تھیں اور رنگت سفید لٹھے کی مانند ہو رہی تھی۔ صالحہ کی آنکھ سے ایک آنسو ٹپکا اور وہ زمین پر اوندھا منہ گر گئی۔ حیدر نے اس مرے ہوئے شخص کو دیکھا اور سہم کر پیچھے ہٹا۔ وہ خبر غلط تھی جو ان تک پہنچی تھی۔ شرجیل کا نکاح ہوا تھا اور ارحم کا قتل۔۔۔۔

----------------------*

DON'TCOPYPASTEWITHOUTMYPERMISSION

زنجیر از قلم عینا بیگ

قسط ۴

اس کی آنکھ کھلی تو وہ ایک بند کمرے میں تھی۔ اس کے سر پر کوئی پٹیاں رکھ رہا تھا۔ اس نے سر اوپر کر کے دیکھنا چاہا، مگر کمزوری اتنی کہ ایک انچ نہ ہل پائی۔ کیا ہوا تھا؟ وہ یہاں کیوں ہے اور کب سے ہے؟ وہ ماضی کو یاد کرنے لگی۔ سانسیں گہری ہو رہی تھیں۔ سر پر ایک اور پٹی رکھی گئی۔ اس نے بولنے کی کوشش کی، مگر بول نہ پائی۔ ایک لالٹین اس کے سامنے میز پر رکھی تھی جس کی مدھم روشنی کمرے میں پھیلی ہوئی تھی۔ اس نے ایک بار پھر کوشش کی بولنے کی، مگر کوئی فائدہ نہ ہوا۔ ہمت ہارے بغیر وہ پھر سے کوشش کرنے لگی۔ لب کپکپائے اور لرزتے ہوئے ایک الفاظ لبوں سے آزاد ہوا۔

"ک۔ کون؟"۔ وہ بس اتنا ہی کہہ پائی۔

"تمہاری چچی"۔ اس کے پیچھے بیٹھی عورت دھیرے سے بولی اور ایک پٹی پھر اس کے ماتھے پر رکھی۔

"شمیلہ؟"۔ ادھ کھلی آنکھوں سے سامنے دیکھتے ہوئے پھر سے پوچھا۔

"ہاں میری دھی"۔ وہ پیار سے ہاتھ اس کے ماتھے پر ہاتھ پھیر کر بولیں۔ صالحہ نے پوری آنکھیں کھولیں۔ ایک دم ذہن میں جھما کا ہوا۔ وہ سفید کپڑے میں لپٹا وجود، خون اور چیخنے چلانے کی آوازیں اور اس کا بے ہوش ہونا۔ ہاں اسے سب یاد تھا۔ اسے وہ لمحات یاد آئے تو سانسیں پھولنے لگیں۔ دل زور زور سے دھڑکنے لگا۔ وہ ساری طاقت جمع کرتی ہوئی اٹھ بیٹھی۔ "پھپھو ارحم صاحب؟؟"شمیلہ پھپھو نے اسے دیکھا، مگر کچھ کہا نہیں۔ اب بھلا وہ اس تلخ حقیقت کو ایک بار پھر دہراتیں کہ وہ اب نہیں رہا؟۔

انہوں نے نظریں پھیر لیں۔ وہ ان کے جواب کا انتظار کرتی رہی۔

"ٹھیک ہے میں خود ہی پتا کر لیتی ہوں"۔ وہ ڈوپٹہ اٹھاتی ہوئی خود ہی دروازے کی جانب بڑھی۔ کمزوری کے باعث چال میں لڑکھراہٹ جاری تھی۔

"اس کو مرے ہوئے دو دن ہو چکے ہیں صالحہ!"۔ انہوں نے بھاگتی ہوئی صالحہ کو اطلاع دی۔ وہ بول نہیں رہی تھی بلکہ زنجیر سے اس کے پاؤں لپیٹ رہی تھیں۔ وہ الفاظ نہیں تھے، وہ خنجر تھے اور اس درد کی تکلیف ایسی تھی جیسے ایک زخم پر بار بار وار کیا جائے۔ اس نے تیزی سے پلٹ کر انہیں دیکھا۔

"آپ جھوٹ کیوں بول رہی ہیں؟ آپ اس لیے یہ سب کہہ رہی ہیں تاکہ میں باہر نہ جاؤں؟"۔ وہ اب بھی یقین کرنے کو تیار نہ تھی۔ وہ کہہ کر پھر سے پلٹنے لگی۔

"اگر ایسا ہے تو اپنے کمرے کو ہی دیکھ لو صالحہ جو دو دن میں اتنا تبدیل ہو چکا ہے۔ وہ تصویریں جو شاید تم نے پھاڑی تھیں، وہ میں نے تمہاری دراز میں ڈال دی ہیں تاکہ کسی کی نظروں میں نہ آئیں۔ ہوش میں آؤ صالحہ"۔

وہ ٹھٹھکی۔ اس نے نگاہیں پورے کمرے میں دوڑائیں۔ کمرہ دھول اور مٹی میں اٹا ہوا تھا۔ صاف لگ رہا تھا کہ صفائی نہیں ہوئی ہے۔ چونکہ اس کے کمرے کی کھڑکی سے جنگل نظر آتا تھا اور ہواؤں کا رخ بھی اس جانب کو ہوتا تو کمرہ بہت جلدی ہی گندہ ہو جایا کرتا تھا۔ وہ اکثر کھڑکی بند رکھتی تھی۔ اس کمرے کو واقعی دو دن سے صاف نہیں کیا گیا تھا۔ وہ سہمی۔ نگاہیں کھڑکی کی جانب اٹھیں اور وہ مرے مرے قدموں سے کھڑکی کی طرف بڑھی۔ کھڑکی پر بھاری پردے لگے تھے۔ اس نے کونے سے ذرا سا ہٹا کر نیچے جھانکنے کی کوشش کی۔ ہر طرف اندھیرا تھا۔ سامنے جنگل تھا اور نیچے ان کا باغ۔ رات بہت تھی جس کی وجہ سے حویلی کی لائٹیں بھی بند تھیں۔ لگتا تھا سب سو گئے تھے۔ اسے باغ میں چھوٹا سا آگ کا شعلہ سا محسوس ہوا تو وہ رک اسے بغور دیکھنے لگی۔ وہ داجی تھے جو اپنے مخصوص سگار پی رہے تھے۔ اس نے جلدی سے کھڑکی کھولی۔ کھڑکی کھلتے ہی سرد ہوا کی لہر اندر داخل ہوئی جس نے اسے کانپنے پر مجبور کر دیا تھا۔ پیچھے مسہری سے کمر ٹکائے بیٹھیں شمیلہ چچی نے شال اوڑھ لی۔ وہ اسے روکنا نہیں چاہتی تھیں۔

صالحہ نے ہواؤں کو نظرانداز کرتے ہوئے نیچے دیکھا۔ داجی شال اوڑھے آرام دہ کرسی پر بیٹھے تھے۔ لالٹین ان کے سامنے پلاسٹک کی میز پر رکھی تھی۔ وہ اتنے مطمئن بیٹھے تھے، اسے یقین نہ آیا۔ وہ پلٹی اور اپنے کمرے کی دیوار پر لگے کیلنڈر دیکھنے لگی۔ بلآخر اسے یقین ہو ہی گیا۔ ہاں وہ ٹھیک کہہ رہی تھیں۔ کیلنڈر میں آج کے دن پر مارک لگا ہوا تھا۔ اس کا دل پھٹنے کے قریب تھا۔ ایک عجیب سی خاموشی چھا گئی۔

"آج اس کا سوئم تھا صالحہ"۔ ایک اور انکشاف۔ صالحہ ساکت رہ گئی۔ اس کا دل بے تحاشہ دھڑکنے لگا۔ اس نے دیوار کی طرف پیٹھ کی اور اس کے سہارے بیٹھتی چلی گئی۔ اس کے ہونٹ لرزنے لگے۔

"چچی۔۔۔" وہ اس نے لرزتے ہوئے گردن موڑ کر برابر بستر پر بیٹھی چچی کو دیکھا۔ چچی تڑپ اٹھیں۔

"ہاں میری دھی"۔

"میرے دل کی تکلیف بڑھ رہی ہے چچی"۔ وہ رو نہیں رہی تھی۔ وہ صرف بے جان ہوئے وجود کے ساتھ انہیں اپنے دل کا حال بتا رہی تھی۔ وہ چپ رہیں۔ کہتیں بھی تو کیا کہتیں؟ وہ یہ باتیں محدود لوگوں سے ہی کر سکتی تھی۔ شمیلہ چچی ان محدود لوگوں میں سے ایک تھیں۔

www.urdunovelsmania.com

"میں کیا کروں اب چچی؟"۔ وہ پوچھ رہی تھی۔ کوئی تو حل ہوگا اس درد کا؟ جیسے ہر بیماری کی دوا ہوتی ہے، جیسے ہر سوال کا جواب ہوتا ہے۔ یقیناً اس کا بھی کوئی حل ہوگا۔

ایک آنسو اس کی آنکھوں سے بہہ کر گالوں تک آیا تھا۔

ہاں اس کا بھی ایک جواب تھا!۔

"صبر! صبر کر میری دھی"۔

صالحہ نے سر اٹھایا۔

"مگر اس کا زخم بہت گہرا ہے اور تکلیف بے پناہ ہے چچی۔ کیسے صبر کروں؟"۔ وہ تڑپتے ہوئے بولی۔

"صبر سے بہترین کوئی حل نہیں صالحہ"۔ وہ اٹھ کر شال ارد گرد لپیٹتے ہوئے کھڑکی کی جانب آئیں۔

"صالحہ کیا تجھے نہیں معلوم کہ اللہ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے؟"۔

صالحہ نے بے ساختہ انہیں دیکھا۔

urdu novels mania
www.urdunovelsmania.com

"یا تو نے سورہ بقرہ کی آیت نمبر ۱۵۳ نہیں پڑھی؟"۔ چچی لالٹین اٹھا کر اس کی طرف مڑیں۔

اسے یقین نہ آیا۔ چچی اور اللہ کی باتیں؟ اللہ کا کلام؟۔

"یہ کلام؟"۔ صالحہ کے لہجے میں حیرت واضح تھی۔

"اس حویلی کے مرد اور عورتیں اتنا گم ہیں اپنے آپ میں کہ اللہ سے دوری اختیار کر لی ہے۔ یہ رسوم و رواج جن کی زد میں یہ حویلی ہے، کیوں ہے؟۔ یہ فضول رسم و رواج اللہ سے دوری کا ہی تو نتیجہ ہے۔ تمہیں حیرت ہو رہی ہے ہوگی کہ میں قرآن اور اللہ کی باتیں کر رہی ہوں۔ میں تم سے یہ باتیں کبھی نہ کرتی اگر تم صالحہ نہ ہوتی۔ میں بہت عرصے سے جانتی ہوں کہ تم قرآن کا مطالعہ کرتی ہو۔ میں بھی کر رہی ہوں مطالعہ اور بہت کچھ بدلا ہے میں نے اپنے اندر!۔ کافی مہینے ہو گئے ہیں مجھے مطالعہ کرتے ہوئے"۔

یہ بات صالحہ کے لیے واقعی ناقابلِ یقین تھی۔

"اللہ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے صالحہ!۔ صبر کرو"۔ انہوں نے کھڑکی بند کر کے پردے لگا دیئے۔ صالحہ ان کو سنتی رہی۔ وہ ٹھیک ہی تو کہہ رہی تھی۔ اس کے آنکھیں بہنے لگیں۔ ارحم کی یاد شدت اختیار کر رہی تھی۔ اسے یک دم ثریا کا خیال آیا۔ اگر صالحہ نے اپنا منگیتر کھویا تھا تو صالحہ نے اپنا بھائی!۔

"ثریا کیسی ہے چچی؟"۔

"اس نے تو بھائی کھویا ہے اپنا۔ وہ صرف روتی رہی تھی۔ تم اس سے ملنے جاؤ صالحہ۔ اس سے باتیں کرو وہ بہل جائے گی"۔ چچی نے اسے ہاتھ بڑھایا جسے تھام کر وہ کھڑی ہو گئی۔

"وہ کہاں ہے؟"۔ وہ دم بخود ہو کر بولی۔

"اسے کہاں ہونا چاہیئے؟"۔ انہوں نے پلٹ کر اسے دیکھا۔

"میں اس سے ملنے جا رہی ہوں"۔ وہ کچھ سوچے بغیر اپنا فیصلہ سناتی باہر نکلنے لگی۔

"تم ٹھیک نہیں ہوں صالحہ۔ تم بیمار ہو میری دھی"۔ انہوں نے پیچھے سے اسے پکارنا چاہا۔

"میں اس سے ملنا چاہتی ہوں چچی"۔ وہ اپنی چادر سنبھالتی دروازہ کھولنے لگی۔ ابھی باہر نکلی ہی تھی کہ کسی نے اسے مضبوطی سے پکڑ کر اندر دھکیلا۔ اندھیرے کے باعث وہ اس کا چہرہ نہ دیکھ پائی۔

"صالحہ کہاں جا رہی ہو"۔ وہ حیدر تھا جو اسے باہر جانے سے روک رہا تھا۔ اس کی آواز پہچانتے ہی صالحہ کے آنسو آنکھوں سے نکل کر گالوں سے ٹپکنے لگے۔ وہ اس کے گلے لگ گئی۔ ہاں اسے صرف اپنے ویر کی ہی ضرورت تھی۔ وہ اس کے گلے لگتے ہی روتی چلی گئی۔ آنسو تیزی سے بہتے رہے اور حیدر کی شرٹ کو بھگوتے رہے۔ حیدر ساکت رہ گیا۔

ایسا کبھی نہیں ہوا تھا کہ صالحہ اس کے گلے لگی ہو۔ اسے اپنی بہن پر بے تحاشہ ترس آیا۔ وہ روتی جا رہی تھی اور حیدر میں اتنی ہمت بھی نہ تھی کہ اسے بہلائے۔ وہ ویسے ہی ساکت کھڑا رہا۔ اسے ارحم کی موت کا دکھ تھا، مگر اس کی موت سے اسے یہ آسانی ہو گئی تھی کہ اب صالحہ کو قربان کرنا آسان ہو گیا تھا۔ اس نے اپنا ہاتھ اس کے سر پر رکھا اور بال سہلانے لگا۔ نظریں سامنے کی طرف مرکوز تھیں جہاں دیوار تھی۔ شمیلہ چچی صرف اس کی حرکت نوٹ کر رہی تھیں۔ حیدر کے ماتھے پر سوچوں کی لکیریں عیاں ہوئی۔ اس کا ایک ہاتھ مسلسل اس کے بالوں سہلا رہا تھا۔ وہ اسے تسلی نہیں دے رہا تھا، بلکہ یہ سوچ رہا تھا کہ صالحہ ابھی تو قربان بھی ہونا ہے۔ ابھی تو اور ٹوٹنا ہے۔ میں جانتا ہوں صالحہ کبھی اپنے بھائی کو "نا" نہیں کہے گی۔ ابھی تو بہت کچھ ہونا باقی ہے۔ ذہن منصوبہ بنا رہا تھا کہ اب کیا کیا جائے۔ وہ اس قدر ہچکیوں سے رونے لگی تھی کہ حیدر کو لگا وہ یہ سب نہیں کر پائے گا۔ اس کی محبت حاوی ہونے لگی۔ دماغ اور دل لڑ رہے تھے۔ اور پھر یوں ہوا کہ۔۔۔

"جاؤ بستر پر سونے لیٹ جاؤ۔ ابھی باہر کہیں نہیں جاؤ۔ دیکھو تم نے میری شرٹ بھی بھگو دی۔ تم دو دن بعد ہوش میں آئی ہو صالحہ!۔ تمہیں بخار ہے آرام کرو"۔ یہ کہتے ساتھ وہ اسے خود سے جدا کرتا بستر تک لے آیا اور بٹھا دیا۔ وہ بھائی کو دیکھتی رہ گئی۔ اسے اپنا ویر تھوڑا بدلا ہوا محسوس ہوا۔

"چچی مجھے تھوڑا کام ہے تو آپ اسے دیکھ لیں۔ میں باہر سے ہو آتا ہوں"۔ وہ تھوک نگلتا صالحہ کو دیکھنے سے گریز کررہا تھا۔ شمیلہ چچی نے کوئی جواب نہ دیا، البتہ وہ اسے غور سے دیکھ ضرور رہی تھیں۔ وہ نظرانداز کرتا باہر نکل گیا۔

---**---

رات کا پتا نہیں کونسا پہر تھا جب وہ گھر میں داخل ہوا۔ دروازے کو کس کر لاک لگا کر چابی کوٹ کی جیب میں رکھی اور پارک ہوئی گاڑی پر نظر ڈالتا آگے بڑھ گیا۔ پورا دن مصروفیت میں گزرا تھا جس کے باعث وہ تھک چکا تھا۔ اسے پوری امید تھی کہ پچھلے دو تین دن کی طرح وہ آج بھی اس کا انتظار کرتی سو چکی ہوگی۔ سرد دنوں کی رات تھی۔ پورا اسلام آباد دھند میں ڈوبا ہوا تھا۔ وہ دبے پاؤں چلتا لاؤنج میں داخل ہوا۔ کپکپاتے ہوئے اس نے لاؤنج کا دروازہ بند کیا۔ پورا گھر اندھیرے میں ڈوبا تھا۔ لیپ ٹاپ بیگ کندھے پر ٹکاتا دونوں ہاتھ آپس میں رگڑتا ہوا وہ جلد از جلد کمرے میں پہنچنا چاہتا تھا۔ زینے چڑھتا ہوا پہلی منزل پر پہنچا۔ اس کے کمرے کے بازو والا کمرہ جیا کا تھا۔ وہ یقیناً اس سے ناراض ہوگی۔ اپنے کمرے کا ہینڈل ابھی گھمایا ہی تھا کہ پیچھے سے یک دم کسی نے لائٹ جلائی۔ وہ وہیں ٹھٹھک گیا بلکہ سہم گیا۔ وہ سمجھ گیا تھا کہ اب وہ پکڑا گیا۔ مجرموں کی طرح پیچھے پلٹا اور سامنے

کھڑی اس لڑکی کو ندامت سے دیکھنے لگا جو دونوں ہاتھ سینے پر باندھے اسے خونخوار نظروں سے گھور رہی تھی۔ کچھ لمحوں کی خاموشی چھا گئی۔

"معافی؟"۔ وہ سر جھکا کر ایک آنکھ چھوٹی کرتے ہوئے ندامت سے پوچھنے لگا۔

جیا نے نفی میں سر ہلایا۔

"گنجائش بھی نہیں؟"۔

"بلکل بھی نہیں"۔

اوہ تو کسی قیمت بھی رعایت نہیں بخشی جائے گی۔ وجدان نے گہری سانس لی۔

"میں جلدی آنا چاہتا تھا مگر۔۔۔۔ آئم سوری جیا بھائی کی جان! ایک ہفتے سے بہت بوجھ ہے کام کا۔ میں تقریباً ایک ہفتے سے روز ہی تم سے وعدہ کرتا ہوں کہ جلدی آؤں گا رات کو، مگر اتنا بوجھ ہوتا ہے کام کا کہ تم سے کیا ہوا وعدہ توڑنے پر مجبور ہو جاتا ہوں"۔ وہ شرمندہ تھا۔ جیا نے اسے گھورا جو بہت معصومیت سے بتا رہا تھا۔ اسے یک دم اپنے بھائی پر پیار آیا۔

"مجھے آپ سے بات کرنی ہے۔ آپ کپڑے تبدیل کر کے میرے کمرے کے ٹیرس پر آجائیں"۔ وہ خفگی سے رخ موڑتی اپنے کمرے میں چلی گئی۔ وجدان نے کھلی کھڑکی کو دیکھا جہاں سے کھلا آسمان نظر آ رہا تھا۔

"اتنی رات ہورہی ہے۔ کیا بات اتنی ضروری ہے۔ کہیں اس کو کوئی پریشان تو نہیں کررہا؟"۔ وہ سوچتا ہوا کپڑے تبدیل کرنے اندر بڑھا۔ کپڑے نکال کر پانچ منٹ میں باہر آیا۔ جیا نے اس سے اہم بات کرنی تھی اور یہ بات اسے اور ستا رہی تھی۔ اس نے افراتفری میں کپڑے تبدیل کیے۔ کالی فل سلیو شرٹ پر بلیک ٹراؤزاور کالی شال سے خود کو ڈھانپ کر وہ کمرہ بند کرتا باہر نکل آیا۔ دونوں ہاتھ آپس میں رگڑے تاکہ گرماہٹ پیدا ہو۔ اسے بہت بھوک لگی تھی۔ دل نے کافی پینے کی تمنا کی۔ وہ جیا کا دروازہ ہلکا سا ناک کرکے اندر داخل ہوا۔ وہ ٹیرس میں لگے جھولے پر بیٹھی تھی۔ جیا کی وجدان کی طرف پیٹھ تھی۔ اس نے مڑ کر وجدان کو دیکھا اور چہرہ آگے کی طرف کرلیا۔ وجدان کو لگا وہ اب تک ناراض ہے، مگر ایسا نہ تھا۔ وہ اس کے کمرے سے چلتا ہوا اس کی طرف آیا اور اس کے برابر جھولے پر بیٹھ گیا۔ وہ پہلے جھولے اپنے پاؤں سے ہلکا ہلکا جھلا رہی تھی، مگر اب وجدان بھی اس شامل ہوگیا تھا۔ اندھیری رات تھی اور بس ایک مدھم سا بلب کمرے میں جل رہا تھا۔ اب وہ آسمان کو تکنے میں اکیلی نہیں تھی، وجدان اس کے ساتھ تھا۔ کیا نظارہ تھا جو وجدان کا دل لوٹ کر لے گیا تھا۔ اسلام آباد کی خوبصورتی اسے پگھلا رہی تھی۔ چارسو دھند چھائی ہوئی تھی۔ دور دور چھوٹی چھوٹی جگمگاتی لائٹیں تھیں۔ دھند کی وجہ سے دور پہاڑ بہت مشکل سے نظر آرہے تھے۔ کالا آسمان ایسا لگ رہا تھا جیسے کالے کپڑے پر موتی

ٹانگ دیئے ہوں۔ اسلام آباد ہو اور خوبصورت نہ ہو، یہ ناممکن تھا۔ وہ دونوں آسمان کو دیکھ رہے تھے۔ وجدان نے گہری سانس ہوا میں چھوڑی تو دھواں نکلتا محسوس ہوا۔ کیا نظارہ تھا سامنے کا!۔ وہ دونوں اس میں محو سے محوتر ہوتے جا رہے تھے۔ تھوڑی دیر بعد جیا ہڑبڑائی۔ وہ بھول گئی تھی اسے گفتگو کرنی ہے۔ اس نے گردن موڑ کر بھائی کو دیکھا۔ رنگت بدلنے میں لمحہ نہیں لگا۔ وہ کیسے کہے گی وہ بات؟۔ کیا بولے؟ اور شروعات؟ وہ کیسے کرے گی؟ اس کی پلکیں کانپنے لگی۔ وجدان اسے دیکھ نہیں رہا تھا، مگر اس کے تاثرات کو محسوس کر سکتا تھا۔ وہ بظاہر سامنے دیکھ رہا تھا۔ وجدان نے گردن موڑ کر اسے دیکھا تو جیا نے چہرہ آگے کر لیا۔

"جیا گڑیا۔ تمہیں کچھ بتانا تھا۔ دیکھو اب میں ہوں تمہارے پاس۔ کہو"۔ مدھم آواز میں وہ اسے بہت پیار سے دیکھ رہا تھا۔ جیا نے بے اختیار لب بھینچے۔ وجدان کے کندھے تھکن کی وجہ سے دکھنے لگے تو وہ اپنے سے دبانے لگا۔ وہ تھکا ہوا تھا، مگر پھر بھی اس کے ساتھ بیٹھا تھا۔

"بھائی وہ۔۔۔" اس کے ہونٹ یک دم کپکپانے لگے۔

"کیا جیا۔۔ ایسے ادھوری بات نہ کرو۔ مجھے گبھراہٹ ہو رہی ہے۔ کیا پریشانی ہے بتاؤ"۔

"بھائی وہ۔۔۔۔آپ۔۔۔میں۔۔۔۔۔" وہ ہکلانے لگی۔ وہ کہنا چاہتی تھی، مگر کہہ نہیں پارہی تھی۔ "بھائی۔۔وہ۔۔۔کہہ رہی تھی۔۔۔کہ آپ میرے لیے کیا کرسکتے ہیں؟"۔ وہ بس اتنا ہی کہہ پائی۔

وجدان نے اسے بغور دیکھا۔

"تم جانتی ہو نا میں کتنا پیار کرتا ہوں؟۔ جان تک قربان کرسکتا ہوں میں اپنی! صرف تمہارے لیے۔ میرا تمہارے سوا ہے ہی کون اس دنیا میں؟۔ تمہارے لیے تو کچھ بھی کرسکتا ہوں"۔ وہ اسے سن رہی تھی۔

"کیا کرسکتے ہیں؟" وہ ساکت ہوئی اس سے پوچھ رہی تھی۔

"جان قربان کرسکتا ہوں گڑیا"۔ وہ مسکرایا۔

"جان کی قربانی نہیں چاہیئے"۔ وہ اٹکتے ہوئے بولی۔

"تو؟"۔ وہ سمجھا نہیں۔

"وہ رشتہ لانا چاہتا ہے بھائی"۔ وہ بالآخر بول پڑی۔

وجدان حیران ہوا۔

"کون؟"۔

"وہ جو میرے ساتھ یونیورسٹی کے چار سالوں سے ساتھ ہے۔ حیدر!"۔ اس کہہ کر آنکھیں میچیں۔

پھر یوں ہوا کہ کچھ وقت خاموشی چھا گئی۔ اس نے جیا کو سر تا پیر دیکھا۔ اسے پتا ہی نہ چلا کہ وہ اتنی بڑی ہو گئی ہے۔

"تم۔۔ تم اسے۔۔۔ پسند کرتی ہو؟"۔ وہ اس حیدر نامی شخص سے ملا بھی نہیں تھا، مگر اس کی رضا چاہتا چاہتا تھا۔

جیا نے دھیرے سے اثبات میں سر ہلایا۔

"تو کیا اب۔۔۔ مطلب اب؟"۔ وجدان کو کچھ سوج نہیں رہا تھا کہ وہ کیا کہے۔

"وہ گاؤں میں رہتا ہے"۔

اس کی آواز وجدان کی سماعتوں سے ٹکرائی تھی اور اس نے آنکھیں پھاڑ کر جیا کو دیکھا تھا۔ وہ لمحہ بھر کر شاک رہ گیا۔

"کیا کہا؟ گاؤں؟ میں تمہیں گاؤں نہیں بھجواؤں گا۔ اسی شہر میں رہو گی تم۔ میں خود سے دور کیسے کر سکتا ہوں؟"۔

"اوہو بھائی خدارا۔ بچی نہیں ہوں میں اب!۔ یونیورسٹی کا آخری سال چل رہا ہے۔ اپنا فیصلہ میں خود کر سکتی ہوں!۔ مجھے مشوروں کی نہیں مدد کی ضرورت ہے۔ کہ اگر میں آپ دل کے قریب ہوں تو آپ کو میری مدد کرنی ہوگی"۔

وجدان کی آنکھیں پھٹی رہ گئیں۔ وہ کیسے لمحوں میں اسے جھڑک گئی تھی۔ وجدان کو اس وقت وہ چھوٹی بچی نہیں لگی تھی جس کے لیے وہ ہمیشہ حساس رہتا آیا تھا۔

"کیسی مدد؟"۔

"ان کی حویلی میں ایک رواج ہے کہ وہ وٹہ سٹہ کے بغیر شادی نہیں کرتے"۔

"کیا؟ کیا مطلب ہے اس بات کا؟"۔ وجدان نے حیرانی سے پوچھا۔ جیا کا دل زور سے دھڑکنے لگا۔

"اس کی بب۔ بہن کی شادی جب تک آپ سے نہیں ہوگی۔ ہماری شادی بھی نن۔ نہیں ہوسکے گی"۔ وہ ہکلانے لگی۔

"تو؟"۔ اس کے کان سائیں سائیں کرنے لگے۔

"میں اس کے بغیر مر جاؤں گی بھائی۔ اگر وہ مجھے نہ ملا تو میں نہیں رہ پاؤں گی۔ آپ اس کی بہن سے شادی کرلیں۔ آپ نے کہا تھا کہ آپ مجھ سے پیار کرتے ہیں وجدان بھائی۔ پھر اپنی گڑیا کے لیے یہ بات مان لیں"۔

وہ کہتے ساتھ روتی جا رہی تھی اور وجدان اسے ہونقوں کی طرح تکا جا رہا تھا۔ یہ بات جیا اچھے طریقے سے جانتی تھی کہ اس کے دل میں صرف درشہوار ہے۔ وہ اسے بھول نہیں سکتا، مگر پھر بھی؟۔ وہ اس کے دل کا گلا گھونٹنے کو کہہ رہی تھی۔ ہاں! وہ اسے قربان ہونے کا کہہ رہی تھی۔ یہ ناقابلِ یقین تھا۔ بے یقینی کا آنکھوں پر ٹھہرا تھا۔ چار سال کی محبت کے لیے وہ اپنے بھائی کا دل ٹکڑے ٹکڑے کر رہی تھی۔ وجدان کو محسوس ہوا اب وہ اس کی گڑیا نہیں رہی ہے۔ اب وہ بچی نہیں رہی وہ ساکت رہ گیا۔ اتنی سرد مہری اپنے بھائی کے لیے جس نے اپنی محبت کو اس پر تمام کر دیا۔ وہ کرب سے آنکھیں میچ گیا۔ اس کا دل چاہا صاف منع کر دے۔ وہ فیصلہ کر چکا تھا۔

وہ اٹھ کھڑا ہوا۔ جیا نے نظریں اٹھا کر اسے دیکھا۔ وجدان جانے لگا۔

"آپ جواب دیے بغیر نہیں جا سکتے بھائی"۔ جیا پیچھے سے بولی تو وہ تھم گیا۔

"مجھے منظور ہے وجیہہ۔ اس سے کہنا مجھ سے ملاقات کرے"۔ سرد بظاہر ٹوٹے ہوئے لہجے میں کہتا ہوا وہ آگے بڑھ گیا۔ جیا نے تھوک نگلا۔ آج شاید پہلی بار وجدان نے سرد مہری سے اس کا پورا نام لیا تھا۔ نہ اسے گڑیا کہا، نہ جیا۔ سکوت کا عالم چھا گیا۔ کمرہ کھلنے کی اور پھر بند ہونے کی آواز آئی۔ وہ جا چکا تھا۔

---**---

وہ اپنے کمرے میں داخل ہوا اور جھٹ سے فون جیب سے نکال کر جیا کو کال ملانے لگا۔

"ہیلو جیا؟"۔

"ہاں حاد"۔

"تم نے بات کی؟"۔

"ہاں ہوگئی ہے بھائی سے بات۔ انہوں نے کہا وہ تم سے ملنا چاہتے ہیں"۔

یہ بات حیدر کے دل کو تسکین پہنچا گئی۔

"میں پرسوں آؤں گا جیا اور ہاں! میرے پاس موقع ہے صالحہ کو لانے کا!۔ میں اسے بہانے سے لاسکتا ہوں اور ویسے بھی وہ ارحم کی موت کی وجہ سے بہت ڈسٹرب ہے! وہ بھی صالحہ کو دیکھ کر تسلی کرلے گے۔ میں اسے پرسوں ساتھ لے آؤں گا۔ ملاقات کا وقت ان سے پوچھ کر بتا دینا"۔

"یہ بہتر ہوگا حیدر۔ تم اسے لے آنا۔ میں انہیں کل بتا دوں گی"۔

"کیا وہ واقعی آسانی سے مان گئے؟"۔ اسے یقین نہیں آرہا تھا۔

"ہاں حیدر۔ مگر وہ کچھ دیر کے لیے خاموش ہوگئے تھے۔ ان کے گمان میں بھی نہیں تھا کہ میں ایسی کوئی خواہش کا اظہار کروں گی۔ وہ بہت تکلیف میں گئے ہیں حیدر۔ میں نے تو یہ

بھی نہ سوچا کہ وہ کسی سے محبت کرتے تھے۔ حیرت ہے انہوں نے میری محبت کا احترام کیا"۔ اب یہ سب ہی ہونا تھا۔ وہ ٹھیک کہہ رہی تھی۔ وہ واقعی تکلیف میں تھا۔ وہ اپنے بھائی کا دل پیروں تلے روند گئی تھی۔ اپنے لہجے اور فیصلے سے۔ وہ اس سب کی توقع اس سے نہیں کرتا تھا۔ اب بھی اپنے کمرے میں بستر پر اوندھا لیٹا جیا کی باتوں کو ہی سوچ رہا تھا۔ بھوک کا یہ عالم تھا کہ اب پیٹ میں درد ہو رہا تھا اور تھکن سے آنکھیں بند ہو رہی تھیں، مگر وہ سوچ رہا تھا کہ کہاں اس سے کوتاہی ہوئی۔ آج اس نے درشہوار کی تصویر بھی نہ دیکھی اور نہ اسے سوچا۔ نیند اس پر حاوی ہونے لگی۔ وہ سو گیا اور مکمل خاموشی کا راج چھا گیا۔

---**---

دوپہر کے دو بجے تھے۔ حویلی میں خاموشی کا راج تھا۔ نہ تو داجی کی دھاڑ نہ کچن سے آتی کھٹ پٹ۔

"اماں میں چاہتا ہوں صالحہ کو دو دن کے لیے شہر لے جاؤں تاکہ وہ سنبھل بھی جائے اور بہل بھی جائے"۔ اس نے اماں سے اجازت مانگی۔

اماں کی ایک دم سے آنکھیں چمکیں۔

"ہاں یہ ٹھیک ہے حیدر۔۔۔ تو اسے لے جا۔ صالحہ کی کیفیت دیکھ کر داجی بھی انکار نہیں کریں گے۔ تو داجی کو بتا دے کہ تو اسے شہر دکھانے جا رہا ہے"۔

"تو پھر میں کل چلا جاؤں؟"۔

"ہاں اور اسے بتا بھی دے تاکہ وہ خوش ہو جائے۔ وہ بہت اداس ہے حیدر۔ بہل جائے گی"۔ ان کا چہرہ یہ کہتے ہوئے مرجھا سا گیا۔

حیدر نے اثبات میں سر ہلایا اور وہاں سے چلا گیا۔ وہ ان کا سامنا دیر تک نہیں کرنا چاہتا تھا۔ ارحم کی موت اس کے لیے فائدہ ثابت ہوئی تھی۔ لبوں پر شیطانی مسکراہٹ عیاں ہوئی اور اسے محسوس ہوا کہ اسے جلد کامیابی حاصل ہونے والی ہے۔

---**---

DON'TCOPYPASTEWITHOUTMYPERMISSION.

زنجیر از قلم عینا بیگ

قسط ۵

اس کی آنکھ کھلی تو اس وقت تین بج رہے تھے۔ اسے حیرت ہوئی کہ وہ اتنی دیر کیسے سو گئی تھی۔ کل رات کا واقعہ یاد آیا تو دل بوجھل ہو گیا۔ شمیلہ چچی کمرے میں داخل ہوئیں تو اسے بستر پر بیٹھا دیکھ کر اس کے قریب آئیں۔

"اٹھ جاؤ صالحہ۔ کیسی طبیعت ہے اب؟۔ چلو آؤ دیکھو کتنا پیارا موسم ہو رہا ہے۔ تھوڑی دھوپ سینک لو باغ میں جا کر۔ جا میری دھی"۔

صالحہ نے نظریں اٹھا کر انہیں دیکھا اور واش روم چلی گئی۔ وہ جب تک باہر آئی شمیلہ چچی اس کا کمبل اٹھا چکی تھیں۔ اس نے تولیہ سے منہ رگڑا اور سنگھار میز کے سامنے آ کر کھڑی ہو گئی۔ بال الجھے ہوئے تھے۔ تین دن سے ان بالوں پر کنگھا نہیں پھیرا گیا تھا۔ ایک ہاتھ سے اس کی چادر ٹھیک کرتیں چچی کی نظریں اس کے بالوں پر پڑیں۔

"آ صالحہ تجھے تیل لگا دوں۔ پھر بال بھی سلجھا دوں گی۔ یہ دیکھ رہی ہے تیری کھڑکی سے بھی کتنی دھوپ اندر آ رہی ہے۔ تھوڑی دیر میں یہ بھی نہیں رہے گی اس لیے جلدی آ جا"۔

انہوں نے اس کا ہاتھ پکڑا اور وہیں سنگھار میز سے کنگھا اٹھا کر اسے زمین پر بٹھا دیا جہاں دھوپ ذیادہ تھی۔ صالحہ نے سوئٹر پہن رکھا تھا جس پر پھولوں والی کڑاہی تھی۔ وہ تیل لے

کر آئیں اور کرسی لگا کر اس کے پیچھے بیٹھ گئیں۔ وہ خاموش ہی رہی جیسے پہلے تھی۔ وہ اسے اب تیل لگا رہی تھیں۔

"پھپھی"۔ اس کے لبوں سے الفاظ آذاد ہوئے۔

"ہاں دھی"۔ وہ اب اس کے سر پر کنگھا کر رہی تھیں۔

"ثریا؟"۔

"مجھے علم نہیں صالحہ!۔ میں نے اسے صبح سے نہیں دیکھا"۔

"میں اس سے ملنے جاؤں گی"۔

"بال بن جائیں پھر چلی جانا"۔

"کیا کہوں گی میں اسے؟"۔

وہ ان سے پوچھ رہی تھی۔

urdu novels mania www.urdunovelsmania.com

"اللہ کا کلام سنانا۔ اسے صبر کا مفہوم بتانا۔ اس سے کہنا اس کی مغفرت کی دعا کرے۔ وہ اللہ کی ہی چیز تھی وہ اللہ کے پاس چلی گئی"۔ یہ بات صالحہ کے دل سکون اتار گئی۔

"اور؟"۔ اسے شمیلہ پھپھی کو سننا اچھا لگنے لگا۔

"وَاصْبِرْ فَاِنَّ اللّٰهَ لَا يُضِيْعُ اَجْرَ الْمُحْسِنِيْنَ ۝

ترجمہ:

اور صبر کر، اللہ نیکی کرنے والوں کا اجر کبھی ضائع نہیں کرتا"

"پچھی۔ رات والی آیت بھی؟"

"ہاں میری دھی"۔ وہ اب اسکی چٹیاں بنارہی تھی۔

"اور؟"۔

"اس کو بول اللہ کا کلام پڑھ"۔

"اور"۔

وہ اس کے بال بنا چکی تھیں۔

"اور یہ کہ ثریا کو دیکھنے کے بعد اپنی افشاں پھپھی کو بھی دیکھ آ۔ تجھے اسے دیکھے آج تیسرا دن ہے"۔

صالحہ نے تیزی سے گردن موڑ کر انہیں دیکھا۔ انہیں کیسے معلوم کہ وہ افشاں پھپھی کو دیکھنے جاتی ہے؟۔ مگر وہ اسے رازافشاں ہونے والی مسکراہٹ سے دیکھ رہی تھیں۔

"ارے اب ایسے مت دیکھ!۔ میں جانتی ہوں تو اس سے ملنے جاتی ہے رات کو"۔

صالحہ مسکرادی، مگر جلد ہی مسکراہٹ سمٹ گئی۔

"انہیں ان دو دنوں سے کھانا کون دینے جا تا رہا ہے چچی؟"۔ وہ پریشانی سے پوچھ رہی تھی۔

"میں دینے جارہی تھی صالحہ۔ اور تجھے معلوم ہے کیا؟ وہ ہر بار میرے کمرے میں داخل ہونے پر تیرا انتظار کرتی تھی۔ میں جیسے ہی کنڈی کھٹکھٹاتی اسے لگتا صالحہ آئی ہے اور وہ مچلتی ہوئی دروازہ کھولتی، مگر مجھے دیکھ مرجھاتی"۔

صالحہ ان کو بہت غور سے سن رہی تھی۔

"پھر چچی؟"۔

"پھر؟ پھر یوں ہوا کہ میں نے اس سے وعدہ کیا کہ آج صالحہ کو ضرور بھیجوں گی۔ اس کی پریشانی کی ایک اور وجہ تمہاری بیماری بھی تھی۔ حالانکہ میں نے اسے آگاہ نہیں کیا تھا کہ تم بیمار ہو۔ مگر تمہاری غیر موجودگی اسے بس یہی سمجھاتی رہی کہ کچھ برا ہوا ہے تمہارے ساتھ۔ وہ اشاروں سے پوچھتی کہ ارحم کی موت پر صالحہ کو گہرا صدمہ تو نہیں لگا نا!۔ وہ پورا پورا وقت تمہارے بارے میں پوچھتی رہی۔ پورے دو دن سے وہ گھنٹیاں بجاتی جا رہی ہے، مگر اس کی گھنٹی کی آواز سننے والا کوئی نہیں۔ بے زبان ہے تو اس لیے گھنٹی بجاتے بجاتے ہاتھ دکھ گئے، مگر اس کی صالحہ نے دو دن سے اس کے کمرے میں جھانکا نہیں۔

اس کی اب یہ حالت ہے کہ اگر اب ایک دن اور اسے تیرا چہرہ نظر نہ آیا تو وہ مر جائے گی صالحہ! اسے یہ دوسرا گہرا صدمہ لگے گا!"۔ وہ کہتے کہتے آبدیدہ ہو گئیں۔

"پہلا؟"۔

"تجھے سب خبر ہے صالحہ۔ تو پھر تو کیوں پوچھ کر جی جلا رہی ہے میرا؟"۔ وہ نڈھال ہو گئی تھیں۔

"مجھے دھندلا سا یاد ہے چچی!۔ علیحدہ سے کسی نے نہیں بتایا"۔

"میں جا رہی ہوں"۔ وہ اٹھ کھڑی ہوئیں۔

"وہ پہلا کون سا صدمہ تھا چچی؟"۔ وہ پھر سے پلٹ کو بولی۔ وہ ٹھہر گئیں۔

"جب افشاں کو بے زبان کر دیا تھا اور جب اس کی خوشی کو افشاں سے ہی دور کر دیا تھا۔ افشاں کی خوشی! یعنی وہ شخص!"۔ وہ کہتی ساتھ چادر سے خود کو ڈھانپتیں تیزی سے باہر نکلیں۔ صالحہ سناٹے میں آگئی۔ ایک شخص؟ یہ کوئی پہیلی نہیں تھی جسے وہ سمجھنے میں دیر لگاتی۔ حویلی میں ایک غیر شخص کی بات ہو رہی تھی اس کا مطلب بہت کچھ تھا۔ افشاں پھپھو کے ذکر میں ایک مرد کا ذکر آیا تھا۔ اسے تجسس پیدا ہوا۔ داجی کے بے رخی اور افشاں پھپھو سے دوری! وہ تو ان کی بیٹی تھیں نا!۔ تو پھر کیوں۔۔۔۔ اس بے یک دم سوچا۔

اوہ۔۔۔۔ بیٹی تھیں تبھی تو یہ سب ہوا۔ وہ لڑکی تھیں۔

وہ تلخی سے مسکراتی اٹھ کھڑی ہوئی۔

---**---

"ثریا تم یوں اندھیرے میں کیوں بیٹھی ہو؟"۔ وہ کمرے میں داخل ہوئی جہاں ثریا بیٹھی تھی۔

کسی کی موجودگی پا کر ثریا نے سرعت سے کچھ الماری میں رکھا۔ صالحہ نے تجسس سے اسے دیکھا۔ وہ اب گہری سانس ہوا میں چھوڑ کر صالحہ کو دیکھ رہی تھی۔

"مجھے لگا کوئی اور آیا ہے جبھی اللہ کی کتاب چھپا دی۔ ورنہ یہ لوگ مجھے پاگل سمجھتے!"۔ اس نے کتاب الماری سے نکال کر میز پر رکھی اور کرسی پر بیٹھ گئی۔

"مگر کیوں؟"۔ اسے حیرت ہوئی۔

"ایک لڑکی جس نے اپنی بھائی کی موت تک صرف ایک یا دو دفع قرآن کو ہاتھ لگایا ہو! اور اس کے بعد اپنے بھائی کی موت پر قرآن کھولا ہو، مگر اب کثرت سے پڑھنا چاہتی ہو تو اسے کہا جائے گا کہ یہ اپنے بھائی کی موت کی وجہ سے صدمہ میں پڑھ رہی ہے۔ ہو سکتا ہے حویلی والوں کو ڈر ہو کہ میں اس کلام کو پڑھ کر بغاوت نہ کر جاؤں؟۔ خیر یہ بات بھی سچ ہے کہ

بھائی کی موت نے ہی مجھے اللہ کے قریب کیا ہے"۔ اس نے ڈوپٹہ اوڑھا اور نرمی سے قرآن کے صفحے پلٹنے لگی۔ صالحہ حیران رہ گئی۔

"مجھے بہت خوشی ہے ثریا کہ تم نے خود کو اللہ کے قریب کرلیا۔ تم ٹھیک ہو نا ثریا؟"۔

"میں نے قبول کرلیا ہے اپنے بھائی کی موت کو۔ موت برحق ہے جو سب کو آنی ہے۔ ہاں اس کی تدفین والے دن میں بہت روئی تھی، مگر میں نے سنبھال لیا خود کو صالحہ۔ کیا تم ٹھیک ہو؟"۔ اس نے نگاہیں اٹھا کر اسے دیکھا جو اسے تکنے میں محو تھی۔ صالحہ کے دل میں ایک دم تکلیف اٹھی۔

"میں صبر کرنے کی بہت کوشش کررہی ہوں ثریا۔ امید ہے سب ٹھیک ہو جائے گا، مگر میرا دل کسی اور کی طرف مائل نہیں ہو گا ثریا۔ محبت بار بار نہیں ہوتی"۔ اس کی آنکھوں کے کنارے گیلیے ہو گئے۔ وہ بس اب تھک چکی تھی روتے روتے۔ محبت کا خاتمہ ہو چکا تھا۔ اس کا دل کسی نے زور سے بھینچا۔

ثریا رونا نہیں چاہتی تھی، مگر اس کی گفتگو سے وہ اپنے بھائی کے لیے ایک بار پھر آنسو بہا بیٹھی۔ یہ اب ساری زندگی کا دکھ تھا۔ ثریا نے خود پر قابو کرنا چاہا۔ وہ آخری دم تک ضبط کررہی تھی۔ لب بھینچ لیے اور ہاتھ جو قرآن کے صفحے پلٹ رہے تھے، یک دم رک گئے۔ نظر قرآن کے صفحے پر پڑھی تو ساکت رہ گئیں۔

"وَاِنۡ عَاقَبۡتُمۡ فَعَاقِبُوۡا بِمِثۡلِ مَا عُوۡقِبۡتُمۡ بِهٖ‌ ؕ وَلَئِنۡ صَبَرۡتُمۡ لَهُوَ خَيۡرٌ لِّلصّٰبِرِيۡنَ ۞

ترجمہ:

اور اگر تم لوگ بدلہ لو تو بس اسی قدر لے لو جس قدر تم پر زیادتی کی گئی ہو لیکن اگر تم صبر کرو تو یقیناً یہ صبر کرنے والوں ہی کے حق میں بہتر ہے"۔

اس نے سورل نحل کی ۱۲۶ آیت پڑھی اور ساکت رہ گئی۔

اللہ نے اس کے سامنے سب کھول کر رکھ دیا۔ صالحہ اسے بے حس و حرکت دیکھ رہی تھی۔ ثریا یک دم مسکرا دی۔ اس نے نظریں اٹھا کر اس کنچی آنکھوں والی لڑکی کو دیکھا اور پھر سے مسکرادی۔

"یہ دیکھو صالحہ۔ اللہ نے مجھے کیا دکھایا"۔ اس نے قرآن صالحہ کے آگے کیا۔

صالحہ نے اسے دیکھا۔

"اب معلوم ہوا کہ اللہ کیسے دکھاتا ہے"۔ وہ مسکرائی تھی۔ ثریا نے قرآن چوم کر رکھ دیا اور اٹھ کر بستر پر آ بیٹھی۔ اسے یوں مطمئن دیکھ کر صالحہ کے دل کو سکون پہنچا۔

"میں افشاں پھپھو کو دیکھ کر آتی ہوں ثریا"۔ وہ دل پر بوجھ رکھتی باہر نکلنے لگی۔

"ذرا اس عورت کو بھی دیکھ آؤ جو برتن مانجھ مانجھ کر تھک گئی ہے۔ جس کے ہاتھوں میں چھالے اور زخم بڑھ گئے ہیں۔ اس کو مرہم کون لگائے گا؟"۔ وہ پانی کا گھونٹ گھونٹ بھرتی اسے بتا رہی تھی۔

صالحہ شاک ہوگئی۔ اس کے ذہن میں جھماکہ ہوا۔ وہ یہ کیسے بھول سکتی تھی اس حویلی میں اب ونی بھی ہے۔ لمحہ بھر حیران ہونے کے بعد اب وہ خاموش تھی۔ وہ ارحم کے خون کے بدلے میں آئی تھی۔ تھوڑی دیر کے لیے اس کے دل میں اس لڑکی کے لیے رقابت پیدا ہوگئی۔ مگر جب اس بارے میں غور سے سوچا تو اپنا خیال جھٹک دیا۔ وہ زینے اترتی نیچے آئی۔ اماں صوفے پر بیٹھی کچھ بن رہی تھیں۔

"تو اٹھ گئی صالحہ؟"۔ وہ چمک کر بولیں۔

"ہاں"۔ وہ پھیکا سا مسکرائی۔ آنکھیں کسی کو تلاشنے لگیں۔ اسے ارحم کی یاد بھی شدت سے آئی۔ ایک شخص کی کمی اس حویلی میں اسے بہت زیادہ محسوس ہوئی۔ اس کا دل اجڑ چکا تھا۔ اب کوئی مستقبل بھی نہیں تھا۔ وہ صبر کر رہی تھی کیونکہ اس کے پاس یہی ایک راستہ تھا۔ آنکھیں اب تک نم تھیں اور لہجہ گیلا۔

"تو رو رہی ہے؟ حیدر تجھے کل شہر لے کر جانے والا ہے۔ تیاری کر لے"۔

"میں تھک گئی ہوں اماں"۔ وہ تھکے انداز میں کہتی ان کے برابر میں بیٹھ گئی۔ شہر جانے کی خوشی بھی نہ ہوئی۔ یہ جگہ وہی تھی جہاں ارحم کی میت کو رکھا گیا تھا۔ وہ ایک کرب سے گزر رہی تھی۔ اس کے سر میں درد ہونے لگا، اس لیے اٹھ کر کھڑی ہو گئی۔

"اب کہاں جا رہی ہے تو؟ کچھ کھایا تو نے؟ حیدر کہاں ہے؟" اماں نے سوالوں کی بوچھاڑ شروع کر دی۔

صالحہ کو کوفت محسوس ہوئی۔

"اماں اوپر جا رہی ہوں اور کچھ بھی نہیں کھایا میں نے۔ میرا دل نہیں"۔ ابھی وہ زینے چڑھتی کہ کسی نسوانی چیخ پر بوکھلا گئی۔

"تو نے اب تک برتن نہیں مانجھے؟"۔

آواز سے صاف ظاہر ہو رہا تھا کہ کچن میں سمیعہ تائی ہیں۔ وہ کسی پر چلا رہی تھیں۔ زوردار تھپڑ پڑنے کی آواز آئی اور ایک لڑکی باہر منہ کے بل گری۔ وہ ششدر رہ گئی۔ وہ سالہا، سترہ سال کی ایک معصوم سی لڑکی تھی جس کا چہرہ اب تھپڑ سے لال ہو چکا تھا۔ اس نے بڑھ کر اسے اٹھانا چاہا، مگر پاؤں میں گویا زنجیر بندھ گئی۔

"اوہ تو یہ ہے ونی"۔ اس نے بے اختیار سوچا۔ دل میں ایک بار پھر رقابت پیدا ہوئی۔ اس نے قدم بھی اس چھوٹی سی لڑکی کی طرف نہ بڑھایا جو زمین پر گری تڑپ رہی تھی۔ وہ اسے

ارحم کی یاد ایک بار پھر دلا گئی تھی۔ وہ اوروں کی طرح یہی سوچنے لگی کہ یہ لڑکی ارحم کے خون کے بدلے آئی ہے!۔ اس سے بڑا بھی اس لڑکی کا کوئی اور جرم ہو سکتا تھا کہ وہ ارحم کے قاتل کی بہن ہے؟۔ اتنے میں کچن سے سمیعہ تائی آئیں اور اسے بالوں سے پکڑ کر اٹھایا۔

صالحہ کا دل برا ہوا۔

"میرا بیٹا مارا گیا ہے تیرے ویر کے ہاتھوں!۔ میں تجھے نہیں چھوڑوں گی". انہوں نے اسے بال سے پکڑ کر کچن کے اندر دھکا دیا۔

"دس منٹ کے اندر دوپہر کے برتن نہیں دھلے تو اب تو تجھے اندازہ ہو گیا ہو گا کہ میں کیا کروں گی"۔ وہ اب کچن میں تھی اس لیے اسے دیکھ نہیں پا رہی تھی۔ صالحہ نے منہ پھیر کر قدم اوپر کی جانب بڑھا لیے۔ دل نے اس لڑکی کو دیکھنے کی خواہش کی، مگر ارحم کی موت کا دکھ تھا اس لیے وہ اس کے قاتل کی بہن کے ساتھ وقت نہیں گزار سکتی تھی۔ وہ زینے چڑھتی چلی گئی۔ زینے ختم ہوتے ہی ثریا کھڑی تھی۔ سر پر چادر اور سینے پر ہاتھ باندھے ہوئے تھی۔

"اگر ایسا کرو گی تو کیا فرق رہ جائے گا تم میں اور حویلی والوں میں؟"۔ وہ رکی نہیں تھی۔ کہتے ساتھ کمرے میں مڑ گئی تھی۔ صالحہ نے اس کی بات پر تھوک نگلا۔ وہ مرے مرے قدموں سے سب سے اوپری منزل جانے کے لیے چڑھنے لگی۔ ثریا ٹھیک کہہ رہی تھی۔ اس لڑکی

کا اس سب میں بھلا کیا قصور؟ اس کے تو وہم و گمان میں نہیں ہوگا کہ اس کے بھائی نے کسی کا قتل کر دیا تھا۔ ہر مرد کی سزا عورت کیوں بھگتی ہے؟۔ صالحہ کو اپنی غلطی کا احساس ہوا۔ بیوی بھی اس شخص کی بنی ہے جوان حویلی کے معاملوں میں بہت سخت ہے۔ صالحہ نے فیصلہ کر لیا تھا کہ وہ ظلم نہیں ہونے دے گی۔ یہ سوچتے سوچتے اسے یہ بھول گیا تھا کہ وہ اب افشاں کے دروازے کے سامنے کھڑی ہے۔ اس منزل پر ہمیشہ سے خاموشی کا راج رہا تھا۔ وہی دھول مٹی میں اٹی ہوئی منزل، وہی جالے۔ اس نے دروازہ کھٹکھٹایا۔ اسے کمرے کے اندر ہلچل محسوس ہوئی۔ کوئی تیزی سے دروازہ کھولنے آ رہا تھا۔ کچھ لمحے اور گزرے اور دروازہ کھل گیا۔ وہ اندر داخل ہوئی۔ وہ عورت دروازے کا کنڈہ پکڑے کھڑی تھی۔ صالحہ نے اسے دیکھ کر مسکرانا چاہا، مگر اس سب سے پہلے ہی اس کے آنسو چھلک گئے۔ افشاں نے جھٹ سے اسے گلے سے لگا لیا۔

وہ روتی گئی اور وہ بے زبان عورت اس کو تھپتھپاتے رہی۔ جانے کتنی رونے اور کہنے کے بعد اب وہ پر سکون افشاں کی گود میں سر رکھے لیٹی تھی۔

"میرے اندر رقابت کے جذبات پیدا ہو گئے تھے پھپھو۔ میں نے اسے نظرانداز کر دیا اور۔۔۔ اور اس کو ظلم سے بچایا بھی نہیں پھپھو۔ کیا فرق رہ گیا مجھ میں اور حویلی والوں میں؟ ثریا ٹھیک کہتی ہے۔ پھپھو مجھے کیا ہو گیا ہے؟۔ ارحم کی یاد دل میں بڑھتی جا رہی ہے"۔

اوراس سب میں افشاں صرف اسے تکتی رہی، تھپتھپاتی رہی۔

"میں نے تین دن سے قرآن بھی نہیں پڑھا پھپھو۔ میں اچھی نہیں ہوں نا؟"۔ وہ روہانسی ہوگئی۔ پھپھو نے نفی میں سر ہلایا اور اسے اشاروں میں سمجھانے لگیں کہ "نہیں صالحہ۔۔۔ تم بہت اچھی ہو!"۔ جب صالحہ زیادہ بے چین ہونے لگی تو پھپھو نے اپنے برابر رکھی میز سے ایک پرچہ نکالا۔ وہ خستہ حال صفحہ کا ٹکڑا تھا جسے اس نے صالحہ کو پکڑایا تھا اور صالحہ اس صفحے کو کھولے بغیر ہی سمجھ گئی تھی کہ اس میں کیا لکھا ہے۔ وہ ایک دم مسکرا کر پھپھو کو دیکھنے لگی۔ اس نے پرچہ کھولا۔

"تم صالحہ ہو!ایک نیک اور صالحہ لڑکی بن جاؤ"۔ یہ پڑھ کر ایک پیار بھری نگاہ پھپھو پر ڈالی جواب اس امید پر اسے دیکھ رہی تھیں کہ وہ اب ان کی بات سمجھ گئی ہوگی۔ اس نے پرچہ تہہ کر کے ان کی طرف بڑھایا۔

"اگلی بار جب بھی میں بھٹکوں تو مجھے یہی پرچی تھمائے گا پھپھو"۔

صالحہ نے کنچی آنکھوں سے کنچی آنکھوں میں جھانکا۔ افشاں نے اس کی آنکھوں میں اپنی جوانی دیکھی۔ وہ بنی بنائی افشاں تھی۔

"تم میری جوانی ہو صالحہ"۔ اس نے اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے دل میں سوچا۔ وہی نین نقش۔ وہی ادائیں اور وہی دل موہ لینے والی باتیں۔ چھوٹی خواہشیں اور وہی دل میں پنپتی کسی کی محبت۔ اسے اپنا ماضی یاد آنے لگا۔

---**---

حویلی میں لوگوں کی چہل پہل تھی۔

"بھابھی بھابھی"۔ وہ شوخ چنچل لڑکی اپنا آنچل لہراتے ہوئے بھاگ رہی تھیں۔

"سمیعہ بھابھی کیا آپ جانتی ہیں شمیلہ بھابھی کہاں ہیں؟"۔ وہ بیتاب ہوتی نظروں سے ادھر اُدھر ڈھونڈنے لگی۔ آواز اتنی مدھم اور خوبصورت کہ محسوس ہوتا تھا کہ کوئی چھوٹی بچی کی آواز ہے۔

"وہ باہر کچن میں ہے چندا"۔ سمیعہ نے مسکرا کر اس شوخ لڑکی کو دیکھا جو یہ سن کر ہی کچن کی جانب بھاگ گئی تھی۔

"بھابھی جلدی چلیں میرے ساتھ"۔ وہ شمیلہ کو پکڑ کر کھینچنے لگی۔

www.urdunovelsmania.com

"ارے لڑکی دو منٹ رک جاؤ!۔مجھے کھانا پکوا لینے دو باورچیوں سے ورنہ داجی بہت چیخیں گے"۔ ان کی کلائی افشاں کے ہاتھوں میں تھی اور وہ مسلسل انہیں کھینچ کر زبردستی کہیں لے کر جا رہی تھی۔

"آپ ابھی چلیں"۔ وہ معصوم سے ضدی لہجے میں بولی۔

"مگر تم یہ تو بتاؤ ہوا کیا ہے افشاں بچے؟"۔ وہ اس کے ساتھ پیچھے پیچھے آنے لگی۔

"ملاقات کرنی ہے کیونکہ اسے کوئی اہم کرنی ہے مجھ سے بھابھی"۔

"اہم بات؟"۔ ان کا دل دھڑکا۔

"ہاں بھابھی۔"اس کی آنکھیں چمکیں۔

"کیسی اہم بات؟"۔

"ہوسکتا ہے وہ اپنے والدین کو حویلی لانا چاہتا ہو میرے حوالے سے؟"۔ وہ امید سے بولی۔

شمیلہ دھک سے رہ گئیں۔

"کیا ہوا بھابھی؟"۔ وہ ان کی حالت سمجھ نہ پائی۔

"داجی نہیں مانیں افشاں۔۔۔ کوئی نہیں مانے گا!۔ بشارت حسین کے بارے میں کسی مرد کو نہیں معلوم!"۔

افشاں کا چہرہ مرجھایا۔

"بھابھی یہ محبت بہت انمول ہے میرے لیے۔ میں داجی سے بات کروں گی بھابھی۔ میں چپ نہیں رہوں گی۔ میں اپنے ساتھ غلط نہیں ہونے دوں گی"۔

شمیلہ کی سانسیں گہری ہونے لگیں۔ اس کے ارادے صحیح نہیں تھے۔

"تم کیا کرو گی افشاں؟"۔ انہوں نے دھڑکتے دل سے پوچھا۔

"میں کیا کروں گی بھابھی؟ میں داجی سے کہوں گی کہ میں اپنی پسند سے شادی کرنا چاہتی ہوں!۔ میں اپنے اوپر زبردستی نہیں چاہتی!۔ میں کہہ دوں گی"۔ دھوپ اس کی آنکھوں پر پڑی تو کنچی آنکھیں چمکنے لگیں۔ چمکنے کی وجہ آنکھوں سے نکلنے والا پانی بھی تھا۔ اس کی آنکھیں کب گیلی ہوئیں اسے علم نہ ہوا۔

"آپ بس ہماری ملاقات کروا دیں آخری بار۔ یہ خط وکتابت اب مجھ سے نہیں کی جاتی بھابھی۔ وہ شخص میرے رگ رگ بسا ہوا ہے"۔ وہ قدرے جذب سے انہیں بتا رہی تھی۔

شمیلہ بھابھی جانتی تھیں کہ اس حویلی کی عورتیں خواب بہت بنتی ہیں، مگر وہ خواب پورا نہیں ہوتا۔

"شام میں سب مزار جائیں گے۔ ملازم سے کہو بشارت حسین سے کہے پرانی والی جگہ ملنے آئے"۔

افشاں کی باچھیں کھل گئیں۔ اس نے ملازم کو خبر دی اور کمرے کی طرف جانے لگی۔ چادر سے سر مکمل ڈھانپا ہوا تھا۔ وہ چلتے چلتے ایک دم کسی سے ٹکرا گئی۔

"آئے پھپھو مجھے لگ گئی"۔ وہ ننھا وجود توتلی زبان میں بولا۔

"ارے پھپھو کی جان۔۔۔ کمرے میں آجاؤ پھپھو کے"۔ اس کو گود میں اٹھا کر وہ اپنے کمرے میں لے آئی۔ وہ اس کو گود میں لیے زینے چڑھتی چلی گئی۔ اوپر منزل میں داخل ہوئی جو بہت خوبصورت تھی۔ جہاں ہر رنگ سے دیواروں کو سجایا ہوا تھا۔ داجی نے اپنی بیٹی کے لیے اس منزل کو خوب سجایا تھا۔ افشاں نے کمرے کا دروازہ کھولا اور اسے گود میں لیے اندر داخل ہوئی۔ حویلی کے تمام کمروں میں سب سے خوبصورت کمرہ صرف اس کا تھا۔ ایک بڑا آئینہ جو دیوار پر لگا تھا۔ رنگوں سے بھرپور کمرہ۔

"صالحہ نے وہ آیت سیکھی؟"۔ افشاں نے بچی کو میز پر بٹھایا۔

"جی پھپھو"۔ اس نے اثبات میں سر ہلایا۔

"اللہ تعالیٰ سے دعا مانگی؟"۔

اس بچی نے پھر اثبات میں سر ہلایا۔

"کیا مانگی صالحہ نے دعا؟"۔ وہ اس بچی کو غور سے دیکھنے لگی۔ اسے لگا وہ اپنے بچپن کو دیکھ رہی ہے۔

"اللہ میاں صالحہ ٹو(کو) صالحہ بناڈے (بنادے)"۔ وہ کھلکھلا کر بولی تو افشاں بھی مسکرادی۔

"اللہ کریں صالحہ بڑی ہوکر نیک اور صالحہ لڑکی بنے۔ پھر وہ اللہ تعالیٰ کے اور قریب ہوتی جائے گی۔ چلو صالحہ۔ اب یہ اپنی چھوٹی سی چادر اوڑھو! اب ہمارا قرآن پڑھنے کا وقت ہے۔ ہم نے وعدہ کیا تھا نا کہ اب ترجمہ بھی سمجھیں گے"۔ وہ اسے گود میں اٹھاتی اس کے سفید گالوں کو چومتی الماری کھولنے لگی۔

"کونسا والا اسکارف پہنے گی پھپھو کی گڑیا"۔ اس نے محبت سے صالحہ سے پوچھا۔ صالحہ کی آنکھیں چمکیں۔ وہ اس کے گلے سے لگی ایک گلابی اسکارف کی جانب اشارہ کرنے لگی۔

"اوہ یہ تو میرا اسکارف ہے جو کہ آپ کی پھپھو کو بہت پسند ہے"۔ وہ منہ بسور کر اسے دیکھ کر بولی۔ صالحہ نے اداسی سے اسے دیکھا۔

"مگر مجھے۔۔۔۔۔ ٹو(تو)۔۔۔۔یہی والا چاہئیے نا"۔ اس نے منہ بسورلیا۔ افشاں نے اس کے ننھے سے ہاتھ پکڑ لیے باری باری چومے۔

"مجھے یہ والا اسکارف پسند ہے لیکن مجھے تو صالحہ بھی بہت پسند ہے۔ چلو یہ اسکارف صالحہ پہنے گی"۔ اس نے اسکارف نکال کر اسے پہنایا اور قرآن نکالنے لگی۔

"میں کرچی (کرسی) پر بیٹھ جاؤں؟" وہ معصومیت سے پوچھنے لگی تو افشاں نے اثبات میں سر ہلایا۔

"یہ رہا قرآن یعنی اللہ میاں کا کلام"۔ یہ کہتے ہوئے اس نے میز پر قرآن رکھا۔ صالحہ کرسی پر کھڑی ہو گئی۔

"اور صالحہ کا قاعدہ کہاں ہے پھپھو؟"۔ اس سے پہلے صالحہ پھر ناراض ہوتی افشاں جلدی سے اس کا قاعدہ لے آئی۔

"یہ رہا"۔ اس کو محبت سے قاعدہ آگے بڑھایا۔

"کتنا سارا پڑھائیں گی؟"۔ اس نے چمک پوچھا۔

"جتنا سارا آپ کو یاد ہو گا۔ صالحہ تو اچھی بچی ہے نا؟"۔ افشاں نے گھنی پلکیں اٹھا کر اسے دیکھا۔

"ہاں پھپھو"۔ وہ اب کرسی پر بیٹھ کر قاعدہ کھولنے لگی۔

"ہم اس ٹے (کے) بعد کیا کریں گے پھپھو؟"۔

"اس کے بعد پھپھو آپ کو کہانیاں سنائیں گی۔ اللہ تعالیٰ کی باتیں بھی بتائیں گی"۔ اس نے اسکارف پہنا۔

"اماں لوگ جائیں گے آج بھی۔ آپ ٹو (تو) آج بھی نہیں جائیں گی نا؟"۔ اس کا اشارہ مزار کی طرف ہے۔

"میرا دل نہیں چاہتا وہاں جانے کا صالحہ۔ اس لیے میں مزار نہیں جاتی نا۔ ہم تو اللہ کے بندے ہیں اس لیے صرف اللہ سے مانگتے ہیں۔ لیکن آج آپ کی پھپھو کو کام ہے!۔ وہ آج جائیں گی"۔ وہ اس شخص کو یاد کر کے مسکرائی۔

"آپ بھی دعا مانگیں گی؟"۔ وہ چمک کر بولی۔ وہ چھوٹی بچی تھی اس لیے اسے ابھی خبر نہ تھی۔

"میں سیدھا اللہ سے دعا مانگوں گی صالحہ۔ کسی کے وسیلے سے نہیں"۔ وہ مبہم سا مسکرائی۔

"وسیلہ کیا ہوتا ہے؟"۔

پھپھو نے اسے محبت سے دیکھا۔

"آپ کو پتا چل جائے گا صالحہ، مگر آپ کسی کو مت بتانا میرے بارے میں۔ یہ ایک راز ہے؟"۔ اس نے صالحہ سے ہاتھ ملایا۔

"راز؟ میں کسی کو نہیں بتاؤں گی؟"۔ وہ بہت آہستہ آواز میں حیران ہو کر بولی۔

"بلکل۔ آپ تو پھپھو کی جان ہیں نا"۔

"سب کہتے ہیں پھپھو صالحہ جیسی دکھتی ہیں"۔ صالحہ ایسے بولی جیسے کوئی راز کی بات بتا رہی ہو۔

افشاں ہنس دی۔

"بلکل ٹھیک کہتے ہیں۔ میں بلکل تم پر گئی ہوں"۔ وہ ہنس کر بولی۔

"اور ہماری آٹھوں (آنکھوں) کا رنگ بھی نا؟"۔ وہ اب پوچھ رہی تھی۔

"ہاں وہ بھی ملتا ہے صالحہ۔ ہم دونوں ایک جیسے ہیں"۔ وہ اس کا گال چومنے لگی۔

"صالحہ افشاں ہے اور افشاں صالحہ"۔ وہ خوشی سے تالیاں بجانے لگی۔

صالحہ افشاں کی دوائی تھی اور افشاں؟ افشاں صالحہ کا مرہم!

---**---

اس نے گاڑی کا ہارن بجا کر جیا کو اپنی جانب متوجہ کیا۔ وہ دوستوں سے ہاتھ ملاتی خدا حافظ کہتی گاڑی میں آکر بیٹھ گئی۔

اس نے گردن موڑ کر وجدان کو دیکھا جو سنجیدگی سے آگے کی طرف دیکھ رہا تھا۔ وہ انتظار کرتی رہی کہ وہ اب اسے گڑیا کہہ کر پکارے گا اور اس سے اس کا حال چال پوچھے گا، مگر وہ کچھ نہ بولا۔ وہ تھوڑی دیر خاموش رہی مگر پھر بول پڑی۔

"بھائی؟"۔ اس نے تھوک نگل کر پوچھا۔ وہ اب بھی کچھ نہ بولا۔

"بات سنیں"۔

"ہمم؟"۔ اس نے بغیر دیکھے اسے جواب دیا۔

"میری طرف کیوں نہیں دیکھ رہے؟ مجھے آپ سے بات کرنی ہے"۔

"آنکھوں سے نہیں کانوں سے سنتا ہوں"۔ اس نے دوبدو جواب دیا۔ لہجہ قطعی سخت نہ تھا۔

جیا کا دل بھر آیا۔

"حیدر کل آرہا ہے۔ آپ اسے اپنی ملاقات کا وقت بتا دیں۔ وہ کل اپنی بہن کو بھی لائے گا"۔ اس نے دھیمی سی کانپتی آواز میں بتایا۔ وجدان نے ہنکارا بھرا۔

"اپنی بہن کو کیوں لا رہا ہے؟"۔

"تاکہ۔۔۔۔آپ۔۔۔۔دیکھ سکیں کہ۔۔۔۔۔۔۔"وہ ہکلائی۔

"میری شادی کس سے ہو رہی ہے۔"وجدان نے بات کاٹ کر تلخی سے مسکرا کر جملہ مکمل کیا۔ وجیہہ نے تھوک نگلا۔

"کل کا کہہ دوں؟"۔ اس نے ڈرتے ڈرتے پوچھا۔

"میں نے منع کرنا ہے تو تم نے کون سی سن لینی ہے وجیہہ۔ بلالو کل"۔ لہجے میں تلخی واضح تھی۔ جیا اسے حیرانی سے دیکھنے لگی۔ اس کا ایسا لہجہ جیا نے پہلی بار دیکھا تھا۔

"شام کا وقت دیدو"۔

"جج۔ جی"۔ اور پھر گہری خاموشی۔ ایسی خاموشی جو کل شام تک ان دونوں کے درمیان رہنے والی تھی۔

وجدان نے کھڑکی سے باہر جھانکا۔ وہ اسے دیکھنے سے گریز کر رہا تھا۔ اسے گاڑی چلاتے ہوئے کوفت ہونے لگی۔ وہ کوشش کرنے لگا کہ اپنی حالت سمجھ سکے۔ دل ایک دم دنیا سے اچاٹ ہوگیا۔ سب اجنبی سا لگنے لگ گیا۔ اسے لگا اس دنیا میں کوئی اس کا اپنا نہیں ہے جو اس کا ہمدرد ہو۔ جو اس سے محبت کرتا ہو۔ وہ کیوں درشہوار کو الزام دے جبکہ اس کی اپنی بہن بھی اس کی محبت داؤ پر لگا رہی تھی۔ وجدان اپنی بہن کو اس کی خواہش پر انکار بھی نہیں کر پا رہا تھا۔ لگتا تھا محبت حاوی ہوگئی۔ اس نے اپنا ذہن دوسری طرف لگانے کے لیے ٹیپ چلا دیا۔ ٹیپ میں کوئی شخص غزل پڑھ رہا تھا۔

"جو خیال تھے نہ قیاس تھے وہی لوگ ہم سے بچھڑ گئے

مری زندگی کی جو آس تھے وہی لوگ ہم سے بچھڑ گئے"

(خوبصورت مردانہ گھمبیر آواز میں وہ غزل پڑھی جارہی تھی۔ ماضی کی محبت کا اس کے دل میں اب تک بسیرا تھا۔ یہ غزل اس کے دل میں ہول اٹھارہی تھی۔ بھلا سچی محبت کبھی دل سے بھی نکلتی ہے؟)۔

"جنہیں مانتا ہی نہیں یہ دل، وہی لوگ ہیں مرے ہمسفر

مجھے ہر طرح سے جو راس تھے وہی لوگ ہم سے بچھڑ گئے"

"مجھے لمحہ بھر کی رفاقتوں کے عذاب اور ستائیں گے

میری عمر بھر کی جو پیاس تھے، وہی لوگ ہم سے بچھڑ گئے"۔

(وہ اس غزل کو اپنے اوپر محسوس کرنے لگا۔ دل نے شدت سے خواہش ظاہر کی کہ اس غزل کے شاعر کا نام جانا جائے، مگر اسے معلوم نہیں تھا۔ جیا بازو میں بیٹھی اس کی کیفیت کو ماتھے پر بل ڈالے جانچ رہی تھی۔ وجدان کے دل کو اسی وقت ٹھیس پہنچی تھی جب اس

کی گڑیا نے کل اس سے بات کرتے ہوئے اسے جھڑکا تھا۔ جیا واقعی یہ تکلیف محسوس نہیں کر سکتی تھی جو وہ ابھی خود کر رہا تھا۔)

"یہ خیال ہیں سارے عارضی، یہ گلاب ہیں سارے کاغزی
گلِ آرزو کی جو باس تھے، وہی لوگ ہم سے بچھڑ گئے"

"جنہیں کر سکا نہ قبول میں، وہی شریک راہ سفر ہوئے
جو میری طلب میری آس تھے وہی لوگ ہم سے بچھڑ گئے"

(وجدان کی آنکھیں حیرت پھٹ گئیں۔ غزل کے لفظ گویا وجدان پر ہی لکھے گئے تھے۔ ہاں وہ اس لڑکی کو قبول نہیں کر پائے گا۔ اس صورت میں تو بلکل بھی نہیں کہ وہ کسی کو اپنا دل دے بیٹھا ہے۔ وہ اس سے بچھڑ چکی ہے۔ محبت وجدان کے لیے اس لڑکی کے دل میں ختم ہو چکی تھی)۔

"یہ جو رات دن میرے ساتھ ہیں وہی اجنبی کے ہیں اجنبی

وہ جو دھڑکنوں کی اساس تھے وہی لوگ ہم سے بچھڑ گئے"

وجدان نے تکلیف سے تھوک نگلا اور فوراً سے وہ ٹیپ ریکارڈر بند کر دیا۔ وہ غزل ختم ہو چکی تھی اور یہاں اس کی تکلیف بڑھ چکی تھی۔ گھر بھی آچکا تھا اور گاڑی بھی رک چکی تھی۔ وجیہہ اس کے تاثرات نوٹ کرنے لگی۔ اس نے ہارن بجایا تو کسی ملازمہ نے دروازہ کھول دیا۔

اس نے تیزی سے گاڑی اندر بڑھائی اور اپنی طرف کا دروازہ کھولتا ہوا، اپنے آنسو ضبط کرتا ہوا اندر کی طرف بھاگ گیا۔ وہ اپنے قابو میں بھی نہیں تھا۔ خود پر اختیار ہی کھو بیٹھا تھا۔ جیا گاڑی میں بیٹھی ہونقوں کی طرح اس کی پشت تکتی رہ گئی۔

---**---

DON'TCOPYPASTEWITHOUTMYPERMISSION

زنجیر از قلم عینا بیگ

قسط ٦

فجر کی آذانیں اس کے کانوں میں داخل ہوئیں اور اس کی آنکھیں جھٹ سے کھلیں۔ وہ اٹھ کر بیٹھی اور سر پر چادر لے لی۔

"حی علی الصلوہ" کی آواز پر وہ آنکھیں پوری کھولتے ہوئے بستر سے اٹھ کھڑی ہوئی۔ وضو کر کے نماز پڑھی اور دعائیں مانگیں۔ اس سب میں اسے ایک گھنٹہ لگا۔ دعائیں مانگنے بیٹھتی تو بھول جاتی کہ کتنا وقت گزرا ہے۔ اکثر اتنا وقت گزرتا کہ کمرہ صبح کی روشنی سے خود بھی روشن ہو جاتا۔ سوئیٹر اور شال سے خود کو لپیٹ کر وہ اٹھ کھڑی ہوئی۔ اس نے گھڑی کی طرف نگاہ ڈالی اور خود چادر میں خود کو ڈھانپتی باہر نکل آئی۔ سخت سردی کے باعث باہر دھند چھائی ہوئی تھی۔ وہ زینے اتر کر نیچے آنے لگی۔ حویلی کے مرد سو رہے تھے اور عورتیں جاگ گئی تھیں۔

"صالحہ تو جا کر تھوڑی دیر بعد چائے بنا دینا ہم عورتوں کے لیے"۔

کچھ عورتیں کرسیوں پر بیٹھی تھیں۔ کچھ ادھر ادھر پھر رہی تھیں۔

"اماں کیا باورچی نہیں آئے کیا ابھی؟"۔

"نہیں کوارٹر میں ہی ہیں ابھی۔ ان کا وقت سات بجے ہے"۔

"اچھا"۔ وہ کچن کی طرف مڑنے لگی کہ سمیعہ تائی نے اسے روکا۔ اس نے پیچھے مڑ کر انہیں دیکھا جو ہاتھوں میں تسبیح لیے، اتری صورت اور نڈھال نظروں سے اسے دیکھ رہی تھیں۔

"تجھے کام کرنے کی کوئی ضرورت نہیں صالحہ۔ جو قاتل کی بہن اندر کھڑی ہے اس سے ہی بنوالے چائے"۔ انہوں نے کچن کی جانب اشارہ کیا۔ وہ ماں تھیں۔ انہوں نے اپنا بیٹا کھویا تھا۔ اس نے ایک نظر انہیں دیکھا اور کچن میں بڑھ گئی۔

وہ لڑکی کچن میں سخت سردی میں دھلے ہوئے برتن پھر دھورہی تھی۔ صالحہ کو عجیب سی حیرت ہوئی۔ وہ کوئی سوئیٹر بھی نہیں پہنی ہوئی تھی اور کپکپا رہی تھی۔

"یہ برتن پہلے سے ہی دھلے ہوئے ہیں۔ تم اسے اور کیوں دھورہی ہو؟"۔ اصالحہ کی آواز پر وہ لڑکی جھٹکے سے سہم کر مڑی۔

"مم۔ میری نہیں غلطی۔ وہ۔۔وہ مجھے کہا گیا کہ میں۔۔۔رات کے دھلے برتن فجر میں دھویا کروں"۔ اسے لگ رہا تھا کہ صالحہ بھی اب برا برتاؤ کرے گی۔

"چھوڑدو برتن کو"۔ وہ نرمی سے کہتے ہوئے اسے پیچھے کرنے لگی۔

"ممم۔ میں کرلوں گی پکا!۔ بس دس منٹ دے دیں اور خدارا"۔ وہ رونے لگی۔ صالحہ بے اسے دیکھا اور گہری سانس ہوا میں چھوڑی۔

"تمہیں کوئی کچھ نہیں کہہ رہا ہے لڑکی۔ تم یہیں میرے برابر کھڑی ہوجاؤ"۔ یہ کہتے ہوئے صالحہ برتن دھونے لگی۔

"آپ کیا کر رہی ہیں"۔ وہ ڈرتے ڈرتے پوچھنے لگی۔

اس کی آواز نہایت باریک تھی اور آواز سے ہی ظاہر ہوتا تھا کہ کوئی چھوٹی بچی بات کر رہی ہے۔

"میں تمہارے حصے کے برتن دھو رہی ہوں۔ باہر جا کر کہہ دینا کہ سارے برتن تم نے دھوئے ہیں۔ ٹھیک ہے؟"۔ اس کی طرف صالحہ نے مسکرا کر دیکھا تو وہ لڑکی اسے منہ کھولے حیرت سے دیکھنے لگی۔ نلکے سے ٹھنڈا پانی صالحہ کے ہاتھ پر پڑا تو صالحہ کو لگا اس کا خون جم جائے گا۔ اسے برابر میں کھڑی لڑکی پر ترس آیا کہ وہ لڑکی پتا نہیں کتنے دنوں سے یہ کام کر رہی ہے۔

"کیا نام ہے تمہارا؟"۔ صالحہ نے نہایت نرمی سے پوچھا۔

وہ اس کے لہجے پر حیران رہ گئی۔

"رفاہ فاطمہ"۔ اس نے سردی سے کپکپاتے ہوئے بتایا۔

صالحہ نے اسے کپکپاتے دیکھا تو اپنی موٹی شال اتار کر اسے دے دی۔

"مجھے ضرورت نہیں ہے"۔ وہ جھجکنے سے زیادہ ڈری ہوئی تھی۔

"پہن لو رفاہ۔ میں جانتی ہوں تمہارے پاس کچھ نہیں"۔ باورچی خانے میں ذیادہ روشنی نہیں تھی جس کے باعث وہ اس کا چہرہ غور سے نہیں دیکھ پا رہی تھی۔

اس کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔

"آپ مجھے ماریں گی نہیں؟"۔ اس نے آنسو پونچھتے ہوئے پوچھا۔

"ہائے میں کیوں اتنی پیاری سی لڑکی کو ماروں گی؟"۔ اسے حیرانی ہوئی اور افسوس بھی!

"جن کا قتل ہوا وہ آپ کے منگیتر تھے"۔

صالحہ کے دل پر ٹیس پڑی۔

"ہاں تو؟"۔ وہ عام سے لہجے میں بولی۔

"تو آپ مجھے نہیں ماریں گی؟"۔

"تم نے قتل کیا تھا؟"۔ اس نے پلیٹیں سلیپ پر سجائیں۔

"ہاں"۔ لڑکی نے لب بھینچے۔

صالحہ کے حواس جھنجھنائے۔

"پھر سے کہو؟"۔ وہ ششدر ہو کر بولی۔

urdu novels mania www.urdunovelsmania.com

"میرے بھائی نے کیا یا میں نے! بات تو ایک ہی ہے نا۔ سزا تو مجھے ہی ملنی تھی۔ بھائیوں کے ہر گناہ کی سزا بہن کے سر اور بہن کے گناہ کی سزا پر بہن ہی خود ذمہ دار ہوتی ہے"۔

وہ دھیمی آواز میں بولی۔

صالحہ خاموش ہو گئی۔

"میں نہیں ماروں گی تمہیں رفاہ۔ جس میں تمہاری غلطی ہی نہیں اس میں تمہارا کیا قصور؟۔ میں کوشش کروں گی کہ تمہیں اس ظلم سے بچاؤں۔ اچھا ایک بات تو بتاؤ تمہارا شوہر کہاں ہے؟"۔ وہ جاننا چاہتی تھی کہ یہ کہاں رہ رہی ہے۔

"میرا شوہر؟"۔ اس نے الجھ کر پوچھا۔

"لڑکی جس سے نکاح ہوا ہے تمہارا"۔

"میں نے انہیں دیکھا ہی نہیں کہ کس سے نکاح ہوا ہے میرا"۔ وہ نگاہیں جھکا کر بولی۔

صالحہ حیران ہوئی۔

"نکاح ہوا بھی ہے کہ نہیں؟"۔ اسے تھوڑا عجیب محسوس ہوا۔

"نکاح میں مولوی صاحب نے شرجیل بٹ کا نام لیا تھا"۔

صالحہ نام سن کر تھوڑا مطمئن ہوئی۔

"دیکھا نہیں اب تک انہیں؟"۔ صالحہ کے سوال پر اس نے نفی میں سر ہلایا۔

"ہمم دکھا دوں گی"۔ اس نے چولہا جلا کر چائے کا پتیلا چڑھایا۔

وہ چپ رہی۔

"کوئی فرق نہیں پڑے گا کیونکہ میں عام زندگی نہیں جی سکتی۔ میں تو ونی ہوں نا؟ مجھ سے زبردستی سب کام کروائے ہیں"۔ اس کے اس طرح کہنے پر صالحہ کا دل حلق میں آگیا۔

اس کی باتیں اس کی صورت کی طرح معصوم تھیں۔

"اللہ پر یقین رکھو۔ ہم لوگوں کے خیالات کو بدل لیں گے"۔

اس کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔

"آپ اس حویلی میں سب اچھی ہیں"۔ اس نے بچوں کی طرح اپنی ناک رگڑی۔

"یہاں اور بھی لوگ ہیں اچھے۔ تمہیں باری باری بتاؤں گی"۔ محبت سے کہتے ہوئے اس کا ماتھا چوما۔ روشنی سے باورچی خانہ روشن ہو چکا تھا۔ اس نے بتی بھی جلائی۔ اچانک گھنٹیوں کی مدھم آوازیں گونجنے لگی۔ صالحہ کی آنکھیں روشن ہوئیں اور وہ بغیر کسی ارادے کے باہر جانے لگی۔

"سب سے کہہ دینا کہ یہ چائے تم نے بنائی ہے اور برتن بھی تم نے دھوئے ہیں۔ وہ میرا پوچھیں تو کہہ دینا ایک لڑکی اپنا آپ کسی کی آنکھوں میں دیکھنے گئی ہے"۔ یہ کہتے ساتھ وہ باہر نکل گئی۔ پیچھے کھڑی رفاہ حیران ہوتی آنکھوں سے اسے دیکھنے لگی۔ ہاں وہ سب سے

منفرد تھی۔ وہ حویلی کے باقی لوگوں جیسی نہیں تھی۔ رفاہ کو وہ بہت اچھی لگی۔ اس کا دل صالحہ سے ایک اور ملاقات چاہ رہا تھا! بار بار ملاقات چاہ رہا تھا۔ وہ اسے جاتے ہوئے دیکھنے لگی۔

"چائے بنی یا میں آؤں ادھر؟"۔ باہر سے سیمعہ تائی کی آتی آواز اسے اندر تک لرزا گئی۔

"بب۔ بن گئی"۔ یہ کہتے ساتھ وہ چائے کو چھاننے لگی۔

---**---

"میں آگئی پھپھو"۔ وہ نماز کی طرح ڈوپٹہ لپیٹے ہوئے ان کے کمرے میں داخل ہوئی۔

ڈھلتے وجود نے نگاہ اٹھا کر اسے دیکھا اور مسکرا دیں۔

واقعی سب ڈھل جاتا ہے!۔

چاہے حسن ہی کیوں نہ ہو۔

مجبوریاں، حد سے زیادہ سختیاں، رویے سب بدل دیتے ہیں۔

"تھوڑی دیر میں باورچی آپ کا ناشتہ بنا دیں گے"۔ وہ کنگھا لے کر بستر پر ان کے پیچھے بیٹھیں۔

افشاں نے گردن موڑ کر اس کو بال بنانے سے روکنا چاہا، مگر صالحہ خفا خفا سی نگاہوں سے انہیں دیکھنے لگی۔ اس کے تاثرات بلکل بچوں جیسے تھے۔ کچھ لمحے اس کو دیکھنے کے بعد وہ کچھ اشارہ کیے بغیر رخ آگے موڑ گئیں۔ وہ اس کو منع بھی نہیں کر سکتی تھیں۔ ان کے بس میں یہ بھی نہیں تھا۔

"پھپھو! ویر مجھ کو شہر بھی لے کر جا رہا ہے"۔ اس نے مسکراتے ہوئے بتایا۔ افشاں کے چہرے نے رنگ بدلا۔

اس نے پیچھے مڑ کر صالحہ کو آنکھیں پھاڑ کر دیکھا۔ صالحہ پریشان ہوئی۔

"آپ ایسے کیوں دیکھ رہی ہیں پھپھو؟۔ وہ تو بس مجھے گھمانے لے کر جا رہا ہے۔ آپ اس لیے پریشان ہو رہی ہیں نا کہ میں آپ سے دور ہو جاؤں گی؟"۔ افشاں نے کچھ اشارہ دیے بغیر رخ موڑ لیا۔ وہ اب سامنے دیکھ رہی تھی۔

"آپ کو مجھ سے کوئی دور نہیں کر سکتا اور نہ مجھے آپ سے!۔ میں دو دنوں میں آجاؤں گی پھپھو۔ ویر کو کتنا خیال ہے نا میرا؟۔ واقعی اس جیسا بھائی میرے لیے خوش نصیبی ہے"۔

وہ بڑے مان سے بتا رہی تھی۔ افشاں ساکت ہوئی بیٹھی اس کے مان پر گھبرا رہی تھی۔

اسے آنے والا وقت اور زیادہ ڈرا رہا تھا۔ ایک نئے خوف نے دل میں جنم لیا۔ بغیر مطلب

کے کام کبھی حویلی کے مرد نہیں کیا کرتے تھے۔ اوران سے بڑھ کر یہ بات اور کون جان سکتا تھا۔

**_ _ _ _ _ _

وہ مزار کے گیٹ سے چھپ کر نکلتی ہوئیں وہاں سے دور جانے لگیں۔

"کیا جانا ٹھیک ہوگا بھابھی؟"۔ وہ ڈر رہی تھی۔

"اب کی بار مل کر تمام باتیں بتا دینا اسے افشاں۔ اور یہ بھی کہ تمہارا اس سے آئندہ ملنا ناممکن ہے"۔ وہ اس کا ہاتھ پکڑے تیزی سے چل رہی تھیں۔

وہ دریا کنارے کھڑا تھا۔ اس کو دیکھ کر افشاں کی دل کی دھڑکن بڑھ گئی۔ ان دونوں کی طرف اس شخص کی پشت تھی۔ اچانک سے وہ گھوما تو وہ سامنے سے آرہی تھیں۔ اس کی نظریں بے اختیار جھک گئیں۔

شمیلہ نے قریب آکر افشاں کا ہاتھ چھوڑ دیا۔ دونوں نے چادر سے منہ ڈھانپا ہوا تھا۔ وہ شخص سوائے افشاں کی آنکھوں کے کچھ دیکھ ہی نہیں سکتا تھا۔

"اسلام علیکم"۔ اس نے جھک کر سلام کیا اور زمین کو تکنے لگا۔

سفید شلوار قمیض پر کالی دھاریوں والی شال پہنے وہ لمبا چوڑا شخص نظریں جھکائے اس سے گفتگو کر رہا تھا۔

"وعلیکم سلام"۔ افشاں کی رنگت سفید لٹھے کی مانند ہو گئی۔ اسے ڈر تھا کہ اب وہ کیا بات کرے گا۔۔

"کیسی ہیں آپ؟"۔ بشارت حسین کے یوں پوچھنے پر شمیلہ بھابھی کی آنکھیں حیرت سے پھٹ گئیں۔ جس قدر احترام و عزت اس کی باتوں میں تھیں بلکل اسی طرح اس کی آنکھوں میں بھی تھی۔ اس نے ایک بار بھی نظریں اٹھا کر افشاں کو نہیں دیکھا۔

"میں ٹھیک ہوں"۔ افشاں نے دھیمی آواز سے کہا۔ سر سے پیر تک ڈھنپی ہوئی صالحہ جس کی صرف آنکھیں دکھ سکتی تھیں اس نے بھی نظریں اٹھا کر اپنے سامنے کھڑی وجاہت سے بھرپور شخص کو نہیں دیکھا۔

"آپ سے ایک بات پوچھوں؟"۔ گھمبیر آواز میں وہ قدرے ادب سے بولا۔ افشاں کا دل حلق میں آگیا۔ وہ اس سے کیا پوچھنے والا تھا۔ شمیلہ بھابھی بس اس شخص کی شخصیت دیکھنے میں مصروف تھیں۔ جس کی آواز افشاں کے لیے بے حد نرم تھی۔ جو اتنی عزت دیتا تھا کہ بات کرنے سے پہلے بھی اجازت مانگتا تھا۔ وہ حیران تھیں۔ حویلی کے مردوں کا اس سے

مقابلہ ناممکن تھا۔ جو اس سے اتنی محبت کرتا تھا کہ اس کو نظر اٹھا کر بھی نہیں دیکھتا تھا۔

افشاں نے اثبات میں سر ہلایا۔

"کیا آپ مجھ سے شادی کریں گی؟"۔ لہجہ عام سا تھا یا التجائی وہ جان نہ پائیں۔

افشاں کی سانسیں بے ربط چلنے لگیں۔ اس کا دل گویا کسی نے مٹھی میں جکڑ لیا۔ وہ کیا کہے؟ ہاں یا۔۔۔ ناں؟۔ اس کی ہونٹ کپکپانے لگے۔ چند لمحے لگے تھے اسے داجی اور ان کا رویہ یاد آنے میں۔ کتنے برسوں کی محبت تھی!۔ وہ سفرِ محبت میں ہار جائے گی وہ جانتی تھی، مگر ہمت نہیں ہارے گی۔ جیتنے کی ہر ممکنہ کوشش کرے گی، مگر وہ یوں چپ نہیں رہے گی۔ وہ کوشش اس لیے بھی کرے گی تاکہ بعد میں دکھ نہ رہے کہ کوشش نہیں کی! اگر ہار جائے گی تو یہ تسلی پھر بھی رہے گی کہ کوشش تو کی!۔

اس کی حیا سے نظریں جھک گئیں۔ رخسار ایک دم گلابی ہو گئے۔

"مجھے قبول ہے بشارت، مگر۔۔۔"وہ جملہ مکمل کر نہ پائی اور اداس ہو گئی۔ بشارت نے تیزی سے نگاہ اٹھا کر اسے دیکھا۔ اس کی چادر اس کے چہرے سے سرک چکی تھی۔ نظر پڑتے ہی بشارت نے جھٹکے سے چہرہ پھر نیچے جھکا لیا۔ افشاں نے تیزی سے اپنی چادر درست کی۔

"مگر کیا؟"۔ بشارت حسین کے دل میں ہول اٹھنے لگا۔

افشاں نے لب بھینچ لیے۔ اس کے ہونٹ کپکپانے لگے تھے۔ وہ انتظار کرتا رہ گیا، مگر افشاں کے لبوں سے ایک الفاظ نہیں نکل پایا۔ اس کی ہمت نہ ہوئی تو اس نے شمیلہ بھابھی کو نظریں اٹھا کر دیکھا۔

"چلیں بھابھی"۔ آواز رندھی ہوئی تھی۔

بشارت کبھی سر نہ اٹھاتا اگر اس کی رندھی آواز اور اس کی بات نہ سن لیتا۔

افشاں نے شمیلہ کا ہاتھ تھاما اور مڑنے لگی۔ اس منزلِ لاحاصل کو پانے کی چاہت کا ختم ہونا ناممکن تھا۔ شمیلہ بھابھی دکھ سے اس کے ساتھ چل پڑیں۔

"آپ نے اپنا جملہ مکمل نہیں کیا۔ محبوب کبھی بھی ادھوری بات نہیں کرتے افشاں جی"۔ وہ تک زمین کو رہا تھا، مگر مخاطب اس لڑکی سے تھا جو اس کی راتوں کی نیند بھی چرانے میں ماہر تھی۔ افشاں کے بڑھتے قدم رک گئے۔ وہ ابھی بھی نہیں رکنا چاہتی تھی، مگر اس کے الفاظ افشاں کے پاؤں پر زنجیر باندھ گئے تھے اور وہ دو قدم بھی آگے چلنے سے قاصر ہو گئی تھی۔

"ایک بے یارو مددگار شخص کی محبت بھی آپ کو نہیں روک پا رہی افشاں جی"۔ وہ تڑپ کر نظریں اٹھا کر بولا۔ شمیلہ نے اس کو بشارت کی طرف پلٹانا چاہا، مگر اس نے نفی میں سر ہلایا۔

"پلٹنے سے امید بندھ جاتی بھابھی"۔ ایک دم مرجھایا ہوا چہرہ اور مرجھا گیا۔

"کیا میں قبول نہیں؟"۔ بشارت نے پیچھے سے آواز دی۔

یہ وہ سوال تھا جس پر وہ سرعت سے مڑی تھی۔ نگاہیں اس سے جا ملیں اور کنچی آنکھوں کو دیکھ کر ہی نگاہیں پھر سے جھکا دی گئیں۔

"محبت کا چرچا میں سرِ بازار کرنے کے قائل نہیں بشارت حسین۔ اگر قائل ہوتی نا تو پورا گاؤں ہمارا نام ایک ساتھ پکارتا"۔ اس کی اب بھی آواز رندھی ہوئی تھی۔

"تو پھر کیا روک رہا ہے آپ کو افشاں جی؟ حویلی والے مان جائیں گے"۔ وہ جان گیا تھا اسے کیا خوف ہے۔ افشاں کا رنگ بدلا۔

"اگر حویلی والے مان جاتے تو شمیلہ بھابھی یہاں نہیں ہوتیں ابھی بشارت حسین۔ میری زبان کاٹ دی جائے گی۔۔۔مجھے لہولہان کر دیا جائے گا، مگر اس شخص سے شادی نہیں کی جائے گی جو میری محبت ہو۔ یہ ظالموں کی بستی ہے"۔ اس کے آنسو رخسار پر بہنے لگے۔ بشارت کا دل چاہا یہی خود کو زمین پر گاڑ لے۔

"مگر ہار نہیں ماننی چاہیئے افشاں جی۔ محبت میں تو بلکل نہیں۔ یہی وقت ہوتا ہے جب دو لوگ اپنی محبت کا ثبوت دیتے ہیں"۔

"میں جانتی ہوں ہار ہی ملے گی، مگر مجھے اس رب پر یقین ہے۔ میں ہمت نہیں ہاروں گی۔ ہماری آئندہ ملاقات آخری ملاقات ہوگی بشارت حسین!" یہ بات اس نے اس کی آنکھوں میں دیکھ کر کہی تھی۔ بشارت ساکت ہو گیا۔

"کک۔ کیوں؟"۔

"اگلی بار آؤں گی تو زندگی کا فیصلہ ہاتھ میں ہوگا۔ وہ پرچہ آگے بڑھاؤں گی اور اگر اس میں لکھا ہوگا کہ دیا جلتا رہے گا تو اس کا مطلب ہوگا افشاں کو اپنے سامنے کھڑے شخص سے کوئی دور نہیں کر سکتا"۔ اس کی پلکیں جھکیں۔ اس شخص نے مسکراتے ہوئے لب بھینچ لیے۔

شمیلہ بھابھی کے دل سے دعا نکلی تھی کہ ان دونوں کے لبوں پر یوں ہی مسکراہٹ رہے۔

"کیا میں کچھ کہوں؟"۔ بشارت نے اجازت مانگی۔

"جی کہیے"۔

"میں اس کہانی کا دوسرا رخ نہیں دیکھنا چاہتا۔ میں چاہتا ہوں۔۔۔۔۔ میں چاہتا ہوں۔۔۔ کہ دیا یوں ہی جلے رہے"۔

"کون ظالم نہیں چاہتا یہ بشارت صاحب"۔ وہ مسکراتے ہوئے پلٹ گئی۔ وہ تب تک یوں ہی کھڑا رہا جب تک وہ دونوں اس کی نگاہوں سے اوجھل نہیں ہوگئیں۔ وہ دعا کرنے لگا کہ افشاں کو بشارت حسین کا کر دیا جائے۔

---**---

"صالحہ؟"۔ حیدر کی نیچے سے آواز آنے پر وہ سرپٹ نیچے دوڑی۔

"میں جا رہا ہوں شہر۔ سامان تو باندھ لیا ہوگا تم نے جاؤ لے آؤ۔ تمہیں ساتھ لے کر جاؤں گا"۔ وہ نظریں چراتا ہوا بولا۔

"کب؟"۔ اس کا چہرہ کھل اٹھا۔

"ابھی فوراً جانا ہے۔ جلدی آجاؤ جب تک میں داجی کے علم میں لے آؤں یہ بات"۔ وہ مڑنے لگا۔

"کیا تھوڑی اور دیر نہیں رک سکتے؟ میں ثریا سے مل کر جانا چاہتی ہوں"۔ دل تھا کہ بول دے "افشاں پھپھو سے بھی"، مگر ہمت نہ ہوئی۔

"نہیں میرے پاس وقت نہیں ہے۔ جلدی آجاؤ نیچے" وہ مڑے بغیر بولا اور قدم بڑھا لیے۔ وہ گہری اداس بھری نگاہوں سے اسے دیکھتے ہوئے سانسیں بھر کر زینے چڑھتی چلتی چلی گئی۔ کمرے میں پہنچ کر کچھ ضروری سامان باندھا اور نیچے اتر آئی۔

"کیا میں پھپھو کو اپنے جانے کا بھی نہیں بتا سکتی ؟"۔ وہ دکھ سے سب سے اوپری منزل کو دیکھ کر سوچنے لگی۔

"تم آگئی ؟"۔ وہ داجی کے کمرے سے باہر نکلا تھا۔

"ہاں"۔ صالحہ دھیمی آواز میں بولی۔

"چلو باہر آجاؤ"۔ اس کو اشارہ کرتے ہوئے اس نے گاڑی کی چابی اٹھائی اور باہر نکل گیا۔

مرے مرے قدموں سے اس کے پیچھے چلتے ہوئے صالحہ نے ایک بار پھر اوپری منزل کو دیکھا تھا۔

"صالحہ اگر نظارہ ہوگیا ہو تو گاڑی میں بیٹھ جاؤ مجھے شام سے پہلے پہلے کہیں پہنچنا ہے"۔ وہ معنی خیز لہجے میں کہتے ہوئے گاڑی اسٹارٹ کرنے لگا۔

"آگئی ویر"۔ اس نے قریب آکر گاڑی میں اپنا چھوٹا سا بیگ رکھا اور آگے آکر بیٹھ گئی۔

"اللہ حافظ صالحہ۔ اللہ تجھے اپنی امان میں رکھے۔ خوب مزے کرنا"۔ اوپر سے آتی آواز پر اس نے نگاہیں اٹھائیں۔ اماں اسے پہلی منزل سے ہاتھ ہلا رہی تھیں۔ اس کے لبوں پر مسکراہٹ تک نہ آئی۔ وہ نگاہیں نیچے کرلیتی اگر اسے اپنی اماں کی منزل کی اوپر والی منزل

پر ایک عورت جھانکتی نہ ملتی۔ جو اسے مسکراتے ہوئے ہاتھ ہلا رہی تھی۔ صالحہ نے مسکرا کر ہاتھ ہلایا۔

"اللہ حافظ"۔ وہ اب اور تیزی سے ہاتھ ہلا رہی تھی۔ اماں کو کچھ دیر بعد احساس ہوا کہ وہ اسے ہاتھ نہیں ہلا رہی۔ انہوں نے اس کی نظروں کا تعاقب کرتے ہوئے اوپر مڑ کر سر اٹھا کر دیکھا۔ وہ انہیں نہیں! اپنی پھپھو کو ہاتھ ہلا رہی تھی۔ ہاں! اسے اپنی ماں سے اتنی انسیت نہیں تھی جتنی اپنی پھپھو سے تھی۔ گاڑی دھواں اڑاتی آگے بڑھ چکی تھی اور وہ ایک نظر اس عورت کو دیکھ کر گاڑی کو دیکھ رہی تھیں۔

---**---

وہ نہا کر واشروم سے نکلی اور بالوں کو تولیہ میں لپیٹنے لگی۔ وہ کوئی گھنٹے پہلے ہی سو کر اٹھی تھی۔ یونیورسٹی سے چھٹی کی تھی کہ آج حیدر سے ملاقات طے پائی تھی۔ ڈھیلے ڈھالے سے ٹراؤزر پر ڈھیلی سی ٹی شرٹ پہنی ہوئی تھی۔ گھڑی پر نظر ڈالتی وہ تولیہ لپیٹتی کمرے سے باہر نکلی۔ باہر نکل کر اس نے سب سے پہلے تمام لائیٹس جلائیں۔ اسے لگا کہ وجدان دفتر میں ہے اس لیے کھٹکھٹائے بغیر اندر داخل ہو گئی۔ بستر پر لیٹا وجدان گہری نیند میں تھا۔ وہ حیران ہوئی۔ ایک دفع پھر گھڑی دیکھ کر اس نے اس کے کمرے کی لائیٹ جلائی۔ منہ پر روشنی پڑی تو وہ کسمساتا ہوا کروٹ لے گیا اور کمبل سر تک اوڑھ لیا بلکل ایک چھوٹے

سے بچے کی طرح۔ وجیہہ تھوک نگلتے ہوئے اس کے قریب آئی اور مسہری کے ساتھ ٹیک لگا کر بیٹھ گئی۔

"آپ کو آفس نہیں جانا؟"۔ آواز قدرے دھیمی تھی۔ اس سوتے وجود میں ذرا بھی ہلچل نہیں ہوئی۔ اس نے ایک بار پھر اسے آواز دی، مگر پھر بھی کوئی اثر نہیں ہوا۔ ایک دم اس کے خراٹے گونجنے لگے۔ جیا کا دل چاہا دل کھول کر ہنس دے۔ اس نے محبت سے ہاتھ آگے بڑھایا اور اس کے بازو پر ہاتھ رکھا۔ وہ ہاف سلیوز شرٹ پہنا ہوا تھا۔ ایک دم ٹھنڈا ہاتھ خود پر محسوس کیا تو تڑپ کر اٹھ بیٹھا۔ جیا بھی ٹھٹھک گئی۔ سر اٹھا کر دیکھا تو وجیہہ بیٹھی تھی۔ کچھ لمحے اسے یوں ہی دیکھ کر وہ گہری سانس لیتا ہوا اٹھ بیٹھا اور پیر بستر سے نیچے لٹکا لیے۔ وہ سانس روکے یوں ہی پیچھے بیٹھی تھی۔ وجدان کی اس کی طرف پیٹھ تھی۔

"آپ۔۔۔۔ آفس۔۔ نہیں گئے؟"۔ اس نے نگاہیں جھکا کر پوچھا۔

"چھٹی لی ہے تمہاری وجہ سے"۔ دونوں ہاتھوں سے بالوں کو سختی سے پیچھے کر کے سر تھاما۔

"ملاقات کی جگہ؟"۔ اس نے تھوک نگل کر آنکھیں جھپک کر پوچھا۔

"یہ بھی تم بتا دو! چلیے جاؤں گا تمہارے ساتھ"۔ کہتا ساتھ ایک نظر اسے دیکھتا ہوا اٹھ کھڑا ہوا۔ وارڈروب سے کپڑے نکالے اور واش روم کی طرف مڑنے لگا۔

"کچھ گرم پہن لو۔ ٹھنڈ ہو رہی ہے بیمار پر جاؤ گی"۔ سادے سے لہجے میں کہتے ہوئے وہ واش روم کا دروازہ کھولتا اندر چلا گیا۔

وجیہہ بند دروازے کو تکتی رہ گئی۔ چاہے جتنی بھی ناراضگی ہو وہ اس کی پرواہ کرنا نہیں چھوڑ سکتا تھا۔ مرے مرے قدموں سے اپنے کمرے کی جانب مڑ گئی۔

---**---

"اور کتنا وقت ویر؟"۔ وہ اب بیٹھے بیٹھے تھک چکی تھی اس لیے منہ بسور کر پوچھنے لگی۔

"بس پہنچنے والے ہیں صالحہ!"۔ کالے چشمے کے پیچھے سے دیکھتا ہوا اسے بتانے لگا۔

"ویر تم اپنے والے فلیٹ لے کر جاؤ گے نا؟"۔ اس نے قدرے اشتیاق سے پوچھا۔

"ہاں، مگر ابھی نہیں۔ ابھی مجھے کسی سے ملاقات کرنے جانا ہے"۔ اس نے گاڑی کی رفتار اور بڑھائی۔

"مجھے گھر میں اکیلا چھوڑ کر مت جانا۔ میں اکیلے کیا کروں گی؟ مجھے تو کچھ معلوم بھی نہیں"۔ وہ پریشانی سے بولی۔

"تمہیں ساتھ لے کر جا رہا ہوں۔ پہلے میں کسی سے ملاقات کروں گا۔ پھر ایک گھنٹے بعد ہم نکل آئیں گے وہاں سے۔۔۔ تم رات میں کیا کھاؤ گی صالحہ؟"۔

"جو بنے گا کھا لوں گی"۔ وہ اپنے ناخن چباتے ہوئے بولی۔

"ناخن مت چباؤ"۔ اس نے ایک ہاتھ سے اس کا ہاتھ جھڑکا۔ "چلو میں تمہیں شہر کا برگر اور اس جیسی چیزیں کھلاؤں گا"۔ اس نے صالحہ کو خوش کرنا چاہا۔

"ہاں اور وہ۔۔ وہ بھی۔۔۔ وہ کیا تھا؟ ارے وہی جو پچھلی بار کھلایا تھا"۔ وہ ذہن پر زور دینے لگی۔

"وہ پزا تھا صالحہ"۔ وہ زور سے ہنس دیا۔

"ہاں مجھے وہ کھانا ہے۔۔ کھلاؤ گے نا؟"۔ بہت ہی معصوم سی صورت بنائے وہ پوچھ رہی تھی۔

"ہاں ہاں ضرور!۔ جب تک ہم شہر میں ہیں ہم صرف وہی کھائیں گے جو صالحہ کہے گی"۔ حیدر کے یوں کہنے پر کھل اٹھی۔

"ہاں نا وہی تو۔۔۔ اب شہر کونسا ہر ہفتے جانا ہوتا ہے میرا"۔ ثریا بے چارگی سے بولی۔

"اب تو کچھ دنوں بعد تم ہمیشہ کے لیے یہیں آجاؤ گی صالحہ"۔ وہ منہ سے کہہ نہیں پایا تھا مگر دل میں ضرور دہرایا تھا۔

"ہاں تو چلو بس ایک جگہ جانا ہے پھر۔۔۔"

"کہاں ملاقات کرنی ہے؟ مطلب جگہ؟"۔ صالحہ نے بات کاٹی۔

"ہاں وہ جس سے ملاقات کرنی ہے اس کا ابھی آئے گا میسج"۔ وہ ابھی بتا ہی رہا تھا کہ فون میں بپ ہوئی.

"لگتا ہے آگیا ہے"۔ سرعت سے کہتے ہوئے موصول ہوا میسج دیکھنے لگا۔

"تو پتا چلا کہاں ہے؟"۔ اس نے چادر کا پلو دانتوں سے کھینچتے ہوئے پوچھا۔

"ریسٹورنٹ میں"۔ وہ میسج دیکھ چکا تھا اور اب موبائل جیب میں رکھ رہا تھا۔

"ریسٹوریںٹ؟"۔

"ہاں"۔

"جہاں کھانا ملتا ہے؟"۔ اس کی آنکھیں چمکیں۔

"ہاں صالحہ۔ الحمداللہ بارھویں پاس کرنے والی ہو اور یہ نہیں پڑھا کہ شہروں میں ریسٹوریںٹ ہوتے ہیں؟"۔ وہ دھیرے سے ہنسا۔

"ہاں تو پڑھا ہے لیکن دیکھا نہیں نا"۔ وہ بھی روٹھتے ہوئے بولی۔

"ارے؟ پچھلی بار شہر جب لایا تھا تو ریسٹورنٹ لے کر گیا تھا! بھول گئی کیا؟ جہاں تمہیں چمچ سے کھانے میں ذراسی پرابلم بھی ہو رہی تھی"۔ وہ پھر سے ہنس دیا تھا۔

"اوہ وہ تھارا ریسٹورنٹ۔ سمجھ گئی ہوں میں ویر۔ اب ہم شہر آ ہی گئے ہیں تو تم مجھے اپنی یونیورسٹی دکھاؤ گے نا؟۔ اور ہاں بہت سارے اسکول بھی دکھانا۔ شہر تو بڑے ہوتے ہیں اور یہاں کے اسکول بھی بڑے ہوں گے۔ مجھے دکھاؤ گے نا؟"۔ وہ اپنے دل میں جاگتی خواہشوں کو دبا نہیں پائی۔ حیدر نے گردن موڑ کر صالحہ کو دیکھا۔

"ہاں سوچ رہا ہوں تمہاری اس دفع تمام خواشات پوری کردوں۔ ہوسکتا ہے اس کے بعد تم میرے ساتھ شہر ہی نہ آسکو"۔ اس کی آواز یہ کہتے ہوئے کپکپائی تھی۔

"ہائے تو کیا میرا ویراں مجھے اگلی بار نہیں لے کر آئے گا"۔ وہ گاڑی کی سیٹ پر آلتی پالتی مار کر بیٹھی ہوئی تھی۔ یہ باتیں حیدر کو اندر سے اور خاموش کر گئی۔

"دیکھو پتا بھی نہیں چلا تمہیں اور ہم شہر میں داخل بھی ہو چکے ہیں!۔ اب تو ملاقات کی جگہ بھی دور نہیں۔ بس پانچ منٹ اور پھر ریسٹورنٹ آجائے گا"۔

حیدر کے منہ سے شہر کا نام سن کر وہ تیزی سے کھڑکی کی طرف رخ کر بیٹھ گئی اور باہر جھانکنے لگی۔ باہر سے آتی ہواؤں سے اس کا ڈوپٹہ اس کے سر سے کھسکنے لگا مگر اس نے مضبوطی سے تھام لیا۔ شہر کی روشنیاں اور سڑکوں پر شور اسے اپنی جانب متوجہ کر رہا تھا۔ حیدر کے دل پر بوجھ پڑا۔ اس نے گاڑی کی رفتار کم کرلی تاکہ صالحہ باہر کا نظارہ سکون اور آرام سے کرسکے۔ صالحہ بہت غور غور سے سب دیکھ رہی تھی جیسے پہلی بار آئی ہو۔ وہ

ارحم کا غم بھلا نہیں سکتی، مگر کوشش کر رہی تھی۔ اس کا دل ارحم کی محبت سے بھرا ہوا تھا۔ اس میں کسی تیسرے کی جگہ نہیں تھی۔ وہ مسکرا کر ایک نظر ویر کو دیکھ کر پھر سے باہر دیکھنے لگی۔ آنے والے ہر لمحوں سے بے خبر وہ کنچی آنکھوں والی اپنا اس شہر میں آنا خوش قسمتی سمجھ رہی تھی۔

___**___

"تیار ہو گئی ہو تو باہر آ جاؤ۔ میں گاڑی میں انتظار کر رہا ہوں"۔ اس کا دروازہ ناک کرتے ہوئے اسے بتاتا ہوا وہ نیچے بڑھ گیا. کالے پینٹ کوٹ پر نفاست سے بال بنائے وہ گاڑی کا دروازہ کھول کر بیٹھا۔ آج کے لیے وہ اپنا دل مردہ کر چکا تھا۔ اسے یاد آیا وجیہہ نے کہا تھا وہ اپنی بہن کو ساتھ لائے گا تا کہ وہ اسے دیکھ سکے۔ وجدان نے ہنکارا بھرا۔

"کتنا بے غیرت بھائی ہو گا جو اپنی بہن کو ایک اجنبی مرد کے سامنے نمائش کروانے لائے گا"۔ وہ کڑوے پن سے مسکرایا۔

"میں آ گئی ہوں"۔ وہ دروازہ کھولتی اس کے برابر والی سیٹ پر بیٹھ گئی۔

"کہاں جانا ہے؟"۔ اس نے گردن موڑے بغیر پوچھا۔ کھڑے نقوش اور ماتھے پر پھیلے بل اسے غصہ والا ثابت کر رہے تھے مگر وہ ایسا نہیں تھا۔ وہ اسے غور سے دیکھ رہی تھی۔ یہ واقعی سچ تھا کہ وہ ایک خوبصورت مرد تھا اور اس وقت وہ اسے عام دنوں سے زیادہ

اچھا لگ رہا تھا۔ جب جواب نہ موصول ہوا تو وجدان نے لب بھینچے جس سے اس کے ڈمپل گہرے ہوئے۔ وجیہہ ہڑبڑائی اور اسے ریسٹورنٹ کا نام بتانے لگی۔ وہ آنکھیں چھوٹی کرتے ہوئے اسٹیئرنگ کو گھورتے ہوئے پتا نوٹ کرنے لگا۔ وجیہہ پتا بتا کر کھڑکی سے باہر جھانکنے لگی۔ ایک دفع بھی مڑ کر وجیہہ کو دیکھے بغیر اس نے گاڑی چلا دی۔ بس دل اب اداس ہو چکا تھا۔ ایک اداس دل کے ساتھ ایک اداس شام!۔ اس کا دل چاہا گاڑی کی رفتار آہستہ کر لے۔ بے چینی میں بڑھتی جا رہی تھی۔ اس نے ٹیپ پر غزل لگائی۔

میں اداس راستہ ہوں شام کا۔
مجھے آہٹوں کی تلاش ہے۔
یہ ستارے سب ہیں بجھے بجھے
مجھے جگنوؤں کی تلاش ہے
یہ خوشی ہے مجھ سے خفا خفا
مجھے زندگی کی تلاش ہے
میری پیاس میں وہ طلب نہیں
مجھے تشنگی کی تلاش ہے

ایک ہجوم سا ہے رواں دواں
مجھے دوستوں کی تلاش ہے

یہ اس کے ساتھ دوسری بار تھا جب اس نے یہ غزل بھی خود پر محسوس کی۔ ایسا لگتا ہے سب اس کے لیے لکھا گیا۔ دل میں اب تکلیف ہو رہی تھی۔ کسی اپنے کی بے رخی جھیلی ہے اس دل نے۔ گاڑی سڑک پر رواں دواں تھی۔ یہ شام بھی شاید اس کی طرح ہی اداس تھی۔ وہ جانتا تھا وجیہہ اس کا کرب محسوس نہیں کر سکتی۔ وہ اس جیسی محبت نہیں کر سکتی۔

---**---

DON'TCOPYPASTEWITHOUTMYPERMISSION...

زنجیر از قلم عینا بیگ

قسط ۷

"بس اور نہیں ویر! اب تو میں تھک گئی ہوں۔ کب تک پہنچیں گے ؟"۔ وہ اکتا کر پہلو بدل کر بولی۔

حیدر نے گاڑی ایک بڑے ریسٹورینٹ کے سامنے روکی۔

"ہم پہنچ گئے ہیں صالحہ"۔ وہ مسکراتا ہوا بولا۔

صالحہ اور وہ دونوں ساتھ ہی اپنی اپنی سائیڈ سے اترے۔

"کہاں جانا ہے اب؟"۔ وہ فکرمندی سے بولی۔ حیدر گھومتا ہوا اس کی سمت آیا اور اس کا ہاتھ تھام کر سڑک پار کرنے لگا۔

"مضبوطی سے تھام لو مجھے ویر۔ ورنہ میں کسی کی گاڑی کے نیچے آجاؤں گی"۔ اس کے ساتھ شانہ بشانہ چلنے کی کوشش کرتے ہوئے کہہ رہی تھی۔

حیدر نے اسے اور مضبوطی سے تھام لیا۔

"میرے ساتھ چلو"۔ اس کو آگے کرتے ہوئے وہ دونوں اب ساتھ سڑک پار کر رہے تھے۔ رش اس سڑک بہت زیادہ تھا۔ حیدر نے اس کا ہاتھ ریسٹورینٹ کے باہر چھوڑا تھا۔

"میں اپنی چادر ٹھیک کرلوں پھر اندر چلیں گے"۔ اس نے جلدی سے اپنی چادر ٹھیک کی اور ایک ہاتھ سے چادر سے چہرے کو چھپایا۔ اب اس کی صرف آنکھیں نظر آرہی تھیں۔

حیدر اس دیکھتا ہوا اثبات میں سر ہلاتا اندر کی طرف بڑھ گیا۔ وہ اس کے پیچھے پیچھے آنے لگی۔ لوگوں کا ایک ہجوم ریسٹورینٹ میں موجود تھا۔ وہ اپنے پردے کی فکر کرتے ہوئے

ایک ہاتھ سے چہرہ ڈھانپے جلدی جلدی اس کے پیچھے آ رہی تھی۔ حیدر رک کر کسی کو ڈھونڈنے لگا۔ وہ اسے دیکھ نہ پائی اور تیزی سے اس سے ٹکرا گئی۔ حیدر گلاسز اترتا پیچھے مڑا۔

"ویر مجھے ساتھ لے کر چلو ورنہ میں کھو جاؤں گی"۔ وہ روہانسی ہوگئی۔ حیدر کے دل میں کچھ ہوا اور اس نے تیزی سے اس کا ہاتھ پکڑ لیا۔

"میرے ساتھ چلو! آ جاؤ"۔ اسے تھامتے ہوئے وہ ہجوم سے نکلتا ہوا اسے ایک میز پر لے آیا جہاں پہلے ہی دو لوگ بیٹھے تھے۔ اس نے صالحہ کا ہاتھ چھوڑا اور سامنے بیٹھے شخص سے ہاتھ ملانے کے لیے ہاتھ آگے بڑھایا۔ سامنے بیٹھے شخص نے بھی بھنویں اچکا کر ہاتھ آگے بڑھایا۔ حیدر چھوٹتے پسینے کے ساتھ کرسی پر بیٹھا۔ صالحہ اس کے پیچھے ہی کھڑی رہی۔

"بیٹھ جاؤ صالحہ"۔ اس نے صالحہ کو کھڑا دیکھا تو اس کے لیے بیٹھے بیٹھے ہی کرسی کھینچی۔ وہ سامنے بیٹھے دو نفوس کو دیکھ کر تھوڑی خوفزدہ اور حیران ہو رہی تھی۔ وجدان نے اسے دیکھنے سے گریز کیا۔ وہ بس حیدر کو سپاٹ لہجے میں تک رہا تھا۔ صالحہ نے کپکپاتے ہاتھوں سے کرسی پکڑی اور اس پر بیٹھتی چلی گئی۔ حیدر کے مقابل بیٹھی وجیہہ نے صالحہ کی طرف خوش اسلوبی سے ہاتھ آگے بڑھایا جسے اس نے کچھ گھبرا کر پکڑا۔

"یہ کون ہیں"۔ اس نے حیرانی اور الجھے لہجے سے برابر بیٹھے حیدر سے پوچھا۔

"یہ وجدان ہیں اور یہ جیا۔۔۔ مطلب۔۔ وجیہہ ہیں۔ انہیں سے ملاقات کرنی تھی مجھے"۔ وہ زبردستی مسکراتا ہوا سپاٹ بیٹھا وجدان کو دیکھ کر بولا۔

"تو کیسے ہیں حیدر بٹ"۔ اس نے سر تا پیر اسے دیکھا۔ جیا نے بھائی کو ایک نظر دیکھ کر سامنے حیدر کو دیکھا۔

"میں ٹھیک ہوں۔ آپ کیسے ہیں؟"۔ اس نے اپنے آپ کو کمزور نہ کرنے کے لیے گلاسز اتار کر سامنے رکھے اور پھیل کر بیٹھ گیا۔

"دو تین دن پہلے تک بہت حد ٹھیک تھا"۔ وہ بہت کچھ کہہ گیا تھا۔ "خیر ہم باتوں کی طرف آتے ہیں"۔ وجدان نے گہری نگاہوں سے اسے دیکھا۔ اتنے میں ویٹر قریب آیا جسے حیدر نے روک دیا اور بعد میں آنے کو کہا۔

"جی بلکل! ہماری ملاقات اس لیے ہی طے پائی تھی"۔ اس نے خود کو ریلکس کرتے ہوئے جواب دیا۔

"کیا وٹہ سٹہ ہی اس مسلہ کا حل ہے؟"۔ اس نے بھنویں اچکا کر حیدر سے پوچھا۔

"یہ کوئی مسلہ نہیں ہے! میری خوشی ہے بھائی"۔ جیا تڑپ کر بولی۔

www.urdunovelsmania.com

"خوشی تمہاری ہے وجیھہ! میرا تو مسلہ ہے۔ جب بڑے بات کر رہے ہو تو درمیان میں نہیں بولتے۔ مجھے بات کرنے دو حیدر سے"۔

حیدر نے لب بھینچے۔

"یہی ایک حل ہے۔ حویلی میں بغیر وٹہ سٹہ کی شادی نہیں ہوتی"۔ اس نے وجدان کی آنکھوں میں جھانکنا چاہا کہ وہ چاہا کیا ہے۔ صالحہ بے چین ہوئی بیٹھی ان کی گفتگو سمجھنے سے قاصر تھی۔۔ اس نے اب بھی اپنے چہرے کو مکمل ڈھانپا ہوا تھا۔

کچھ دیر کی خاموشی چھا گئی۔

"تو اور کیا مراحلوں سے مجھے گزرنا پڑے گا؟"۔ وہ تھوک نگلتا ہوا کچھ دیر بعد بولا۔

"آپ کو حویلی آنا ہوگا اور۔۔۔۔" وہ صالحہ کی موجودگی کی وجہ سے خاموش ہوگیا۔

"ادھوری باتیں کرنے کے بجائے آپ اپنا جملہ مکمل کرلیں"۔ وجدان کی بات پر حیدر نے لمبی سانس لی۔

"اور رشتہ مانگنا ہوگا۔ جب تک میں حویلی میں اس سب کے متلعق بتا دوں گا"۔ وہ صالحہ کی طرف دیکھنے سے گریز کرنے لگا۔ صالحہ نے حویلی کا نام سنا تو حیرت سے اسے دیکھنے لگی۔ اسے گھبراہٹ ہونے لگی۔

"ویر مجھے یہاں سے جانا ہے"۔ وہ منمناتے ہوئے بولی اس کا بازو پکڑتے ہوئے بولی۔

وجدان کی نظریں صالحہ کی طرف اٹھی اور وہ خود کو اسے دیکھنے سے روک نہ پایا۔ کنجی آنکھیں اور اس پر گہرا کاجل۔ وہ آنکھیں دیکھ کر ہی ساکت ہو گیا تھا مگر جلد ہی خود کا سنبھال بھی لیا۔

"تھوڑی دیر رک جاؤ صالحہ! ہم چلتے ہیں"۔ اس نے صالحہ کا ہاتھ سہلایا۔

"مجھے وقت اور دن بتا دے گا۔ میں آجاؤں گا"۔ وجدان نے ٹھہرے ہوئے لہجے میں کہا۔

"یہ صالحہ ہے۔ میری بہن"۔ اس نے صالحہ کی طرف اشارہ۔

"اور صالحہ یہ وجیہہ ہے۔۔ میری یونیورسٹی میں پڑھتی ہے اور یہ اس کا بھائی ہے۔ نام وجدان قریشی"۔ اور صالحہ حیران ہوتی ان دونوں کو دیکھتے ہوئے سوچ رہی تھی کہ اس کی یونیورسٹی میں پڑھنے والی لڑکی اور اس کے بھائی سے کیوں ملاقات کر رہا ہے اور اسے کیوں تعارف کروا رہا ہے۔

وجدان نے صالحہ کو دیکھا، مگر پھر نظریں چرا گیا۔ وہ اب حیدر کو دیکھ رہا تھا۔ اس کی مردانگی کو داد دے رہا تھا کہ کیسا بھائی ہے یہ!

"خیر! میں اب اجازت چاہتا ہوں۔ مجھے بتا دے گا کہ کب آنا ہے حویلی۔ ہو سکتا ہے آپ سوچ رہے ہوں کہ میں نے آپ کے بارے میں کچھ جاننے کی کوشش نہیں کی تو میں

بتادوں اس سب مجھے دلچسپی نہیں۔ اور اگر کچھ الٹا سیدھا بھی نکل ہی آتا ہے تو وجیہہ نے کونسی میری سن لینی ہے۔ میں نہیں چاہتا کہ میرا دل اب تھوڑا اور بھی دکھے۔ فیصلہ تو یہ کر چکی ہے۔ میری کوئی بات یا تکلیف اب اس کے آگے معنی نہیں رکھتی۔ چلو وجیہہ "۔ وہ تلخی سے کہہ رہا تھا یا دکھ سے! وہ سمجھ نہ پایا۔ وجیہہ کا دل کٹ کر رہ گیا اور صالحہ تو الجھے ذہن کے ساتھ ہی بیٹھی تھی۔

ایک نظر حیدر کو دیکھ کر وجیہہ اپنا پرس اٹھاتی وجدان کے پیچھے چلی گئی۔

"یہ کیا ہو رہا ہے؟"۔ صالحہ نے اب کی بار اسے مکمل طور پر جھنجھوڑ ڈالا۔

"ہ۔ ہاں؟ وہ۔۔ کچھ نہیں آجاؤ چلو!" وہ گڑبڑاتا ہوا اٹھ کھڑا ہوا۔ وہ تیزی سے اس کے پیچھے پیچھے جا رہی تھی۔ ایک بار پھر لوگوں کے ہجوم کو چیرتی ہوئی وہ باہر نکلی تھی۔ کھلے آسمان کے نیچے کھڑے ہو کر اس نے لمبی سانس ہوا میں چھوڑی گویا جو وحشت اسے اندر ہو رہی تھی وہ ہوا میں تحلیل ہو گئی۔

ابھی وہ کچھ کہتی کہ حیدر نے اس کا ہاتھ پکڑا اور سڑک پار کرنے لگا۔ یہ سب کچھ اچانک ہو رہا تھا۔ ایسے میں وہ ایک ہاتھ سے اپنا چہرہ چادر سے بمشکل چھپاتی اس کے پیچھے کھنچی چلی جا رہی تھی۔ حیدر اس کا ہاتھ چھوڑنے پر قطعی رضامند نہ تھا۔ صالحہ کا "میں کھو جاؤں گی" والی بات اسے اور سہما گئی تھی۔ ایسے میں سڑک کے اس پار کھڑا وہ شخص جو گاڑی میں

بیٹھنے کے لیے دروازہ کھول رہا تھا اس کی نگاہ صالحہ کی جانب اٹھی۔ ایک جھٹکے سے صالحہ کی ہاتھوں کی گرفت اپنی چادر پر ڈھیلی ہوئی اور اس کا چہرہ بے پردہ ہو گیا۔ یہ وہ لمحہ تھا جب وجدان نے اس کا چہرہ نا چاہتے ہوئے دیکھ لیا تھا۔ ایک بار پھر دیکھیں اس نے کنچی آنکھیں اور اوپر سے کاجل۔۔۔ ایک گہرا تل اس کے دائیں گال پر تھا۔ وجدان کی دھڑکنیں تیز ہوئیں۔ اس نے اپنی نظریں نا چاہتے ہوئے جھکائیں۔

"بھائی؟"۔ گاڑی سے وجیہہ کی آواز آئی تو وہ ہڑبڑاتا ہوا جواب دیتا گاڑی میں بیٹھ گیا۔

گاڑی میں چابی گھماتے ہوئے وہ مسلسل سامنے دیکھ رہا تھا جہاں صالحہ نے اپنا چہرہ پھر ڈھانپ لیا تھا اور اب گاڑی میں بیٹھ رہا تھا۔

یہ آج تیسرا دن تھا جو وہ درشہوار کی یاد کے بغیر گزار رہا تھا۔

"بھائی کیسا لگا آپ کو حیدر؟"۔ وجیہہ کی آواز اس کو واپس کھینچ لائی۔

"ہاں؟ کون؟"۔ وہ ہڑبڑایا۔

"میں حیدر کی بات کر رہی ہوں"۔ اسے تھوڑا عجیب محسوس ہوا۔ وہ گاڑی اسٹارٹ کر چکا تھا اور اب گردن موڑے وجیہہ کو دیکھ رہا تھا۔

"جو اپنی بہن کا دیدار کسی غیر مرد کو کروانے لائے اس کے بارے میں کچھ اچھا سننا پسند کرو گی یا برا؟"۔ اس کا لہجہ قطعی سخت نہ تھا اور نہ وہ طنز کر رہا تھا۔ عام سے لہجے میں ماتھے پر بل

ڈالے اب وہ سامنے دیکھ رہا تھا۔ وہ وہاں نہیں تھیں اور نہ اس کی گاڑی۔ دن ڈھل رہا تھا اور اب اندھیرہ چھا جانے کی دیر تھی۔

"وہ آپ کے لیے ہی لایا تھا اسے اور آپ اسے برا کہہ رہے ہیں"۔ وجیہہ نخوت سے بولی۔ وجدان کو حیرانی ہوئی۔

"میں بھی تو ایک بہن کا بھائی ہوں۔ میں اپنی گردن کٹوا سکتا ہوں مگر اپنی بہن کو کسی غیر محرم کے سامنے نمائش نہیں کروانے لا سکتا۔ اس لڑکی کے تاثر اور رویے سے لگ رہا تھا کہ وہ اپنے بھائی کی ان چالوں سے واقف نہیں۔ اپنے آپ کو اس کی جگہ رکھ کر سوچو! دل نہ کانپے تو بتانا۔۔۔" منہ پھیر کر آخری جملہ کہتے ہوئے اس نے گاڑی آگے بڑھائی۔

وجیہہ خاموش ہو گئی۔ وہ غلط نہیں کہہ رہا تھا۔ وہ نظریں پل بھر میں جھکا گئی۔ وجدان کا دل چاہا اس خوبصورت موسم میں ایک بار پھر ٹیپ چلا دے مگر اس کے دل میں پہلے ہی ہول اٹھ رہا تھا۔ اسے اسے ان کنچی آنکھوں کا خیال بار بار آ رہا تھا۔ کالی چادر کا چہرے سے سر کنے یاد آیا تو وہ سر جھٹک گیا۔ وہ اپنا چہرہ ڈھانپی ہوئی تھی۔ وجدان کو برا لگ رہا تھا۔ وہ خود کو مکمل ڈھانپے ہوئی تھی اور وجدان نے اسے دیکھ لیا تھا۔ اسے نہیں دیکھنا چاہیئے تھا۔ اگر وہ چادر سے پردہ کر رہی تھی تو اسے نظر کا پردہ کر لینا چاہییے تھا۔

"وہ کب تک ہیں یہاں؟"۔ اس نے وجیہہ سے پوچھنا چاہا۔

"شاید ایک دو دن تک!"۔ وجیہہ جو کھڑکی سے باہر جھانک رہی تھی اس نے سوچ کر جواب دیا۔ وجدان نے اثبات میں سر ہلایا اور سامنے دیکھتے ہوئے گاڑی چلانے لگا۔ دن ڈھل رہا تھا اور ٹھنڈ بڑھ رہی تھی۔ سانس چھوڑتے ہوئے دھوؤاں منہ سے نکل رہا تھا۔ اسے اپنا آپ اس بھرے شہر میں تنہا لگنے لگا۔ اسے لگا وہ تنہا سفر کر رہا ہے ایک اجنبی شہر میں! کسی خیال کے تحت اس نے گاڑی چلاتے چلاتے باہر کی جانب دیکھا تو اسے کچھ ایسا دکھا کہ دیکھتا چلا گیا۔ ایک شخص اپنے چھوٹے سے بچے کو سینے سے لگائے جا رہا ہے۔ اس کی کمر پر ساتھ ساتھ تھپک بھی رہا ہے جیسے اسے سلا رہا ہو۔ ساتھ چلتی اس بچے کی ماں نے بے اختیار اپنا ہاتھ اس کے بالوں میں پھیرا۔ وجدان کو لگا جیسے وہ اس بچے کی جگہ ہو اور اس کے ماں باپ اس کو بہلاتے تھپتھپاتے ہوئے آگے بڑھ رہے تھے۔ وہ باہر کا نظارا دیکھنے میں اتنا محو تھا کہ سامنے نہیں دیکھ رہا تھا۔ ان کا ایکسیڈنٹ ہو جاتا اگر وہ اچانک بریک نہ لگاتا۔

گاڑی کو بریک لگاتے ہوئے خیال آیا کہ وجیہہ نے سیٹ بیلٹ نہیں پہنی ہوئی۔ بریک لگا اور وجیہہ کہ ماتھے پر ہاتھ رکھ کر اس کو پیچھے کھینچا۔ اس سب میں وہ تو سامنے سے ٹکرا گیا مگر وجیہہ بچ گئی۔ وجیہہ کا سر ڈیش بورڈ سے لگتا اگر وجدان اپنا ہاتھ اس کے ماتھے پر نہ رکھتا۔ اس سب میں بھی وہ وجیہہ کو نہ بھولا تھا۔ وہ جھٹکا اتنا زور کا نہیں تھا مگر جب وجدان کا سر سامنے لگا تو وجیہہ چیخ اٹھی۔

"بھائی" ۔ اس نے اسے ہلانا چاہا مگر وہ ویسے ہی سامنے کی طرف جھکا ہوا تھا۔ اس کے دل میں یکدم خدشہ پھیل گیا۔ وہ اٹھ کیوں نہیں رہا تھا۔ وجیہہ کو خوف محسوس ہونے لگا۔ تنہائی آڑے آگئی۔ اسے لگا وہ تنہا ہوگئی ہے۔ قریب تھا کہ آنکھوں کے سامنے اندھیرہ چھا جاتا کہ وجدان نے سر اٹھایا اور گاڑی اسٹارٹ کرنے لگا۔ سر جھٹکنے کی وجہ سے اس کے بال ماتھے پر آ گئے تھے۔ وجیہہ کی جان میں جان آئی۔ اس نے لپک کر بھائی کو کندھے سے پکڑا اور چہرہ اپنی جانب گھمایا۔ ماتھے سے تھوڑا تھوڑا خون بہہ رہا تھا۔ لوگ آس پاس دیکھنے کو جمع ہونے لگے۔

"تم ٹھیک ہو؟ کہاں لگی چوٹ؟ ہسپتال جانے کی ضرورت تو نہیں؟" ۔ وجدان نے الٹا اس پر سوالات کی بوچھاڑ کردی۔

"مجھے کچھ نہیں ہوا، مگر آپ کی بلیڈنگ ہو رہی ہے۔ ہسپتال کی طرف موڑلیں گاڑی" ۔ اس نے پریشانی سے کہا اور اس کے زخم کو دیکھنے لگی۔ لوگ جمع ہوتے جا رہے تھے۔ وجدان نے گاڑی سے باہر ہاتھ نکال کر اشارہ دیا کہ سب ٹھیک ہے اور گاڑی آگے بڑھالی۔

"نہیں۔ زیادہ چوٹ نہیں ہے بے حد معمولی سی ہے۔ اب ہمیں گھر چلنا چاہیئے" ۔ اس نے مختصراً بتایا اور گاڑی چلانے لگا۔ وجیہہ ششدر رہ گئی۔

"تو پھر اٹھنے میں دیر کیوں لگی؟"۔ اس کے دماغ میں کچھ باتیں کھٹکنے لگی۔

"دل نہیں چاہ رہا تھا حقیقت میں واپس آنے کا۔ خیر گھر آ گیا ہے"۔ وہ گاڑی کو بریک لگاتا ہوا بولا۔

وجیہہ نے اسے تکتی رہ گئی۔

---**---

"وہ کون تھے اور تم ان سے کیوں مل رہے تھے"۔ وہ اپنا چھوٹا سا بیگ گاڑی کے پیچھے والی سیٹوں سے نکالتی ہوئی پوچھنے لگی۔

حیدر نے گاڑی سے اتر کر گلاسز اتاریں۔

"تم جان جاؤ گی آہستہ آہستہ"۔ چلتا ہوا اس کی طرف آیا اور اس کا ہینڈ بیگ کندھے پر ڈالتا اس کا ہاتھ تھامتا اندر بڑھ گیا۔ صالحہ کو اس کا یوں ہاتھ تھامنا اچھا لگا تھا۔ وہ اس کے پیچھے ایسے آرہی تھی جیسے کسی بھٹکی ہوئی چھوٹی بچی کو آسرا مل گیا ہو۔ وہ ایک بڑے گھر میں اس کا ہاتھ تھامے داخل ہوا۔ وہ گھر مکمل طور پر اندھیرے میں ڈوبا ہوا تھا۔

"یہ تمہارے گھر پر تالا کیوں ڈلا ہوا تھا ویر؟"۔ وہ اس کے ہاتھ سے اپنا ہاتھ چھڑاتی لاؤنج کے صوفے پر اپنا چھوٹا بیگ اس کے کندھے سے اتار کر رکھنے بڑھی۔

"گر جاؤ گی صالحہ اندھیرہ ہے! میں چل تو رہا ہوں ساتھ تمہارے! پھر بیگ کیوں اتارا میرے کندھے سے؟"۔ وہ ماتھے پر بل ڈال کر گھورتے ہوئے بولا۔

"آپ کے کندھے درد کر جاتے جبھی اتار لیا"۔

اس کے جواب نے حیدر کے قدم جکڑ لیے۔ وہ تھوڑی دیر کے لیے وہی کھڑا رہا۔ وہ یہ سوچ رہا تھا کہ اسے وہ بیگ تھامے تو پانچ منٹ بھی نہیں ہوئے تھے۔

"یہ اندھیرا کیوں ہے ویر؟"۔ صالحہ کے ماتھے پر الجھی لکیریں نمودار ہوئیں۔

"ہرا بھرتا دن کے اندر خوف ہوتا کہ اسے ڈھلنا بھی ہے۔ اندھیرہ پھیلنا بھی"۔ اس کا لہجہ کچھ الگ تھا۔ وہ پلٹ کر اس کی آنکھوں میں بنا کوئی تاثر دیے تکنے لگی۔ حیدر نے اس کی کنچی آنکھوں میں دیکھا۔ وہ وہی ساکت کھڑا تھا اور یہاں صالحہ الجھی!۔ وہ ابھی کچھ کہنے ہی لگی تھی کہ حیدر نے ہڑبڑا کر پلکیں جھپکیں۔

"اندھیرہ؟ اندھیرہ تو ہونا ہی صالحہ ہم نے بتیاں نہیں جلائیں گھر کی۔ اور تالا؟ تالا اس لیے ڈالا تھا میں نے کیونکہ میں اسے یوں چھوڑ کر گاؤں نہیں آسکتا تھا۔ شہر میں چوریوں اور ڈکیتیوں کا بہت ذیادہ خدشہ ہوتا ہے"۔ وہ اپنے آپ کو ریلیکس کرتا ہوا گھر کی چابیاں جیب میں ڈالتا لاؤنج میں بڑھنے لگا۔ مگر صالحہ کی آنکھیں وہیں جمی رہ گئیں جہاں کھڑے ہو کر اس نے وہ بات کی تھی۔ حیدر نے لائیٹ جلائی اور گھر کا وہ حصہ روشن ہو گیا۔

"کہاں ہو صالحہ؟ پیچھے کہاں رہ گئی؟ آؤ دیکھو لاؤنج میں آکر۔ جب تم پچھلی بار آئی تھی تو یہ صوفہ دیوار کے ساتھ لگا تھا مگر اس کے بعد میں نے اس کی جگہ تبدیل کر دی تھی۔ یہ کالے صوفے تمہیں پسند ہیں نا؟ یہ دیکھو"۔ وہ لاؤنج میں کھڑا اسے آوز دیتا رہا، مگر جب وہ نہ آئی تو اس کا ہاتھ پکڑتا اندر لے آیا۔ وہ بھی اس کے پیچھے چلتی چلی گئی۔

"تمہیں اپنے کمرے کا رستہ یاد ہے نا؟ یا پھر وہ بھی بھول گئی"۔ وہ مسکراتا ہوا اس سے پوچھ رہا تھا۔

"ہاں مجھے یاد ہے ویر"۔ وہ زبردستی مسکرائی۔ یہ گھر بھی حویلی والوں نے خرید رکھا تھا۔ جب بھی کوئی حویلی کا مرد شہر پڑھنے آتا تو وہ اسی گھر میں رہا کرتا۔ جیسے شازل، مگر چونکہ وہ اب تھوڑا کم شہر آتا تھا اس لیے یہ گھر تقریباً حیدر نے ہی سنبھالا ہوا تھا۔

"کیا کھاؤ گی؟"۔ اس نے صوفے پر گرنے کے انداز پر بیٹھتے ہوئے پوچھا۔

"کچھ بھی کھا لوں گی"۔ وہ کھڑی رہی۔

"چلو میں ایسا کرتا ہوں رات کے لیے کچھ ہلکا پھلکا آرڈر کر لیتا ہوں۔ ورنہ ذیادہ کھانے سے بدہظمی ہو جائے گی"۔ وہ اٹھ کر اس کو اپنے پیچھے آنے کا اشارہ کرتے ہوئے آگے بڑھنے لگا۔

"ہاں ٹھیک تو کہہ رہے ہیں"۔ وہ بیگ کندھے پر ڈالے ساتھ ساتھ چل کر اپنے کمرے میں آ گئی۔

"میں نے ملازم سے کھلوا کر تمہارا کمرہ صاف کروا دیا تھا۔ تم آرام کرو جب تک کھانا نہیں آجاتا۔ میں کھانا اپنے ہی کمرے میں کھاؤں گا کیونکہ مجھے کل یونیورسٹی جانا ہے اور اسائمنٹ بھی جمع کروانا ہے"۔ وہ مسکراتا ہوا اسے کہتا دروازہ بند کرتا باہر نکل آیا۔ یہ کمرہ دوسری منزل پر تعمیر تھا۔

اندر بستر پر بیٹھی صالحہ نے گہری سانس ہوا میں چھوڑ کر بیگ کھولا۔ اس کا موڈ یکدم بدل گیا تھا۔ اسے اب پھپھو اور ارحم کی یاد آرہی تھی۔ اس کے کمرے میں ایک بڑی کھڑکی تھی جسے اس نے بہت مشکل سے کھولا۔ کھڑکی کے کھلتے ہی تیز ہوا اس کے جسم کو چھوتی ہوئی آگے بڑھی۔ اسے کپکپی چڑھنے لگی تو وہ جلدی سے اپنے ساتھ لائی موٹی شال اوڑھنے لگی۔ باہر ٹریفک کی وجہ سے بہت شور تھا۔ وہ کھڑکی کے پاس آکر دونوں ہاتھوں کی کہنیاں کھڑکی پر ٹکا کر آسمان دیکھنے لگی۔ رات بڑھتی جارہی تھی اور دھند میں اضافہ ہوتا جارہا تھا۔ اسے افشاں پھپھو کی یاد آنے لگی۔

"انہوں نے کھانا کھایا بھی کہ نہیں؟ کیا کسی نے ان کو پوچھا ہوگا میرے بعد؟۔ وہ تو میرے بغیر کھانا بھی نہیں کھاتیں"۔ وہ خود سے بڑبڑاتی اور پریشان ہونے لگی۔ وہ آج کی رات یونہی کھڑکی کے پاس کھڑے رہ کر گزارنا چاہتی تھی۔۔۔۔

---**---

گھنے بال چہرے کو ڈھانپے ہوئے تھے۔ وہ چنچل لڑکی مسکراتے ہوئے اسے ہی دیکھ رہی تھی۔ اس کے لمبے کمر تک بال ہمیشہ اس کی خوبصورتی کی وجہ رہے تھے۔ اس نے وہ تصویر میز پر رکھی اور دوسری اٹھائی۔ وہ دوسری تصویر میں عام سا پیلا جوڑا پہنی ہوئی تھی۔ لمبی گھنی پلکیں نیچے کو جھکی ہوئی تھی اور رخسار ہلکے گلابی ہورہے تھے۔

"تم پیلے جوڑے میں بہت خوبصورت لگتی ہو"۔ وہ دل کی بات اسے بتا رہا تھا۔

"اس بات کا علم مجھے ہے"۔ وہ اکڑ سے کہتی مگر پھر خود ہی ہنسنے لگتی۔

"ہاں تمہیں پتا ہونا چاہیے کہ تم کتنی خوبصورت ہو۔۔۔ تم کتنی اچھی ہو اور۔۔۔۔۔"

"بس کردو۔۔۔۔ کہیں نظر نہ لگ جائے"۔ وہ بات کاٹتی خود پر ناز کرنے لگی۔

"تمہیں میری نظر نہیں لگے گی شہوار"۔ وہ اس کی آنکھوں میں اپنے لیے اپنائیت ڈھونڈ رہا تھا مگر اس کی آنکھوں میں اس کے لیے کچھ نہ تھا۔

وہ لمحے یاد آتے ہی وہ ایک بار پھر اذیت سے گزرنے لگا۔ اس کو اپنے دل میں درد محسوس ہوا۔

یادیں ٹوٹیں اور وہ چلتا ہوا آئینہ کے سامنے آ کھڑا ہوا۔ سرد ہوائیں اسے کپکپانے پر مجبور کر رہی تھیں مگر اس نے ایک نظر موٹی جیکٹ کو دیکھا اور پھر سے آئینہ دیکھنے لگا۔ اس کی پیشانی پر لگا وہ زخم جس پر کچھ دیر پہلے تک خون بہہ رہا تھا اب جم چکا تھا۔ بال بکھرے ہوئے اور آنکھیں خمار آلود۔ بکھری شیو جسے اس نے ایک ہفتے سے نہیں بنائی تھی۔

"تمہاری محبت میرے اندر تک جڑیں پھیلا رہی ہے شہوار!۔مجھے خود سے دور مت کرنا! ورنہ میں مرجاؤں گا"۔

اسے باتوں کے ساتھ ساحلِ سمندر کی تیز ہوائیں اور ڈوبتا سورج بھی یاد آیا۔

"محبت میں کون مرتا ہے وجدان قریشی؟"۔ تیز ہوا کے باعث اس کے بال ہوائیں لہرا رہے تھے۔ وجدان کی آنکھیں پھٹی تھیں اور اس نے جھٹکے سے گردن موڑ کر اسے دیکھا۔ آنکھیں حیرت اور بے یقینی سے پھٹنے کو تھیں مگر نگاہیں جس پر تھیں وہ شخص خاموشی کا لبادہ اوڑھے سامنے کو دیکھ رہا تھا۔

"مگر یہ محبت شدت اختیار کر چکی ہے"۔ وہ اپنی محبت پر شک برداشت نہیں کر سکتا تھا۔ وہ اپنی محبت کو قتل ہوتے نہیں دیکھ سکتا تھا۔

"یہ بات ابھی سمجھ نہیں آئے گی تمہیں وجدان۔ مگر کبھی نہ کبھی"۔ اس کا آنچل ہوا لہرا رہا تھا اور وہ اسے بمشکل قابو کر رہی تھیں۔

اور حال میں کھڑے وجدان قریشی کو اب سمجھ آیا کہ ہاں وہ ٹھیک ہی تھی۔

بھلا محبت میں بھی کوئی مرتا ہے؟۔ اگر کوئی محبت میں مرتا تو آج وہ یقیناً زندہ نہ ہوتا۔ ہاں وہ ٹھیک کہتی تھی۔

مگر۔۔۔ مگر نہ تو میرے دل سے محبت مر رہی ہے اور نہ مجھے مار رہی ہے۔۔۔

نہیں۔۔۔! ہاں وہ مجھے مار رہی ہے! اندر سے! وہ مجھے اندر سے مار رہی ہے اور روز مارتی ہے جب میں اس کا چہرہ تصویروں میں دیکھتا ہوں۔

زید ایسا کیوں کہتا ہے؟ وہ یہ کیوں کہتا ہے کہ اس نے صرف میری دولت سے محبت کی تھی۔ بھلا کوئی صرف دولت کے لیے کسی انسان سے شادی کرنے کا وعدہ کیسے کر سکتا ہے؟۔ اس نے آئینے میں اپنا عکس دیکھ کر لب بھینچے تو اس کے ڈمپل گہرے ہوئے۔

اسے یاد آیا کہ کچھ مہینوں پہلے جب زید اس پر خوب چلایا تھا۔۔۔

"یہ ایک طرفہ محبت ہے وجدان! ایک طرفہ! تمہاری طرف سے! وہ تمہیں نہیں چاہتی تھی یہ بات کیوں نہیں مان لیتے؟؟؟؟" وہ چیخ رہا تھا اور وجدان اس کے اس انداز پر جی جان سے

مسکرایا تھا۔ یہ وہ مسکراہٹ تھی جس کی شروعات میں وہ کھل کر مسکرایا تھا مگر یہ مدھم پھیکی مسکراہٹ سے ہوئی تھی۔ اب بھلا وہ زید کو کیا بتاتا کہ وہ اب جان چکا ہے کہ وہ ایک طرفہ ہی محبت تھی۔ مگر ہاں کیا کہتے ہیں؟؟۔ وہ ایک لفظ۔۔۔ "تسلی"۔۔ خود کو تسلی دینا بھی تو کوئی چیز ہوتی ہے۔

وہ اب کچھ اور سوچنے لگا۔

میں کسی سے محبت کرتا ہوں مگر شادی کسی اور سے کر رہا ہوں!۔ تو کیا میں اس کے ساتھ خوش رہ پاؤں گا؟۔ نہیں۔۔۔۔مجھے یہ نہیں کہنا چاہیے!۔ کیا وہ میرے ساتھ خوش رہ پائے گی؟ اس کے ساتھ بھی زبردستی ہو رہی ہے۔ جس کا اسے ابھی علم نہیں شاید!۔ کیا وہ ایک ایسے انسان کے ساتھ رہ پائے گی جو اپنا دل کسی کو پہلے ہی دے چکا ہے؟۔ جس کا دل ہر طرح کے جذبات سے خالی ہے؟۔ کیا اس کو ایسے شخص ملے گا جو پہلے ہی کسی کو دل دے چکا ہے؟۔ کیا وہ اس کی خواہشات پوری نہیں کر سکے گا؟۔ اور سب سے مشکل سوال۔۔۔۔۔۔کیا وہ اس سے اظہارِ محبت نہیں کرے گا؟۔

اس کی سانسیں گہری ہونے لگی اور دل زور سے دھڑکنے لگا تو اس نے اپنا سینہ مسلا۔

"یعنی ایک جان نہیں دو جان برباد ہوں گی! ایک اس کی اور صالحہ کی"۔

وہ کیا کرے اب ؟۔ وہ کیسے روکے وجیہہ کو کہ اپنے بھائی کے ساتھ ساتھ کسی کی بہن کا دل نہ دکھاؤ! زندگی نہ برباد کرو ہماری!۔ میں تو مکمل ٹوٹ چکا ہوں اور اذیت جانتا ہوں۔ اس چھوٹی سی لڑکی کا دل نہ توڑو۔ ایسا نہ کرو کہ اسے رشتوں پر سے اعتبار ہی اٹھ جائے۔ وہ چھوٹی لڑکی اپنے بھائی سے ہی نفرت کرنے لگے جس نے اپنی خواہش کے لیے اسے کسی سے شادی کرنے پر مجبور کیا۔ اس نے اس چھوٹی لڑکی کی آنکھوں میں جھانکا ہے۔۔۔ نہیں خدارا! وہ بہت معصوم ہے۔۔۔ وہ یہ تکلیف کیسے برداشت کرے گی۔ میں تو اس کا ہم عمر بھی نہیں!۔ وہ اب اپنی چھوڑ کر اس کے لیے پریشان ہونے لگا۔

دھیرے دھیرے چلتا ہوا باہر ٹیرس پر آگیا۔ کھلے آسمان پر دھند کا ڈیرا تھا۔ اس نے آسمان کی طرف چہرہ کیا۔

دھند کے باوجود چاند ہلکا روشن تھا۔

ایک بار پھر یہ چاند اور میں تنہا تھے۔

تنہائی مٹتے کیوں نہیں مٹ جاتی ؟۔

پہلے ماں باپ چھوڑ گئے۔۔۔ پھر اس کی محبت۔۔۔ اور پھر سے میں تنہا ہونے جارہا ہوں۔

وہ جیا کی شادی خوشی خوشی حیدر سے کر دیتا اگر وہ یوں اسے قربان کرنے کا نہیں کہتی۔ اگر جیا کی خوشی کے بدلے اسے قربان ہونا تھا تو وہ کچھ نہیں کہے گا۔ جہاں اتنے سال اپنی خوشی

کے لیے کچھ نہیں کیا وہاں کچھ اور سال ایسے ہی گزار لے گا۔۔۔ وہ اسے خوش رکھنے کی کوشش کرے گا مگر۔۔۔۔ وہ سوچتے سوچتے رک گیا۔۔۔

ہاں وہ کوشش کرے گا!۔ وہ کوشش ضرور کرے گا۔

اس نے اپنی نم ہوتی آنکھوں کو سختی بند کرلیا۔ حقیقت دیکھنے کا دل نہیں اب اور۔۔۔۔!

---**---

وہ آدھی رات کو باورچی خانے سے پانی پی کر پلٹی تھیں کہ کسی کی اچانک موجودگی سے یکدم گھبرائیں۔ جب مقابل کھڑے شخص نے ہاتھ میں پکڑی لالٹین کو اپنے چہرے کے سامنے کیا تو ان کی تھوڑی ہمت بندھی۔

"آپ؟۔۔۔مجھے اچانک یوں آکر ڈرادیا"۔ وہ اب آس پاس دیکھ رہی تھیں کہ کوئی موجود تو نہیں۔

"اب تو عادی ہوجانا چاہیئے آپ کو شمیلہ بھابھی"۔ وہ ذیادہ بڑی عمر شخص نہیں تھا مگر چہرے پر پختگی تھی۔

"کیوں آئیں ہیں شاہ جی؟۔ آپ کو کتنی دفعہ خبر دار کیا ہے یوں نہ آیا کریں رات کو۔ حویلی میں کسی نے دیکھ لیا تو وہ سب جان جائیں گے"۔ وہ چہرہ ڈھانپے ہوئی خوفزدہ تھیں کہ کوئی انہیں دیکھ نہ لے۔

"یہ آپ مجھ سے پوچھ رہی ہیں کہ میں کیوں آیا ہوں؟۔ آپ تو سب جانتی ہیں نا۔ کتنے سال گزر گئے شمیلہ بھابھی۔ مگر میری خواہش میں ذرہ برابر فرق نہیں آیا"۔ وہ لالٹین میز پر رکھتا انہیں دیکھ کر بولا۔

"آپ کی تو محبت میں بھی فرق نظر نہیں آتا مجھے"۔ لہجہ کچھ عجیب سا تھا مگر وہ سمجھ گیا۔

"وہ لڑکی میری زندگی کی خوشی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ آج اپنی زندگی کے کتنے سال اس حویلی میں یہ سوچ کر گزار دیے کہ کبھی اس سے بات کرنے کا موقع ملے گا۔ کبھی اسے اپنا بنانے کا موقع ملے گا شمیلہ بھابھی"۔ ایک آس تھی اس کی باتوں میں۔ کیا شخص تھا جس کی امید ختم ہونے کا نام نہیں لے رہی تھی۔

"وہ اب لڑکی نہیں رہی شاہ جی!۔ اس کا چہرہ اب ڈھل رہا ہے۔ مجبوریاں تو حسن بھی ڈھال دیتی ہیں اور اس کے ساتھ بھی یہی ہو رہا ہے۔ اس کو دیکھ کر محسوس ہوتا ہے کہ میں ایک

مردے کو دیکھ رہی ہوں۔ شاہ جی۔۔۔ وہ ماضی والی نہیں رہی۔۔۔"۔ ان کی آواز تر ہوگئی تھی یہ سب بتاتے بتاتے۔۔۔

"وہ لڑکی ہی ہے میرے لیے شمیلہ بھابھی۔۔۔ آخری بار اسے۔۔۔ اسے میں نے۔۔۔ ک۔ کب دیکھا تھا کچھ یاد ہے آپ کو؟ کتنے سال ہو گئے شمیلہ بھابھی اسے دیکھے ہوئے؟؟ انگلیوں پر گنے سالوں کو۔۔۔ گننے کو انگلیاں کم نہ پڑیں تو بتائیے گا۔ آپ کے ہی تو ہاتھ میں اس کا ہاتھ تھا جب میں نے اسے دیکھا۔ عزت و احترام سے میری نگاہیں اٹھ نہیں رہی تھیں مگر دیکھنے کی چاہ بھی تو دل میں چھپائی ہوئی تھی۔ وہ آخری دن تھا جس دن میں نے اسے دیکھا۔۔۔ پھر وہ دیا۔۔۔ وہ دیا شمیلہ بھابھی۔۔۔ وہ دیا۔۔۔ کہاں ہے وہ دیا جس کا ذکر وہ اپنی باتوں میں کرتی تھی۔۔۔ وہ دیا بجھ گیا نا۔۔۔ میں اس دن کا انتظار شدت سے کر رہا تھا جب وہ بھاگتی ہوئے میرے پاس آتی اور ہاتھ میں پرچا پکڑا کر خود کو چادر میں ڈھانپ کر کہتی۔۔۔

"لیں۔۔۔ پڑھیں بشارت حسین۔۔۔"۔ اور میں؟؟ میں کپکپاتا اسے کھولتے ہوئے۔ اور وہ کہتی "گھبرائیے نہیں۔ وہ دیا جلتا رہے گا"۔۔۔

مگر ایسا کیوں نہیں ہوا شمیلہ بھابھی۔۔ کیوں اس کی جگہ ایک ملازم بھاگتا ہوا آیا اور اس نے مجھے پرچا پکڑایا۔ میں اسے نظروں سے ڈھونڈتا رہ گیا مگر وہ نظر نہ آئی۔ حیرانی سے وہ پرچا

کھولا تو۔۔۔ پتا چلا کہ وہ دیا تو بجھ چکا ہے۔۔۔ اس خط میں مجھے سختی سے تنبیہ کی گئی تھی کہ میں یہ گاؤں چھوڑ دوں ورنہ مجھے ماردیں گے یہ لوگ۔۔۔ وہ خط۔۔۔ وہ۔۔۔ خط اس لڑکی نے لکھا تھا جس کے لیے میں تڑپتا رہا۔۔۔ میں خوف سے بھاگ جاتا گاؤں چھوڑ کر اگر مجھے اس کنچی آنکھوں والی لڑکی سے محبت نہ ہوتی۔ ملازم نے مجھ سے کہا تھا کہ وہ حویلی والے آپ کی تلاش میں ہیں مگر یہ اچھا ہے میرے لیے کہ انہوں نے مجھے کبھی دیکھا نہیں اس لیے پہچاننے میں مشکل ہوگی۔ میں بھاگا نہیں بلکہ ایک ہفتے کے اندر اندر بہت مشکلوں سے حویلی آیا۔۔۔ میں نے سوچا تھا کہ ایسے اس سے بات کرنا آسان ہو جائے گا اس لیے جو ملازم میرے پاس خط لے کر آتا تھا اس نے میری سفارش کروا کر میری نوکری یہاں لگوادی۔ کبھی سوچا ہے ایک اتنے بڑے باپ جس نے دھن دولت میں نام کمایا ہوا ہو اس کا بیٹا حویلی والوں کا باورچی کیوں بنا؟ کتنے سال ہو گئے مجھے یہاں پر اس سوال کا جواب میرے چہرے پر موجود جھریاں بتائیں گی آپ کو۔۔۔ صرف ایک دفعہ بات کرنے دیں۔ خدارا۔۔۔ کتنے سال ہو گئے یہ خواہش آپ کے قدموں میں رکھتے رکھتے"۔ آنکھوں سے آنسو ٹپک کر اس کے گالوں پر بہہ رہے تھے۔ وہ شخص اتنے سالوں میں پہلی بار تھک کر رو یا تھا۔ شمیلہ بھابھی کا دل کٹ گیا۔۔۔

www.urdunovelsmania.com

"وہ بول نہیں سکتی شاہ جی۔ اس سے گفتگو کیسے کریں گے آپ؟"۔ گیلی آواز کے ساتھ وہ پوچھ رہی تھیں۔

"تو کیا ہوا؟ محبوب کی تو خاموشی بھی سننے کی لائق ہوتی ہے۔ میں اس سے ملنا چاہتا ہوں۔۔۔ میری نگاہیں اس کے چہرے پر نہ اٹھیں گی مگر میرے لیے یہ ہی بہت ہے کہ وہ میرے سامنے ہے۔۔۔ اتنے سالوں میں کیا اسے میری موجودگی کا بھی علم نہیں ہوا؟۔ جو اس امید پر اب تک زندہ ہے کہ ایک دن وہ اسے مل جائے گی۔ میں اب بھی اس کی ہی چاہ رکھتا ہوں۔ میرے دل میں اسے اپنا محرم بنانے کی اب بھی چاہ ہے۔ جوانی گزار دی اس حویلی میں۔۔۔ خواہش اب بھی ہے دل میں کہ بڑھاپا اس کے ساتھ گزارنا چاہتا ہوں"۔ وہ باتیں دہراتے دہراتے تھک چکا تھا اس لیے چپ ہو گیا۔

"اسے بے زبان کر دیا گیا تھا تمہاری غیر موجودگی میں۔ میں جانتی ہوں جب وہ بری طرح تڑپ رہی تھی اپنی زبان کی تکلیف کی وجہ سے۔ جب وہ بے زبان ہو چکی تھی اس کے بعد ہی اس نے خط لے کر سب سے چھپا کر ملازم کو آپ کی طرف بھیجا تھا۔ اتنی تکلیف میں بھی اس عورت کو آپ کی ہی فکر ہی تھی شاہ جی۔ اس کی بے زبانی کی وجہ اس کی بغاوت ثابت ہوئی تھی۔ وہ اس حویلی کی آج تک کی آنے والی نسلوں میں پہلی عورت تھی جس نے اپنے باپ کے سامنے کھڑے ہو کر کہا تھا کہ وہ اس پر ناحق ظلم نہیں کر سکتے۔۔ اس نے کہا تھا وہ

اسی نکاح نامہ پر دستخط کرے گی جس پر نام بشارت حسین کا درج ہوگا۔ اس حویلی میں پہلی بار ایک عورت پوری قوت سے چیخی تھی صرف اپنے حق لیے!۔ صرف اس لیے کہ اس کی شادی وہاں کروائی جائے جہاں اس کی رضامندی ہے۔ باقی باپ کی ہر بات ہر کہا مانتی تھی بس۔۔۔ یہ نہ مان سکی۔۔۔ اس شوخ، چنچل، معصوم اور اپنی زندگی میں رہنے والی لڑکی کو ہمیشہ کے لیے خاموش کر دیا تھا۔ میں نے دیکھا تھا جب داجی نے اپنی ہی بیٹی کے منہ میں وہ جلتا ہوا انگارا ڈالا تھا۔ وہ تڑپ رہی تھی معافی مانگ رہی تھی۔ بھلا سوچو حویلی کے کسی عورت کے منہ سے غیر شخص کا نام سن کر حویلی کے مرد خاموش رہ سکتے ہیں کیا؟۔ خون بہنے لگا منہ سے مگر داجی کا دل نہیں پگھلا۔ وہی رسم و رواج کی دیوار اس کے اوپر گر گئی اور اسے اسی کے کمرے میں تنہا پھینک دیا گیا۔ سب سے لاڈلی تھی وہ اس حویلی کی اور آج کسی کو اس کی موجودگی یا غیر موجودگی کی بھی پرواہ نہیں بشارت حسین"۔

وہ سن رہا تھا یہ داستان اور دل تکلیف کر رہا تھا۔ محبت جان لے رہی تھی اس کی اور وہ مر بھی نہیں رہا تھا۔ ایسا نہیں تھا کہ وہ یہ باتیں جانتا نہیں تھا۔۔۔ وہ سب جانتا تھا مگر ہر بار یہ داستان سنتے ہوئے اس کی روح کانپتی تھی۔۔۔ وہ بات ختم کر کے اب اسے تک رہی تھیں۔

"شاہ جی چلے جائیں۔ ابھی بہت رات بھی ہوگئی ہے"۔ وہ چادر سے آنسو پونچھتی اوپر مڑ گئیں کہ اب اور سکت نہ تھی اور کچھ کہنے کی۔۔۔

۔۔۔**۔۔۔

DON'TCOPYPASTEWITHOUTMYPERMISSION.

زنجیر از قلم عینا بیگ

قسط ۸

"چائے بنا میرے لیے"۔ سمیعہ تائی نے بے وقت چاہے کا حکم دیا۔ وہ جو تھک کر کچن کی دیوار سے پشت لگائے زمین پر سوئی بیٹھی تھی جلدی سے اٹھ کھڑی ہوئی۔ پوری رات کی جاگی ہوئی تھی اور ابھی تھوڑی دیر پہلے ہی آنکھ لگی تھی۔ ٹھنڈ سے اس کی رنگت سفید ہو رہی تھی۔ وہ جلدی جلدی ہاتھ چلانے لگی۔ فجر کی آذان شروع ہوئی تو اس نے اپنا پھٹا ہوا ڈوپٹہ سر پر رکھ لیا۔ ٹھنڈی پانی میں ہاتھ ڈالنے کا سوچ کر ہی اس کا دل کانپ اٹھا مگر چائے بنانے کے لیے تو یہ سب کرنا ہی تھا۔ ماحول میں خاموشی چھائی ہوئی تھی۔ اس نے پتیلی میں پانی ڈال کر چولہے پر چڑھایا اور پتی نکالنے لگی۔ پتی کے لیے کیبنٹ کھولا تو وہ کیبنٹ کے اوپر والے حصے میں رکھی تھی۔ اس نے نکالنے کی کوشش کرنی چاہی، مگر اس کا ہاتھ

نہ پہنچا۔ پیچھے سے کوئی اندر داخل ہوا تھا مگر اب رک کر اسے دیکھ رہا تھا۔ تھوڑا سا اچھل کر ہاتھ بڑھانا چاہا مگر بے سود۔ وہ ابھی پریشانی میں کھڑی پتی لینے کا کوئی اور طریقہ سوچ ہی رہی تھی کہ کسی نے ہاتھ بڑھا کر وہ پتی سلیب پر رکھی۔ رفاہ سہم کر جھٹکے سے مڑی تو اس سے ٹکراتے ٹکراتے بچی۔ وہ اسے ماتھے پر بل ڈال کر دیکھتا مڑا۔ سلیب سے پانی کا گلاس اٹھایا اور پانی پینے لگا۔ رفاہ کا خون خشک ہو گیا تھا۔ اس نے اسے کھانے کی میز پر دیکھا تھا مگر اس کا نام نہیں جانتی تھی۔ حویلی کے آدھے سے زیادہ مرد اور عورتوں کے نام بھی اسے پتا نہیں تھے۔

"شرجیل تو آج زمین پر جائے گا؟"۔ سمیعہ تائی کی آواز پر وہ پانی پیتے پیتے رکا۔ رفاہ کا چہرہ سفید لٹھے کی مانند ہوا۔ تو کیا یہ شرجیل تھا؟۔

"جی تائی"۔ کہہ کر پانی منہ انڈیلا اور ایک نظر اسے دیکھتا باہر نکل گیا۔

رفاہ کا رخ چولہے کی طرف تھا۔ اس کا دل کانپ اٹھا تھا یہ جان کر کہ وہ "اس" شخص کے نکاح میں ہے۔ چہرے سے وہ بہت غصے والا اور سخت لگتا تھا۔ لمبا چوڑا وہ شخص چہرے کے تاثرات سے ہی جابر لگ رہا تھا۔ چہرے پر ہلکی مونچھے تھیں بلاشبہ اسے پہلی نظر میں وہ بے حد ہینڈسم لگا مگر اسے شرجیل کی خوبصورتی کا کیا کرنا تھا؟ وہ تو ونی تھی۔ وہ چہرہ اسے یاد

آیا تو اس کا دل زور سے دھک دھک کرنے لگا۔ اس نے کانپتے ہاتھوں سے پتی ڈال کر تھوڑی دیر بعد دودھ بھی ڈال دیا۔

"چائے بنی؟"۔ تائی کی زوردار آواز پر وہ جلدی جلدی کپ میں چائے نکالنے لگی۔

"آگئی۔ گئی ہے چائے"۔ ٹرے میں چائے سجاتی وہ لاؤنج میں آگئی۔ سمیعہ تائی کے برابر میں شرجیل بیٹھا ہوا تھا۔ اس کو دیکھ کر ایک دم اس کا ہاتھ کانپا اور چائے کی ٹرے زمین پر گر گئی۔ چائے کا کپ اس کے پاؤں پر گر کر ٹوٹا۔ گرم کھولتی ہوئی چائے اس کے پاؤں پر لگی اور وہ اس کی تکلیف سے چیخنے لگی اور ہاتھ سے منہ کو دبا لیا۔ شرجیل آنکھیں پھاڑے اس کی حالت دیکھ رہا تھا۔ وہ ابھی دیکھ ہی رہا تھا کہ سمیعہ تائی اٹھیں اور اسے بالوں سے پکڑ کر دو چانٹے لگائے۔ وہ پہلے ہی تکلیف سے دہری ہو رہی تھی اب تڑپ ہی اٹھی۔ پاؤں میں کانچ چھبنے کے باعث خوب بہہ رہا تھا اور سمیعہ تائی سب چیزوں سے بے خبر اسے مار رہی تھیں۔ شرجیل کی پلکیں کانپیں۔

"سلیقہ ہے تجھے؟۔ ایک چائے کا کپ مانگا تھا وہ بھی توڑ دیا۔ تیرا باپ ہمارے در پر تجھ کو چھوڑ کر گیا ہے۔۔۔ تیرا کوئی نہیں ہے یہاں! جان سے مار دیں گے اود خبر تک نہ ہونے دیں گے ہم"۔ وہ ہر جملہ پر اسے ایک نہ ایک تھپڑ ضرور مار رہی تھیں۔ اس کے بال تائی کے ہاتھ میں تھے اور وہ اسے کھینچ رہی تھیں۔ شرجیل ہاتھ میں پانی کا گلاس تھامے اسے

www.urdunovelsmania.com

یوں ہی بغیر پلک جھپکے دیکھ رہا تھا۔ وہ یونہی دیکھتا رہا جب تم اسے لگا وہ دیکھ سکتا ہے۔ مگر پھر وہ منہ پھیر کر اٹھ کھڑا ہوا۔ جب تک تائی کا دل نہیں بھرا وہ ان کے قابو میں رہی تھی۔ اس کا قصور صرف اتنا تھا کہ وہ ارحم کے قاتل کی بہن تھی۔ وہ جا چکا تھا اور سمیعہ بھی مار مار کر تھک چکی تھیں۔ ان کی آنکھیں اب گیلی ہو کر لال ہو رہی تھی۔ وہ وہیں زمین پر پڑی رہی کہ اب سکت بھی نہ تھی اٹھنے کی۔ کوئی پانچ منٹ بعد کسی کے قدموں کی چاپ محسوس ہوئی۔ رفاہ آنکھیں ایک طرف جمائے سن پڑی تھی۔ کوئی اس پر تیزی سے جھکا تھا اور اسے دونوں ہاتھوں سے کھینچتے ہوئے کوارٹر کی طرف لے جانے لگا۔ اس نے جاننے کی کوشش کرنی چاہی مگر بے سود۔ اس کے جسم کا ہر حصہ تکلیف کر رہا تھا۔ وہ جو کوئی بھی تھا دونوں ہاتھوں سے اسے کھینچتا چلا جا رہا تھا۔ اس کے اپنے ہی رشتوں نے اسے تکلیف دی تھی۔ وہ تکلیف مار کھانے کی تکلیف سے بہت زیادہ تھی۔ یہاں رواج نہ تھا "ظلم کے خلاف" آواز اٹھانے کا۔۔۔

---**---

"چلو اٹھو صالحہ! جلدی سے اٹھ جاؤ۔ تمہیں شہر کی سیر کراتا ہوں"۔ وہ اس کا دروازہ مستقل بجا رہا تھا کیونکہ وہ سمجھ رہا تھا کہ صالحہ سو رہی ہے۔ جائے نماز پر بیٹھی صالحہ اٹھ کر دروازہ کھولنے بڑھی۔ دروازہ کھولا تو حیدر نکھرا نکھرا تیار کھڑا تھا۔

"تم اٹھی ہوئی ہو؟"۔ وہ حیران ہوا مگر جلد ہی مسکرادیا۔

"ہاں میں نماز پڑھ رہی تھی"۔ اس نے دروازہ پورا کھول کر زمین پر بچھی جائے نماز دکھائی۔

اسے دیکھ کر وہ سر ہلاتا ہوا اندر آگیا۔

"اچھا ہے۔۔۔ تو چلو جاؤ کچھ گرم پہنو اور باہر آجاؤ۔۔۔ میں نیچے جا رہا ہوں"۔ حیدر مسکراتا ہوا باہر نکلنے لگا۔

"مگر آپ کو یونیورسٹی نہیں جانا تھا ویر؟"۔ اسے اچانک یاد آیا۔

"نہیں میں کل چلا جاؤں گا۔۔۔ سوچ رہا ہوں آج تمہیں پورا شہر گھماؤں"۔ وہ چابی گھماتا ہوا بولا۔

urdu novels mania
www.urdunovelsmania.com

"پھر ابھی بنا لیتی ہوں میں"۔ وہ کچن جانے کے لیے نکلنے لگی مگر حیدر نے روک لیا۔

"ناشتہ بھی باہر کریں گے۔ اب جلدی سے چلو"۔ وہ بستر سے اس کی شال اور سوئیٹر اٹھاتا اسے لے کر نیچے جانے لگا۔

"ارے مجھے چادر تو ٹھیک سے پہننے دیں"۔ وہ خود کو چھڑانے کی کوشش کرنے لگی۔

"جب میں گاڑی میں چابی لگاؤں گا تب تک تم خود کو ٹھیک کرلینا۔۔۔ ویسے بہت ٹھنڈ ہے صالحہ یہاں"۔ وہ اس کا ہاتھ پکڑتا تیزی سے زینے اتر رہا تھا اور صالحہ ہنستے ہوئے سنبھل کر اترنے کی کوشش کررہی تھی۔

---**---

"یہاں بہت ٹھنڈ ہے ویر"۔ وہ ہر پانچ منٹ بعد ایک ہی جملہ دہرا رہی تھی حالانکہ صالحہ نے ایک سوئٹر، شال کے ساتھ ساتھ حیدر کی جیکٹ بھی پہن رکھی تھی۔ حیدر نے اپنی جیکٹ اتار کر خود اسے پہنائی تھی۔ صالحہ کے لیے وہ لمحہ بہت خوبصورت تھا جب اس کے ویر نے اپنی پرواہ چھوڑ کر اس کی پرواہ کی تھی۔

"ارے ابھی وہ دو کپ چائے لائے گا صالحہ۔ دیکھنا پھر نہیں لگے گی سردی"۔

وہ ایک چھوٹا سا ہوٹل تھا جس کے باہر تخت لگے تھے۔ اکا دکا لوگ تھے جو دوسرے تخت بیٹھے اخبار پڑھ رہے تھے۔ اس علاقے میں آبادی کم محسوس ہوتی تھی۔

"اوئے چھوٹے! جلدی لے آ"۔ حیدر نے آواز لگائی۔ صالحہ خود کو بہت محفوظ محسوس کررہی تھی۔ اسے کسی قسم کا خوف نہیں تھا کیونکہ اس کا ویر اس کے پاس تھا۔ وہ شہر اس کی ذمہ داری پر آئی تھی۔ تخت پر آلتی پالتی مار کر بیٹھی صالحہ نے چہرہ چادر سے چھپایا ہوا تھا۔ یہ کھلا علاقہ تھا اور دور تک آبادی نظر نہیں آرہی تھی۔ تھوڑی دیر میں ایک چنوٹے

بچے نے ان کے تخت پر چائے اور ناشتہ رکھا۔ صالحہ نے اس بچے کو بہت غور سے دیکھا۔ وہ بچہ دبلا پتلا سا تھا مگر موٹے سوئٹر میں صحت مند لگ رہا تھا۔ گلے میں مفلر پہنے ہوئے، بال بکھرے ہوئے تھے۔ ناک سردی کے باعث لال ہو رہی تھی۔ اسے وہ بچہ بہت پیارا لگا۔ اس نے بڑھ کر اس کا گال پکڑا اور ہلکا سا کھینچا۔ صالحہ نے اپنے پرس نما بیگ سے نکال کر اسے کچھ پیسے آگے بڑھائے جسے اس نے کچھ شرماتے ہوئے پکڑ لیے۔ حیدر ان دونوں کو صرف تھا جا رہا تھا۔ وہ بچہ واپس اپنی چھوٹے سے ہوٹل میں جا چکا تھا۔ مگر صالحہ کو وہ سامنے کھڑا نظر آ رہا تھا۔ وہ اب بھی اسے ہی دیکھ رہی تھی۔

"صالحہ تمہاری چائے ٹھنڈی ہو جائے گی"۔ حیدر نے اپنی چائے لبوں سے لگاتے ہوئے کہا۔ وہ مسکرا دی اور اپنی پلیٹ کی طرف بڑھی۔

"مجھے اپنی یونیورسٹی دکھائیں گے نا؟"۔ اسے یاد آیا تو وہ چمک پر پوچھنے لگی۔

"ہاں مگر آج نہیں! کل ہماری واپسی ہے گاؤں میں تو اس سے پہلے کل اپنا اسائمنٹ جمع کروانے جاؤں گا۔ تم بھی چلنا اور یونیورسٹی دیکھ لینا"۔ وہ بات کے آخر میں مسکرایا۔

"اور پھر کل آپ مجھے اسکول بھی دکھائے گا"۔ وہ خوش ہو گئی تھی۔۔۔

"ضرور!"۔ اس نے پراٹھے توڑ کر منہ میں ڈالا۔ صالحہ نے چائے کا گھونٹ بھرا اور اپنے دائیں طرف آسمان دیکھا۔ کھلے آسمان کے نیچے کھڑے ہو کر اسے لگا وہ آزاد ہے

یہاں۔۔۔ایک آزاد پنچھی کی طرح۔۔۔جہاں نہ حویلی والوں کی سختیاں ہیں نہ پیروں میں ان کے ہاتھوں سے باندھی گئیں زنجیر۔ وہ جب حویلی سے نکلی تھی تو اسے محسوس ہوا تھا کہ اس کے پاؤں میں بندھی زنجیر کسی نے کھول دی ہو۔ اسے محسوس ہوا تھا کہ اب وہ جو چاہے کر سکتی ہے۔۔۔

"اب ہم کہاں جائیں گے ؟"۔ اسے حیدر سے باتیں کرنا اچھا لگ رہا تھا۔

"جہنم ".وہ چڑ کر بولا۔

"کیوں ؟"۔ وہ اپنی دونوں بھنویں آپس میں ملا کر بولی۔

"وہاں بھنا ہوا گوشت ملے گا"۔ وہ بھی گھور کر بولا۔

"ویرررر۔۔۔ صحیح بتائیں"۔ وہ جھنجھلا کر اس کی ٹانگ پر ہاتھ مار کر بولی تو وہ ہنسنے لگا۔

"فمھیں بتاؤں ہم کہاں جائیں گے ؟"۔ وہ اس کا صبر آزما رہا تھا۔

"ہاں"۔ وہ چمک کر بولی تو وہ تخت پر کھڑا ہو گیا۔۔

"ہم جائیں گے دامنِ کوہ کی چوٹی پر موجود مونال ریسٹورینٹ"۔ وہ اس خاموش ماحول میں ہاتھ پھیلا کر زور آواز سے بولا تو اس کی آواز گونجی اور پلٹ کر آئی۔ صالحہ کو یہ سب اتنا اچھا لگا کہ وہ سامنے کو تکتی رہی جہاں سے آواز پلٹ رہی تھی۔ حیدر نے ہاتھ پکڑ کر اسے بھی تخت پر اپنے برابر کھڑا کیا۔

"اور پھر کہاں جائیں گے؟"۔ اسے اچھا لگنے لگا تو حیدر کا بازو پکڑ لیا۔

"ہم مونال ریسٹورینٹ شام میں جائیں گے۔۔۔ جب تک اسلام آباد گھوماؤں گا تمہیں"۔ وہ اس کے گرد حصار قائم کرتا ہوا بولا۔ اس کے کندھے پر ہاتھ رکھ اسے خود سے قریب کیا۔

"ایک بات کہوں؟"۔ وہ نظریں اٹھا کر اجازت مانگنے لگی۔۔۔

چہرے پر معصومیت سجائے وہ اتنے پیار سے پوچھ رہی تھی کہ حیدر نے اس کی پیشانی چوم لی۔۔۔ وہ بھائی کو حیرت سے دیکھتی رہ گئی۔

"ایسے دیکھ رہی ہو جیسے کبھی پیار نہیں کیا"۔ وہ سر جھٹک کر ہنس کر بولا۔

"ہاں مگر ایسے تو کبھی پیار نہیں کیا"۔ وہ ہنستے ہوئے اس کے اور قریب ہوگئی۔

"تو کر تو دیا آج؟ اگر اب بولی کچھ تو تمہیں کھائی سے پھینک دوں گا"۔ وہ قہقہہ لگاتا ہوا اس کو کھینچتا ہوا اور وہ "نہیں نہیں" کرتی کھینچی چلی جارہی تھی۔

"آؤ تمہیں پھینکوں کھائی میں"۔ وہ اسے مستقل کھینچ رہا تھا اور وہ چیخ رہی تھی۔

"نہیں بولوں گی اب نہیں بولوں گی"۔ جب اس نے یہ کہا تو حیدر نے اسے چھوڑ دیا۔۔۔ وہ ہر ممکنا کوشش کر رہا تھا کہ وہ ارحم کو بھول جائے۔

"ویر میرا دل چاہ رہا ہے میں یہاں پر ہی رہ جاؤں"۔ اس نے چہرہ آسمان کی طرف کر کے کہا۔

"اسی لیے کھائی میں پھینکنے کی آفر دے رہا تھا۔ پھر تم یہیں رہ جاتی"۔ وہ ہنستا ہوا شرارتاً بولا۔

"میں مذاق نہیں کر رہی"۔ وہ اپنی لال ہوتی چھوٹی ناک رگڑتے ہوئے بولی۔

"وہ دیکھو ویر۔۔۔ سورج ابھرتا کتنا اچھا لگ رہا ہے"۔ اس کی بات پر حیدر نے سر اٹھا کر سامنے کے منظر کو دیکھا۔ ہاں واقعی دل موہ لینے والا منظر تھا۔ وہ حیرت سے منہ کھولے سامنے دیکھی جا رہی تھی۔ جب اس کا منہ حیرت سے زیادہ کھلا تو حیدر کو مستی سوجی اور اس نے اپنے پینٹ سے ٹشو نکال کر اس کے منہ میں ٹھونس دیا۔ یہ سب اچانک تھا کہ وہ کچھ سمجھ ہی نہ پائی۔ حیدر ہنستا ہوا بھاگنے لگا۔ اسے ایک دم غصہ چڑھا اور وہ منہ سے ٹشو نکال کر پھینکتی اس کے پیچھے بھاگی۔ وہ نہیں جانتی وہ کب تک اس کے پیچھے بھاگتی رہی اور کتنا دور آگئی۔ آخر دو، تین منٹ بعد جب حیدر کو لگا وہ لوگ کافی آگے آ گئے ہیں اور جگہ کافی سنسان ہے تو وہ رک گیا، مگر وہ نہیں رکی۔ وہ بھاگتے ہوئے اس کے قریب آرہی تھی کہ حیدر نے ہاتھ کے اشارے سے اسے روکا۔ وہ بھی رک گئی اور سانسیں بحال کرنے لگی۔۔۔

حیدر واپس آیا اور اس کی کمر تھپتھانے لگا۔

"ہم بہت دور نکل آئیں ہیں صالحہ۔۔۔ اب واپس بھی پیدل چلنا ہوگا گاڑی تک!"۔ اس نے دور کھڑی گاڑی جو چھوٹی سی نظر آرہی تھی اس کی طرف اشارہ کیا۔ صالحہ کی ٹانگیں دکھنے لگیں۔

"ہائے ے ے ے۔۔۔۔ اب مجھے نہیں جانا۔۔۔ ایک کام کرتے ہیں ویر! ایسا کرتی ہوں میں روڈ پر بیٹھ جاتی ہوں جب تک آپ گاڑی تک جائیں اور یہاں تک لے آئیں"۔

وہ میسنی شکل بناتی ہوئی نیچے بیٹھ ہی رہی تھی کہ حیدر نے اسے بازو سے پکڑ کر اٹھایا۔

"میری شکل پر بے وقوف لکھا ہے؟"۔ وہ اسے گھورتا ہوا کھینچنے لگا۔

"اچھا اچھا چل رہی ہوں"۔ وہ اس کے ساتھ جلدی جلدی چلنے لگی۔

"کب تک پہنچے گے؟؟"۔ تھوڑی دیر بعد وہ تھک گئی تو اکتا کر بولی۔

"بس بس دوپہر تک رک جاؤ پہنچ جائیں گے"۔ وہ اس کے تاثرات نوٹ کرتے ہوئے اس کا ہاتھ تھامے آگے بڑھ رہا تھا۔

"میں تھک گئی ہوں"۔ وہ بیزاریت سے بولی۔۔

"آؤ چلتے چلتے ہاتھ جھلاتے ہیں"۔ وہ جو اس کا ہاتھ تھامے ہوا تھا، جھلانے لگا۔ وہ دور سے کوئی بچھڑے یار لگ رہے تھے۔ صالحہ کی ہنسی رکنے میں نہیں آرہی تھی۔

"ہوٹل والے انکل کہیں گے یہ دونوں پاگل ہو گئے ہیں"۔ وہ قہقہہ لگاتے ہوئے بولی۔۔۔

"ارے تو کیا ہوا۔۔ ہمیں صرف خود کو دیکھنا ہے۔۔۔ آؤ چلو! اب دیکھو ہم گاڑی سے بے حد قریب ہیں۔ دیکھتے ہیں سب سے پہلے کون بھاگ کر گاڑی کو چھوتا ہے"۔ انہوں نے ایک دوسروں کو تالی ماری اور بھاگنے لگے۔۔۔

حیدر صالحہ کا یہ دن یادگار بنانا چاہتا تھا۔ وہ چاہتا تھا کہ بعد میں جب بھی صالحہ کو اس کی یاد آئے تو وہ اس دن کا سوچ کر مسکرا دے۔۔۔

وہ جانتا تھا کہ وہ جو کچھ کرنے والا ہے اس کے بعد صالحہ کو رنج بھی ہوگا اور ہو سکتا ہے وہ حیدر سے ہر تعلق توڑ لے۔ یہ بھی کوئی نہیں جانتا کہ اس کی شادی کے بعد وہ اس سے ملاقات کرتی ہے کہ نہیں۔۔۔ وہ آہستہ بھاگنے لگا تاکہ صالحہ جیت جائے!۔ اور یہی ہوا۔۔ وہ جیت گئی اور خود سے ہی اپنی جیت پر خوشی سے تالیاں بجانے لگی۔۔۔

"ویر ہار گیا"۔ اس نے بلند آواز میں کہا تھا وادی گونج اٹھی۔۔۔ آواز پلٹ کر آنے لگی اور حیدر گاڑی سے ٹیک لگائے مسکراتے ہوئے اسے دیکھنے لگا۔۔۔

مستقبل کا سوچ کر اسے تکلیف ہو رہی تھی۔۔ وہ اسے اپنے ویر کی موجودگی میں خود کو محفوظ محسوس کر رہی تھی۔ اسے لگا وہ ایسا نہیں کر پائے گا۔۔۔

وہ اس چھوٹی سی لڑکی کو زندگی کا دوسرا رخ نہیں دکھا پائے گا۔ اس کی آنکھیں نم ہونے لگیں تو وہ جلدی سے بات بدلنے کے لیے بولا۔

"گول گپے کھاؤ گی؟"۔

"ہاں"۔ وہ تیزی سے اثبات میں سر ہلاتی بولی۔

"چلو تمہیں وہ بھی کھلائیں گے لیکن اب جلدی سے گاڑی میں آکر بیٹھ جاؤ! بہت ہوگیا۔۔۔"۔ وہ اس سے اتنا زیادہ فری پہلی بار ہوا تھا۔ صالحہ نے اسے دیکھا اور مسکرا کر گاڑی میں آ بیٹھی۔ یہ کونسی جگہ ہے ویر؟"۔ وہ وہی رہ جانا چاہتی تھی اس لیے پوچھنے لگی۔

"کیوں؟ میں نہیں بتاؤں گا ورنہ تم میرے بغیر یہاں آجاؤ گی۔۔ اب ہم جب بھی آئیں گے یہاں ساتھ آئیں گے"۔ اس نے صالحہ کو تالی ماری اور گاڑی اسٹارٹ کر کے آگے بڑھا لی۔ صالحہ کھڑکی سے باہر منظر دیکھنے لگی۔ وہ حویلی والوں کو بھی بھول چکی تھی۔

---**---

وہ مستقل اس کے سر پر گرم پٹیاں کر رہی تھیں۔ یہ کمرا رفاہ کے استعمال میں تھا۔ ایک چھوٹا اور بدبودار کمرہ جو ہیڈ کوارٹر کا حصہ تھا۔ دروازے پر ہلکی دستک ہوئی تو انہوں نے سہم کر پیچھے دیکھا۔ دروازہ کھلا ہوا تھا اور سفید رنگ کا پردہ جو اتنے سالوں میں پیلا اور میلا ہو چکا تھا اس کے باہر انہیں ایک شخص کھڑا نظر آیا۔ وہ یہ سوچ کر سہمنے لگیں کہ انہیں کسی نے

دیکھ تو نہیں لیا۔۔۔ یا پھر ان کے شوہر تو نہیں آئے۔۔ جلدی سے پردہ ہٹایا تو سانسیں بحال کریں۔

"یہ لیں چچی"۔ اس نے ٹیوب آگے بڑھائی تو شمیلہ نے خونخوار نظروں سے اسے دیکھا۔

"کیوں آئے ہو؟"۔

"بس یہ ٹیوب دینے آیا تھا"۔ وہ ان سے آنکھیں ملا کر بات کرنے کے بجائے زمین کو تک رہا تھا۔

"کس حیثیت سے؟"۔ وہ سخت لہجے میں اس سے پوچھ رہی تھیں۔

جواب سادہ اور آسان تھا مگر۔۔۔

"وہ۔۔۔"اس نے کہتے کہتے نظریں چچی کی طرف اٹھائیں اور الفاظ کچھ سوچ کر منہ میں ہی روک لیے تھے۔

"یہ خیال پہلے کیوں نہیں آیا؟ اس وقت تو منہ پھیر لیا تھا تم نے۔۔۔ میں نے بہت کوشش کی تھی تمہارے بچپن سے تمہاری تربیت کرنے کی! افسوس کہ میری تربیت کا کوئی فائدہ نہیں ہوا۔۔۔ میں ماضی میں نئی آنے والی نسلوں یعنی تم لوگوں کی تربیت کر رہی تھی کہ تم لوگ اوروں جیسے نہ بنو۔۔۔ میری تربیت کے تم گواہ ہو مگر افسوس کہ میری

تربیت سے تمہارے اندر ذرہ برابر فرق نہ آیا شرجیل"۔ وہ افسوس کررہی تھیں اور وہ نظریں جھکائے پلکیں کپکپائے خاموشی سے زمین کو تکا جارہا تھا۔

"لے جاؤ ٹیوب !وہ اندر بیہوش پڑی چھوٹی سی لڑکی تمہاری کچھ نہیں لگتی"۔ وہ سخت لہجے میں کہتی مڑنے لگیں۔

"وہ میری بیوی۔۔۔۔"۔ وہ شمیلہ چچی کے چہرے کے تاثرات دیکھتا پھر رک گیا اور نظریں جھکالیں۔

"بیوی مانتے ہو اسے ؟ یا صرف نکاح کرکے بیوی بول دیا ؟"۔ وہ پلٹنے لگیں۔

"نہیں چچی۔۔ خون بہت زیادہ بہا ہے اس کا۔۔۔ کانچ کے ٹکڑے نکال کر یہ ٹیوب لگا دیں"۔ وہ التجائی نظروں کے ساتھ کہہ رہا تھا۔ انہوں نے ایک گھوری اس پر ڈال کر ٹیوب پکڑی اور اندر چلی آئیں۔ وہ چھوٹے اور خستہ حال پلنگ پر نیم بے ہوش پڑی تھی۔ وہ اس کے پیروں میں چھبی کانچ پہلے ہی نکال چکی تھیں۔ پاؤں سے رستہ خون صاف کرکے انہوں اسے ٹیوب لگا کر پٹی کردی۔۔

آدھے گھنٹے بعد اس کی آنکھ کھلی تو وہ اس کے ماتھے پر پٹیاں کررہی تھیں۔ وہ خوف سے اٹھ کر بیٹھی مگر پاؤں کی تکلیف نے کراہنے پر مجبور کردیا۔

"کیا ہوا رفاہ۔ لیٹ جاؤ تمہاری طبیعت خراب ہے"۔ وہ مسکرا کر بولیں کیونکہ وہ جانتی تھی کہ وہ انہیں بھی باقیوں جیسا سخت سمجھے گی۔

"آپ۔۔۔مجھے یہاں کون لایا؟"۔ وہ ہکلائی۔

"میں لائی ہوں اپنی گڑیا کو ادھر۔۔۔"

"آپ۔۔۔مجھے ماریں گی؟"۔

شمیلہ چچی کی نظریں ساکت ہوگئیں۔ اب جو ہر شخص اس کے ساتھ عنایت کرتا تھا وہ سہم کر سب سے پہلے یہی پوچھتی تھی۔۔۔

"نہیں میری جان۔ سوچو میرا نام کیا ہے؟"۔

رفاہ مطمئن ہوئی اور ان کا نام سوچنے لگی۔

"مجھے یاد نہیں آرہا لیکن شاید آپ وہی ہیں جو صالحہ باجی کے اچھے لوگوں کی لسٹ میں شامل ہیں"۔ اس کے یوں کہنے پر وہ ہنس دیں۔

"ہاں ہوسکتا ہے۔۔مجھے "شمیلہ اماں "کہو"۔ انہوں نے اس کے بال بکھیرڑے تو وہ اپنے آپ کو آرام دہ محسوس کرنے لگی۔

"آپ واقعی مجھے نہیں ماریں گی؟"۔ اسے اب بھی خوف تھا۔

"نہیں میری جان"۔ انہوں نے بڑھ کر اس کا ماتھا چوما اور سینے سے لگالیا۔۔

رفاہ کو ان کے ہر انداز پر اپنی ماں یاد آئی جنھوں نے روتے ہوئے اسے رخصت کیا تھا۔ اس کے آنسو بہہ نکلے۔ وہ ان کے گلے لگی رہی۔۔ شمیلہ چچی اس کی کمر تھپتھپانے لگیں۔

"اب تم ٹھیک ہو جاؤ گی"۔ وہ اسے امید دلا رہی تھیں اور وہ ان کی باتوں پر سر ہلا رہی تھی۔ وہ دونوں یہیں کر سکتی تھیں کیونکہ وہ دونوں اپنی اپنی جگہ بے بس تھیں۔

---**---

چوکیدار نے دروازہ کھولا تو وہ اسے سلام کرتا اندر بڑھ گیا۔

"زید کہاں ہے؟"۔ اس نے صفائی کرتے ملازم سے پوچھا۔

"وہ اپنے کمرے میں ہیں آپ اوپر چلے جائیں"۔ وہ جواب دیتا پھر کام میں مشغول ہو گیا اور وجدان زینے چڑھتا اوپر چلا آیا۔

کمرے کا دروازہ کھٹکھٹایا مگر جواب نہ آیا۔ باتھ روم سے پانی گرنے کی آواز پا کر وہ سمجھ گیا کہ وہ باتھ روم میں ہے۔ وہ دروازہ کھولتا ہوا اندر آ گیا۔ اس کے بستر پر وہ موبائل نکال کر بیٹھ گیا۔۔۔ پندرہ منٹ اور گزر گئے وہ باہر نہیں آیا۔ البتہ گانا گانے کی آوازیں ضرور آ رہی تھیں۔ وجدان نے وقت دیکھا اور بستر سے ٹیک لگا کر بیٹھ گیا۔ شام کے چھ بجنے کو تھے اور وہ جلدی آفس سے بھی اس کے لیے آیا تھا۔ جتنی بیہودہ آوازمیں وہ گانا گا رہا تھا

وجدان کا دل چاہا باتھ روم کے دروازے پر لات مار دے۔ پندرہ منٹ اور گزر گئے اور وجدان کی بس ہوگئی۔ زید بہت وقت لگایا کرتا تھا باتھ روم میں۔ وجدان جوتوں سمیت اس کے بستر پر لیٹ گیا اور تہہ ہوا کمبل اوڑھ لیا۔ اسے نہیں معلوم وہ کب تھک کر سو گیا۔ آنکھ تو تب کھلی جب اس کے چہرے پر کوئی جھکا ہوا تھا اور اس کے بالوں کا پانی ٹپک ٹپک کر وجدان کا چہرہ ہوش میں لا رہا تھا۔ جھٹ سے آنکھ کھلی اور زید کو اپنے اتنے قریب دیکھ کر خوف سے چیخ اٹھا۔ اس کے یوں چیخنے پر زید کی بھی چیخ نکل گئی اور وہ پیچھے کو ہٹا۔

"تو پاگل ہے کیا؟ ایسے بھی کوئی اٹھاتا ہے؟"۔ وجدان نے چیختے ہوئے تکیہ کھینچ کر اسے مارا۔۔۔

"تو تو گدھے گھوڑے بیچ کر کیوں سویا ہوا تھا؟"۔ وہ بھی جواباً چیخا۔

وجدان نے غصے سے اسے دیکھا۔

""بالوں کا پانی تو صاف کر لیتا۔۔۔ لیلی کی طرح منہ پر جھکا ہوا تھا۔

"تو کوئی مجنوں نہیں ہے جو تیرے اوپر لیلی جھکے گی"۔ زید جو ٹراؤزر کے اوپر شرٹ پہننے کے لیے وارڈروب کھول رہا تھا، وجدان کی تپا گیا۔

وجدان غصے سے اٹھا اور زید کو مارنے بھاگا۔ زید نے اسے دیکھا تو دور ہٹنے لگا مگر وجدان نے اسے آلیا تھا۔ ایک زوردار تھپڑ کی آواز گونجی ساتھ ایک کان پھاڑ دینے والی چیخ بھی۔ زید کی کمر پر وجدان کی پانچ انگلیاں چھپ چکی تھیں اور اب وہ تڑپ رہا تھا۔

"کچھ بتانے آیا تھا تجھے مگر اب نہیں بتاؤں گا"، وجدان غصے سے کہتا مڑنے لگا.

"ہاں مت بتانا۔۔ سننے کو ترس نہیں رہا میں"۔ وہ بھی برابر غصے سے کہتا ہوا مڑنے لگا۔

"ہاں نہیں بتاؤں گا کہ میں اگلے مہینے کس سے شادی کر رہا ہوں"۔ وہ بھی تڑخ کر جواب دیتا باہر نکلنے لگا.

زید کے یکدم کان کھڑے ہوئے۔ وہ بھاگتا ہوا اس کے سامنے آ کھڑا ہوا۔

"تم نہیں جا سکتے"۔ اس نے ہاتھ پھیلا کر اس کا راستہ روکا۔

"مجھے بات نہیں کرنی تم سے"۔ وہ منہ پھیر گیا۔

"مجھے نہیں معلوم کہ اگر لیلی مجنوں سے روٹھ جائے تو وہ کیسے مانے گی۔ تجھے پتا ہے تو بتا تا کہ میں بھی کوشش کروں"۔ وہ وجدان کو مجنوں کہہ رہا تھا۔ وجدان نے اسے دیکھا تو وہ مسکراہٹ چھپانے کی کوشش کر رہا تھا۔ نا چاہتے ہوئے بھی وہ مسکرا دیا مگر دکھ سے۔۔ زید نے اس کے تاثرات جانچے جس کی آنکھیں اب نم ہو رہی تھیں۔ آنکھوں کے گرد حلقے نمایاں ہو رہے تھے اور ہونٹ کپکپانے لگے تھے۔ وہ کیسے بتائے گا اسے اپنا حال؟

"تم ٹھیک ہو؟"۔ زید نے بھنویں اچکا کر اس کو بازوؤں سے تھاما۔

"میں ٹھیک نہیں ہوں"۔ وہ رندھی ہوئی آواز میں نفی میں سر ہلاتا ہوا بولا اور اس کے گلے لگ گیا۔ وہ روتا رہا اور زید حیران اور پریشان اس کی کمر سہلاتا رہا۔

قربت کی تیری پیاس ہے ویسے تو ٹھیک ہوں

ایک دردِ دل کے پاس ہے ویسے تو ٹھیک ہوں

اگر ہو کچھ امید تو ہو جاؤں پرسکون

ایک بے وجہ سی آس ہے ویسے تو ٹھیک ہوں

---**---

"کیا افشاں پھپھو کا کھانا بن گیا شاہ جی؟"۔ ثریا کچن میں باورچی سے پوچھنے آئی تھی۔

"سب سے پہلے انہی کا بنوالیتا ہوں میں"۔ کھانے سے بھری ٹرے انہوں نے مسکرا کر اس کے سامنے رکھی۔

"پرہیزی؟" اس نے تمام ڈھکن اٹھا کر دیکھے۔

"جی بی بی جی۔۔۔ پرہیزی کھانا ہی تو بنتا ہے ان کا"۔ وہ دھیما سا مسکرایا۔

"چلو اس حویلی میں صالحہ کے بعد کسی کو تو خیال ہے ان کا"۔ وہ گہری سانس بھرتی ٹرے لے کر مڑ گئی۔

پیچھے کھڑے شاہ جی نے اپنے جھریوں زدہ ہاتھوں کو دیکھ کر اس دروازے کو دیکھا تھا جہاں سے ابھی تھوڑی دیر پہلے ثریا گزری تھی۔

"یہ سلسلہ تو بہت پرانا ہے۔ ایک عمر اسے بن دیکھے گزار دی ہم نے!" انہوں نے کرب سے آنکھیں میچیں۔

۔۔۔**۔۔۔

"تم نے یہ کیسے سوچ لیا کہ تم تنہا ہو؟" وہ دونوں ٹیرس پر رکھے تخت پر بیٹھے تھے۔ وجدان خاموش تھا۔ اپنے دل کی تمام باتیں کھول کر اب وہ خاموش ہی رہنا چاہتا تھا۔

"مجھے یقین نہیں آرہا جیا نے ایسے کیا! وہ کیسے کر سکتی ہے ایسے؟"۔ وہ حیران تھا۔

"اسے کچھ مت کہو زید۔۔۔ چھوڑ دو۔۔۔ وہ جس چیز میں خوش ہے اسے خوش رہنے دو۔ یاد ہوگا تمہیں جب میرے ماں باپ کی میتیں میرے سامنے رکھی تھیں تو جتنا مجھے اپنے لیے

دکھ تھا اتنا وجیہہ کے لیے بھی۔۔۔ وہ بہت چھوٹی تھی زید۔۔ بہت چھوٹی تھی۔ اگر میرے باپ کا بزنس نہیں ہوتا تو یقیناً ہم یتیم خانے میں ہوتے۔۔ سامنے میت پڑی تھی اور وہ پورے گھر میں بھاگ دوڑ کر رہی تھی کیونکہ اسے سمجھ نہیں تھی۔۔ وہ کھیل رہی تھی، ہنس رہی تھی کیونکہ اسے علم نہیں تھا کہ اس کی دنیا اجڑ گئی ہے۔۔ میرا دل کٹ کر رہ گیا تھا زید! میں نے اس وقت سوچا تھا کہ وجیہہ کو کبھی یہ محسوس نہیں ہونے دوں گا کہ وہ بن ماں باپ کے پلی ہے۔ میں کیسے کہہ دوں اب کہ اپنی خوشی سے دور ہٹ جاؤ صرف اپنے بھائی کے لیے؟ وہ خوش ہے! اسے خوش رہنے دینا چاہتا ہوں"۔ وہ ٹکٹکی باندھے آسمان کو دیکھ رہا تھا۔ کچھ دیر کی خاموشی چھا گئی۔

"اس لڑکی کو قبول کر لو گے؟"۔ وہ وقفے سے پوچھنے لگا۔

"یہ سوال نہ صرف میرے لیے ہے بلکہ اس لڑکی کے لیے بھی! کیا وہ مجھے قبول کر لے گی؟"۔ اس نے زید کی آنکھوں میں دیکھا۔

"اپنی زندگی کیوں تباہ کر رہے ہو؟"۔ اس نے پھر پوچھا۔

"یہ سوال بھی اس کے لیے بھی ہے! کیوں ہو رہی ہے اس کی زندگی برباد"۔ اس نے پھر جواب دیا۔

"کیا تم نے اسے دیکھا؟"۔

"ہاں میں نے اسے دیکھا۔ وہ کنچی آنکھوں والی لڑکی بہت معصوم لگی مجھے! تمہیں پتا ہے وہ خود کو پردے میں ڈھانپی ہوئی تھی۔مجھے اچھا لگا اس کا یوں غیر شخص سے پردہ کرنا! میں نے اس کا چہرہ تب دیکھا جب چادر اس کے چہرے کو بے نقاب کر گئی۔مجھے لگتا ہے اسے خبر نہیں۔مجھے ڈر لگنے لگا ہے۔۔۔ اگر اس کے ساتھ زبردستی کی گئی تو اس کا رشتوں پر سے اعتبار اٹھ جائے گا زید!"۔

"اللہ تمہیں کامیابی دے۔۔ تمہیں خوشیاں دے اور ہو سکتا ہے کہ اللہ کی کوئی مصلحت ہو اس سب میں"۔ وہ اسے صرف دعائیں دے سکتا تھا۔

"مجھے خوف صرف اس بات کا ہے کہ کیا میں اسے وہ سب دے سکوں گا جو ایک عام لڑکی اپنے شوہر سے چاہتی ہے؟ اظہارِ محبت! تعریف! اور ہر وہ چیز جو ایک محبت کرنے والا شوہر کرتا ہے۔مجھے کل رات پھر سے اس کی بہت آئی زید۔۔وہ تصویریں! وہ۔۔۔ میری جان لے لیں گی!۔ میری محبت میں شدت تھی زید۔مجھے تو اس کے آنے والے خیالوں سے بھی محبت ہے۔ میری سوچ کا محور ہے وہ"۔ وہ تڑپتے ہوئے بتا رہا تھا۔

"تمہیں اسے بھولنا ہوگا"۔ زید نے نگاہیں اٹھا کر دیکھا۔

"کیسے؟ بھولنے کے لیے بھی اسے سوچنا پڑے گا زید"۔ وہ تکلیف سے اپنا سر ہاتھوں میں دیتا ہوا بولا۔

"ایک بہترین حل ہے میرے پاس"۔

"کیا؟"۔

"تصویریں جلادو! اس کو بھلادو یہ سوچ کر کہ اب تمہاری زندگی میں کوئی اور آنے والا ہے اور وہ تمہاری ذمہ داری بننے والا ہے! تم کوشش کرو! دھوؤاں بنا کر یادوں سے نکال دو! وہ لڑکی بھی ایک محبت کرنے والے شوہر کی چاہ رکھتی ہوگی وجدان! تمہیں بدلنا ہوگا وجدان! اپنے لیے نہیں تو آنے والی کے لیے!"۔ وہ زید کی بات بہت غور سے سن رہا تھا۔ وہ کوشش کرے گا!۔ کوئی بھی کام یا چیز ناممکن تو نہیں!

---**---

DON'TCOPYPASTEWITHOUTMYPERMISSION...!

زنجیر

ازقلم عینا بیگ

قسط ۹

وہ کل پورا دن گھومتے پھرتے رہے تھے اس لیے گھر پہنچ جلدی تھک کر سو گئے تھے۔ صبح ایک بار پھر حیدر نے اسے اٹھا دیا۔ تقریباً کوئی آٹھ بجے تھے جب وہ اس کو تیار ہونے کا اور

سامان نیچے لانے کا کہہ کر نیچے چلا گیا تھا۔ وہ ہاتھ منہ دھوتی نماز پڑھ کر اپنا سامان تھامے نیچے آگئی۔ گزرا ہوا دن اس کے لیے زندگی کا یادگار دن بن چکا تھا۔ وہ سڑکوں پر ساتھ ہاتھ میں ہاتھ ڈالے بھاگے تھے!۔ وہ بھائی تھا اس کا! محافظ۔۔۔ وہ یہ سوچتی ہوئی گاڑی میں آ بیٹھی۔

"ہم کہاں جائیں گے پہلے؟"۔ وہ اشتیاق بھرا لہجہ پھر سے لوٹ آیا۔

"مجھے یونیورسٹی میں صرف اسائمنٹ جمع کروانے جانا ہے۔ تم گاڑی میں بیٹھے رہنا جب تک میں پانچ منٹ میں اپنا اسائمنٹ جمع کروا آؤں گا"۔ وہ گاڑی تیز رفتار میں چلا رہا تھا۔ ایک اسکول سامنے سے گزرنے لگے تو حیدر نے گاڑی کی رفتار آہستہ کی۔

"یہ دیکھو! یہ اسکول ہے"۔ اس نے باہر کی طرف اشارہ کیا تو صالحہ نے جلدی سے باہر کا نظارا کیا۔ وہ لال بڑی سی عمارت تھی جہاں بچے یونیفارم پہنے داخل ہو رہے تھے۔ اس کے دل نے بے اختیار خواہش کی کہ وہ یہاں پڑھانا چاہتی ہے۔ علم بانٹنا چاہتی ہے۔ اس کے دماغ میں لال عمارت رہ گئی اور سوچتی رہی کہ جب وہ شہر آئے گی تو یہاں کی استانی بنے گی۔ اسے وہ سب بے حد اچھا لگا۔

وہ عمارت اب بہت پیچھے رہ چکی تھی، مگر دل سے اور قریب۔۔۔ تقریباً دس منٹ کے بعد اس نے گاڑی یونیورسٹی کے آگے کھڑی کی۔

"یہ ہے میری یونیورسٹی"۔ وہ اپنی فائلز اٹھاتا گاڑی سے اتر گیا۔ صالحہ نے دونوں ہاتھ گاڑی کی کھڑکی پر رکھے اور باہر جھانکنے لگی۔ ایک اور خواہش نے دل میں جنم لیا۔ وہ اپنے ویر کی یونیورسٹی میں پڑھنا چاہتی تھی۔۔۔

اس کا رزلٹ کبھی بھی آسکتا تھا اور وہ خواب بن رہی تھی!۔ اس نے تب تک وہ عمارت دیکھی جب تک دل نہ بھر گیا۔ حیدر آیا اور گاڑی گاؤں کی طرف موڑلی۔۔۔

حیدر گاڑی کو تیز رفتار سے چلا رہا تھا۔ آج جمعہ تھا اور اسے ہر حال میں آج ہی داجی سے بات کرنی تھی۔ وہ اب دیر نہیں کرنا چاہتا تھا۔

وہ شہر واپس آنا چاہتی تھی، مگر اسے معلوم تھا کہ یہ سال میں ایک بار ہی ہوا کرتا تھا۔ لیکن وہ یہ نہیں جانتی تھی کہ اس کی قسمت اسے واپس یہاں ہمیشہ کے لیے لانے والی ہے!

___**___

وہ حویلی میں داخل ہوتے ہی اوپر منزل کی طرف بھاگی۔ لاؤنج میں داخل ہوئی تو وہاں سب کو سلام کرتے ہوئے زینے چڑھنے لگی۔

"ارے بات تو سنو صالحہ! ہم سے بھی بات کرلو"۔ اسے عورتوں نے روکنے کی کوشش کی مگر وہ "آتی ہوں" کا کہہ کر بھاگ گئی۔ حیدر پیچھے سے داخل ہوا تو اماں نے اس کا ماتھا چوما۔

"کیسا رہا سفر؟"۔ وہ عورتیں اب اشتیاق سے حیدر سے پوچھ رہی تھیں۔

"اتنا اچھا کہ صالحہ کل کا دن کبھی نہیں بھول پائی گی"۔ وہ زیرلب مسکراتا ہوا وہاں سے چلا گیا۔ اسے اپنے آپ کو داجی سے بات کرنے کے لیے تیار کرنا تھا۔ وہ داجی کے کمرے میں داخل ہوا تو دیکھا داجی بستر پر بیٹھے ہوئے تھے۔

"السلام علیکم داجی! ہم آ گئے"۔ وہ سلام کرتا ہوا وہیں کھڑا رہا۔

"وعلیکم سلام۔ چلو اچھا ہو گیا۔ صالحہ کہاں ہے؟۔ کیا وہ ٹھیک ہے اب؟"۔ انہوں نے ٹھہر کر پوچھا۔

"مجھے لگتا ہے وہ اسے بھول گئی ہے۔ بہت خوش تھی وہ کل۔۔۔ کیا ہم بات کر سکتے ہیں؟ مجھے آپ سے کوئی فرمائش کرنی تھی داجی"۔ وہ اٹک اٹک کر بولا۔ داجی نے بھنویں اچکا کر اسے دیکھا۔

"کہو!"۔

"ابھی نہیں۔ وہ بات آرام سے کرنے کی ہے داجی۔ آپ مجھے وقت بتائیں تاکہ ہم اس وقت بات کر سکیں"۔ وہ جھک کر بہت ادب سے گفتگو کر رہا تھا۔

"ایسی کون سی بات ہے؟ ٹھیک ہے پھر شام کی چائے پر آنا ہمارے پاس"۔ وہ خونخوار نظریں اس پر جمائے بولے۔

"جی داجی بلکل"۔ وہ کمرے سے باہر نکلتا سکھ کا سانس لیتا اپنے کمرے میں چلا گیا۔ ابھی اسے اور بہت کچھ سوچنا تھا۔ اسے لفظوں کو ترتیب دینا تھا۔ اسے شام کے لیے خود کو تیار کرنا تھا۔

---**---

"ویر نے میری پیشانی چومی۔ میں بے یقین ہو گئی تھی سچ میں۔مجھے یقین ہی نہ آیا کہ میرا ویر میری امیدوں سے بھی زیادہ اچھا ہے۔ اس نے مجھے کیا کیا نہیں دکھایا پھپھو!۔ اپنی یونیورسٹی اور شہر کا ایک اسکول بھی دکھایا۔ آپ کو پتا ہے افشاں پھپھو! جب میں نے ویر کی یونیورسٹی دیکھی تو میرا دل مچل اٹھا۔ یہ وہی یونیورسٹی ہے جہاں حویلی کے مرد بھی پڑھتے ہیں۔ میرا دل چاہتا ہے کہ میں بھی جاؤں! میں بھی پڑھوں اور۔۔۔ ساتھ ساتھ اسکول میں بھی پڑھاؤں"۔ وہ گفتگو کے آغاز میں خوش تھی مگر اختتام اس نے دکھ سے کیا۔ افشاں کا چہرہ اس کے ساتھ مرجھایا۔ صالحہ نے جب افشاں کو اداس دیکھا تو بات بدلنے لگی۔

"خیر یہ بتائیں آج آپ کے لیے کونسا جوڑا نکالوں؟"۔ اس کی اس بات پر افشاں حیران ہوئی۔

"پھپھو آج تو جمعہ ہے! آج تو آپ اچھے کپڑے پہنیں گی نا؟"۔ اس نے ان کی پریشانی ختم کی اور بے رنگ کپڑوں میں سے کوئی رنگ تلاش کرنے لگی۔

ابھی وہ دیکھ ہی رہی تھی کہ گھنٹی کی آواز پر مڑی۔ پیچھے دیکھا تو وہ ایک جوڑے کی طرف اشارہ کررہی تھیں۔ صالحہ نے ان کے اشارے کے تعاقب میں دیکھا۔ وہ ایک سفید رنگ کے کپڑے کی طرف اشارہ کررہی تھیں۔

"اتنا بے رنگ کپڑے کیوں پہنتی ہیں پھپھو۔۔۔ چلیں آپ جیسا چاہیں گی ویسا ہی ہوگا۔ میں یہ کپڑے استری کردیتی ہوں"۔ وہ سادہ سا سفید جوڑا اٹھائے باہر نکل گئی۔ افشاں نے اٹھ کر کھڑکی سے باہر جھانکا۔

اب وہ بے زبان اس کو کیا بتائے کہ بے رنگ دنیا میں بے رنگ کپڑے ہی پہنے جاتے ہیں۔

---**---

شام کے پانچ بجے تھے۔ حیدر وقت دیکھتا لاؤنج میں آگیا۔ داجی وہیں بیٹھے چائے پی رہے تھے۔ وہ اکیلے نہیں تھے بلکہ وہ تمام مرد جو زمین سے لوٹے تھے وہاں محفل لگائے بیٹھے تھے۔

"او تو آگیا حیدر؟۔ بتا کیا فرمائش ہے تیری"۔ وہ مسکرا رہے تھے۔ اس وقت ان کا موڈ اچھا تھا۔

"کیا ہم تنہائی میں بات نہیں کرسکتے داجی؟"۔ وہ باقی مردوں کو دیکھتے ہوئے بولا۔

"ایسی کونسی فرمائش ہے جو سب کے سامنے نہیں بتا سکتے؟"۔ انہوں نے بھنویں اچکائیں۔ حیدر نے یہ سوچ کر گہری سانس لی کہ کہیں داجی کا موڈ نہ تبدیل ہو جائے۔

"میں شادی کرنا چاہتا ہوں داجی"۔ وہ بالآخر کہتا ہوا نظریں جھکا گیا۔ داجی کو تعجب نہیں ہوا۔

"ہاں تو کر دیتے ہیں تیری شادی ثریا سے۔ کونسی بڑی بات ہے؟ ویسے بھی ارحم کی موت نے حویلی والوں کے دل افسردہ کر دیے ہیں۔ اچھا ہے تیری شادی ہو گی تو رونقیں واپس آئیں گی"۔

حیدر نے لب بھینچے۔

"مگر داجی۔۔۔" وہ رک گیا۔۔ ایک خوف نے اندر جنم لیا۔

"کیا؟"۔

"میں ثریا سے شادی نہیں کرنا چاہتا"۔ اس نے آنکھیں میچ کر جلدی سے یہ بات کہہ دی۔ سب خاموش ہو گئے۔ شبیر صاحب کے ہونٹ سل گئے۔ وہ ان کے بیٹے کا منگیتر تھا۔

"کیوں؟"۔ داجی نے بھنویں اچکائیں۔

"کوئی وجہ تو نہیں ہوتی نا داجی۔ مجھے کسی اور سے کرنی ہے شادی"۔ وہ اس وقت جس حالت میں تھا اگر اس کا بدن بھی کاٹا جاتا تو شاید لہو بھی نہ نکلتا۔

"اس میں بھی کوئی مسلہ نہیں۔ تم حویلی کی کسی اور لڑکی سے شادی کرنا چاہتے ہو تو ٹھیک ہے نام بتاؤ ابھی تاکہ ہم دیکھیں اور وٹہ سٹہ کر دیں۔ ویسے بھی ارحم مر چکا ہے اور صالحہ اس کی منگیتر تھی۔۔۔"۔ انہوں نے بات ابھی مکمل نہیں کی تھی کہ حیدر نے بات کاٹی۔

"میں حویلی کی کسی لڑکی سے شادی نہیں کرنا چاہتا کیونکہ مجھے شہر میں کوئی پسند ہے"۔ وہ آخر کہہ گیا تھا اپنی دل کی بات۔۔۔

کچھ دیر کی خاموشی چھا گئی۔

"کیا مطلب ہے اس بات کا؟"۔ داجی غرائے۔

"بات سیدھی ہے داجی۔ میں اس کو پسند کرتا ہوں اور شادی کرنا چاہتا ہوں"۔ داجی نے غصے میں میز پر زور سے ہاتھ مارا مگر حیدر نے اپنی بات نہ روکی۔

"وہ میری یونیورسٹی میں پڑھتی ہے۔ اور۔۔۔ اور سب آپ کی خواہش کے مطابق ہوگا داجی۔ اس کا ایک بھائی بھی ہے جو صالحہ سے شادی کرنے کے لیے راضی ہے۔ دیکھیں اب ارحم نہیں رہا تو صالحہ کی شادی کیسے ہوگی؟۔ اور وٹہ سٹہ کے مطابق اس کی شادی اس کے بھائی سے ہو جائے گی داجی"۔ حیدر جذباتی ہوتے ہوئے سب کہہ گیا۔

"اس کا بھائی راضی ہے؟"۔

"جی د۔ داجی"۔ وہ ہکلاتے ہوئے بولا۔

"تم جانتے تھے تمہاری منگنی ثریا سے ہو چکی تھی"۔ وہ اتنی زور سے دھاڑے کہ دوارے کمرے میں بیٹھی عورتیں حیران ہو گئیں۔ صالحہ افشاں کے کمرے میں تھی اس لیے جان نہ پائی۔

"آپ صحیح کہہ رہے ہیں مگر داجی مجھے اس سے شادی نہیں کرنی تھی۔ آپ جیسا کہیں گے ویسا ہی ہو گا مگر میری شادی اسی سے کروا دیں جو میری خواہش ہے"۔ وہ گڑگڑایا۔

"تم جانتے ہو وٹہ سٹہ ہو گا"۔ داجی نے خونخوار نظروں سے دیکھا۔

"ہاں ویسا ہی ہو گا۔۔۔ وٹہ سٹہ ہی ہو گا داجی۔۔۔ میں اس کے بھائی سے آپ کو ملوانا چاہتا ہوں"۔ جب حیدر کو لگا معاملہ ٹھنڈا ہو رہا ہے تو وہ جلدی سے بول پڑا۔

"ٹھیک ہے اتنا بڑا مسلہ نہیں ہے پھر۔۔۔ ہم اس سے کل ملنا چاہیں گے۔ اس لڑکے کو کل بلوالو۔۔۔ بات چیت کر کے تاریخ پکی کر دیں گے"۔ داجی کا غصہ ٹھنڈا ہو چکا تھا۔ وہ اب مصلحت سے کام لیتے ہوئے اسے اپنا فیصلہ سنانے لگے۔

"کل اتنی جلدی؟"۔ حیدر کو حیرانی ہوئی۔

"ہاں کل!"۔ وہ اپنی بات پر جمے رہے۔

حیدر گہری سانس لیتا زینے چڑھتا چلا گیا۔ اس کے لیے اتنا ہی بہت تھا کہ داجی مان گئے۔

داجی کے ساتھ بیٹھے شبیر بٹ میں تو اتنا حوصلہ بھی نہیں تھا کہ اپنی بیٹی کے لیے آواز

www.urdunovelsmania.com

اٹھاتے۔۔۔ وہ داجی سے یہ بھی نہیں کہہ پائے کہ ان کے سامنے انہی کے مرے ہوئے بیٹے کا نام مت لیں۔ انہیں تکلیف ہوتی ہے۔۔۔

---**---

"یہ داجی کیوں چیخ رہے تھے ثریا؟ پھپھو کے کمرے تک آواز آرہی تھی اس لیے میں جلدی سے نیچے آگئی"۔ وہ پھولی سانسوں اور اڑے ہوئے حواسوں کے ساتھ پوچھ رہی تھی۔ ثریا نے نظر بھر کر اسے دیکھا اور کندھے اچکا لیے۔

"حیدر اور داجی کے درمیان شاید کوئی بحث ہوئی ہے۔ اسی لیے داجی چیخے تھے۔ اب اس بات کا علم مجھے بھی نہیں کہ بات کیا ہوئی تھی ان کے درمیاں"۔

صالحہ بستر بیٹھ گئی۔

"داجی حیدر ویراں کی اکثر باتیں نہیں مانتے۔ انہیں چاہیئے کہ ان کی خواہش پوری کریں"۔

وہ اداس آنکھیں زمین پر جمائے بیٹھی تھی۔

"ہم نہیں جانتے کہ اس بار حیدر نے کیا بات کی ہے۔ اس لیے ہم کچھ نہیں کہہ سکتے صالحہ"۔ اس نے نماز کی طرح ڈوپٹہ باندھا۔

"مجھے یقین ہے کہ کوئی غلط چیز کی خواہش نہیں کی ہوگی ثریا"۔

ثریا نے کوئی جواب نہ دیا اور نماز کے لیے کھڑی ہو گئی۔ وہ تھوڑی دیر اسے یوں ہی یک ٹک دیکھتی رہی پھر کچھ سوچ کر باہر آ گئی۔ آج کل ویسے ہی ثریا خاموش رہا کرتی تھی۔ بھائی کی موت نے اسے خاموش کر دیا تھا۔ وہ زیادہ تر وقت عبادت کرتے ہوئے گزارتی یا پھر صالحہ سے گفتگو کرتے ہوئے۔ شمیلہ چچی کی آواز آئی تو صالحہ ان کے کمرے میں آ گئی۔

وہ جائے نماز پر دعا مانگ کر بیٹھی تھیں۔

"کیسی ہو صالحہ؟ مجھ سے ملی بھی نہیں؟"۔ انہوں محبت بھرا شکوہ کیا تو وہ کان پکڑتی بچوں کی طرح ان کے قریب آ بیٹھی۔

"مجھے افشاں پھپھو کے پاس بیٹھ کر وقت کا اندازہ ہی نہ ہو سکا۔ آج تو نماز بھی وہیں پڑھی میں نے"۔ وہ مسکرا کر کہتی ان کے ہاتھوں کی چوڑیوں کو آگے پیچھے کرنے لگی۔

"مبارک ہو تمہیں صالحہ! اللہ نے کامیابی دی ہے تمہیں"۔ وہ محبت سے اس کا چہرہ ہاتھوں میں بھر کر بولیں۔

"کیوں کیا داجی مجھے آگے پڑھنے پر مان گئے؟"۔ وہ تلخی سے مسکرائی۔

"دعائیں رائیگاں نہیں جائیں گی تمہاری! ان شاء اللہ۔ مگر ابھی میرے منہ سے خوشخبری تو سن لو۔۔۔ تم پاس ہو گئی ہو صالحہ! مبارک ہو"۔ یہ سننا تھا کہ صالحہ ساکت ہو گئی۔ آنکھوں سے پانی بہنے لگا اور وہ ان کے گلے لگ گئی۔

"کیا سچ میں چچی؟"۔

"اللہ نے تمہاری محنت کا صلہ دیا ہے صالحہ۔ جاؤ شکرانہ پڑھو اور سب کو خبر سناؤ"۔ وہ اس کی پیشانی چوم کر بولیں۔

"کس کو سناؤں یہ خوشخبری؟ اماں کو؟ جنھیں کوئی فرق نہیں پڑتا۔ ابا کو؟ جن سے بات ہی ایک ہفتے پہلے ہوئی تھی۔ یا داجی کو؟ جو یہ سن کر الٹا مجھ پر ہی بھڑک جائیں گے"۔ اس نے کچھ سوچ کر سر جھٹکا۔
"صرف ان کو جن کو دیکھ کر لگتا ہے کہ وہ تمہاری خوشی میں خوش ہوں گے۔ افشاں کو سناؤ، ثریا کو، رفاہ کو۔۔۔" وہ کہتی جائے نماز سے اٹھ کھڑی ہوئیں۔ صالحہ نے انہیں انہماک سے دیکھا۔ وہ ٹھیک کہہ رہی تھیں۔ وہ وہاں سے بھاگتی ہوئی افشاں کے پاس آئی اور اسے خوشخبری سنائی۔ اس نے اپنے پسندیدہ لوگوں کی آنکھوں میں اس کے لیے خوشی دیکھی۔ اس نے ثریا کو بتایا اور پھر وہ رفاہ کو ڈھونڈتے کچن تک چلی آئی۔ وہ شام کے برتن دھو رہی تھی۔
اس کے پاؤں پر بینڈج بندھی تھی اور پیشانی پر پٹی۔ صالحہ نے اسے دیکھا تو ششدر رہ گئی۔

"یہ کیا ہوا ہے تمہیں"۔ وہ اس کے قریب آئی اور دونوں ہاتھوں سے اسے اپنی جانب موڑا۔

"میں کچھ پوچھ رہی ہوں رفاہ!"۔ جواب نہ آنے پر صالحہ نے سختی سے پوچھا۔

"کک۔ کچھ نہیں وہ بس۔۔"وہ ہکلائی۔

""وہ کیا رفاہ؟ تم کیسے اتنی زخمی ہوئی؟"۔

"سس۔ سمیعہ تائی نے۔۔۔"۔ رفاہ کی آنکھوں سے آنسو بہنے لگے۔

"تمہارا شوہر کہاں تھا؟"۔ صالحہ کی تیوریاں چڑھیں۔

"وہ وہیں بیٹھے تھے"۔ اس نے سر جھکا کر جواب دیا۔

"مجھے پورا واقعہ بتاؤ"۔ اس نے پوری آنکھیں کھول کر اسے دیکھا۔

رفاہ کے ہونٹ پل بھر کو کانپے اور اس نے روتے ہوئے پورا واقعہ گوش گزار کر دیا۔

خون آلود آنکھوں سے اسے دیکھتے ہوئے صالحہ نے پورا واقعہ سنا تھا۔

"اور تم چپ رہی؟"۔

"آپ کیا چاہتی ہیں صالحہ باجی کہ میں کچھ بولوں؟؟ نن۔ نہیں مم۔ میں کچھ نہیں بول سکتی۔۔ وو۔ وہ مجھے ماردیں گے"۔ وہ اور ذیادہ رونے لگی۔

"یعنی تمہارے راستے کے پتھر مجھے ہٹانے پڑیں پڑیں گے؟؟۔ ٹھیک ہے! یہ کام بھی اتنا مشکل نہیں"۔ اس نے اس کو بازوؤں سے پکڑا اور کھینچتے ہوئے باہر لے جانے لگی۔

"کیا کر رہی ہے باجی آپ؟"۔ وہ خود کو چھڑانے لگی مگر صالحہ اسے مضبوطی سے پکڑتے ہوئے باغ میں لے آئی جہاں شرجیل درخت کے نیچے کھڑا سگریٹ پھونک رہا تھا۔ صالحہ نے رفاہ کا بازو اس کے قریب لا کر چھوڑا تھا۔

شرجیل حیران کھڑا اسے دیکھنے لگا۔ لہجہ حسب معمول سخت تھا۔

"اس کو کیا ہوا شرجیل صاحب؟۔ یہ زخمی کیوں ہے؟"۔ وہ بنا ڈرے پوچھنے لگی۔ شرجیل نے سر تا پیر پہلے صالحہ کو دیکھا اور پھر پیچھے کھڑی رفاہ کو۔

"مجھ سے کیوں پوچھ رہی ہو؟"۔ وہ بنا کوئی تاثر دیے پھر سے سامنے دیکھنے لگا۔

"آپ سے کبھی نہیں پوچھتی اگر آپ اس کے شوہر نہیں ہوتے"۔ اس نے دوبدو جواب دیا۔

شرجیل کو اس کی دماغی حالت پر شک ہوا۔

"وہ آپ کی بیوی ہے شرجیل بٹ۔ تائی اسے مار رہی تھیں اور آپ دیکھتے رہے؟؟"۔

صالحہ نے اسے غصے سے گھورا۔

اس کے یوں کہنے پر وہ پیچھے کھڑی ڈری سہمی رفاہ کو دیکھنے لگا۔

"تو کیا کرنا چاہیئے تھا مجھے؟"۔ اس نے نرمی سے پوچھا۔

"آپ کو سینہ چوڑا کر کے پوچھنا چاہیے تھا کہ میری بیوی کو ہاتھ کیسے لگایا"۔

"یہ ونی بن کر آئی ہے صالحہ"۔ وہ دیکھنا چاہتا تھا وہ کب تک ہمت رکھتی ہے۔

"ونی؟ کون سی ونی؟ ونی وہ ہی نا جو مظلوم ہوتی ہے؟ یہ سب دین سے دوری کا نتیجہ ہے۔ قرآن پڑھیں شرجیل صاحب! یہ قاتل کی بہن ہے نا کہ قاتل ہے۔۔۔ اس کے بھائی نے قتل کیا ہے اس نے نہیں! یہ کیوں سزا کاٹ رہی ہے؟ جسے سزا کاٹنی چاہیے وہ آرام سے زندگی گزار رہا ہو گا"۔ وہ خونخوار لہجے میں بولی۔

"جو درس مجھے دے رہی ہو جاؤ داجی کو دو! یہاں دم نہیں نکل رہا وہاں دم ہی نہیں رہے گا"۔ وہ استہزایہ ہنسا۔

"میں داجی کے منہ پر بھی یہ کہنے کی ہمت رکھتی ہوں۔ اپنے آپ تک ہر ظلم برداشت کیا ہے اس کا مطلب یہ نہیں کہ ظلم ہوتا ہوا بھی دیکھوں۔ میں بھی افشاں کی ہی بھتیجی ہوں۔ یوں چپ تو نہیں رہوں گی"۔ وہ اس کو گھورتے ہوئے بولی۔

"یہ بھی یاد رکھنا داجی نے پھر کیا کیا تھا!"۔ وہ ذو معنی لہجے میں بولا۔

"بے زبان ہوجاؤں گی مگر حق بجانب رہوں گی"۔ وہ ہمت ہارنے والوں میں سے نہیں تھی، اتنا تو شرجیل جان گیا تھا۔ وہ خاموش ہوگیا۔

"آپ کا دل نہیں پگھلتا؟"۔ صالحہ حیران تھی۔ رفاہ نے اس کا بازو سختی سے پکڑلیا تھا۔

"بیوی ہے یہ آپ کی۔۔ یہ کہاں لکھا ہے کہ اگر کوئی ظلم کررہا تو ظالم کے ساتھ مل جاؤ؟؟ بلکہ ظلم کو روکیں شرجیل صاحب۔۔ اس حویلی میں کوئی تو ہمدرد ہو اس کا!۔ اور آپ کو تو حق بھی حاصل ہے۔ بہت افسوس ہوا مجھے"۔ وہ اس پر افسوس کرتی ہوئی رفاہ کا ہاتھ پکڑتی مڑگئی۔ پیچھے کھڑے شرجیل کے ہاتھ سے سگریٹ گھانس پر گرگئی۔ وہ ان دونوں کو دیکھتا رہا۔ جب وہ نگاہوں سے اوجھل ہوگئیں تو نیچے پڑی سگریٹ کو جوتے سے مسلا گویا حویلی کی رسم و رواج مسل رہا ہو جو اسے اللہ سے اتنی دور کرگئیں۔ وہ کیسے بتائے صالحہ کو کہ وہ رفاہ کی اکیلی ہمدرد نہیں ہے!اس نے گردن اٹھا کر اوپر منزل پر موجود کھڑکی کو دیکھا جہاں سے ایک عورت جھانک رہی تھی۔ اتنے سالوں بعد آج یوں نظر بھر کر دیکھا تھا ایک جان سے پیارے نے۔۔۔ یہ وہ عورت تھی جو اسے کئی سالوں پہلے دنیا کی خوبصورت ترین عورت لگتی تھی۔۔۔ ایک فرشتہ صفت انسان لگتی تھی۔۔ ایک کنچی آنکھوں والی پری لگتی تھی۔۔ ایک خوابوں میں رہنے والی لڑکی لگتی تھی۔۔۔ وہ اتنا چھوٹا تھا اس وقت کہ اپنی جان سے پیاری پھپھو کی طرفداری بھی نہ کرسکا۔۔۔ اور اب اتنا بڑا ہوچکا تھا کہ یہ رسم و رواج اکیلے

ختم کرنے کا حوصلہ نہیں رکھتا تھا۔ وہ عورت اسے دیکھ رہی تھی۔۔۔اس کے چہرے پر موجود جھریاں اس بات کی گواہ تھیں کہ یہ بہت ہمت والی عورت ہے۔ جس کو بے زبان کردیا گیا مگر یہ زندہ رہی۔۔جس کا دل پیروں تلے کچل دیا گیا مگر پھر بھی وہ زندہ رہی۔۔۔ وہ عورت اب پیچھے ہٹ چکی تھی۔ وہ کھڑکی سے دور ہو چکی تھی مگر شرجیل پھر بھی اوپر دیکھ رہا تھا۔ سورج غروب ہو رہا تھا۔ آنکھوں پر سورج کی ہلکی شعائیں پڑیں اور آنکھیں پانی بہانے لگی، مگر اس نے نظریں نیچے نہیں کیں۔ باغ میں شاہ جی داخل ہوئے اور اب اس کی نظروں کے تعاقب میں دیکھ رہے تھے۔ وہ دشمن جان کا کمرہ تھا، مگر دشمن جان وہاں موجود نہیں تھا۔ کسی کے قدموں کی چاپ محسوس ہوئی تو وہ آنکھ کا پانی صاف کرتا شاہ جی کو دیکھنے لگا۔ وہ شخص بڑی عمر کا تھا مگر سینہ چوڑا اور کشادہ تھا۔ مضبوط بازو اور چہرے پر جھریاں وقت کے ساتھ اب ذیادہ نمایاں ہو رہی تھیں۔ اسّی فیصد بال سفید تھے۔ وہ اس ہمت والے شخص کو دیکھ رہا تھا جو اپنی محبت کے لیے خود کو بھول گیا تھا۔ جس نے اپنی جوانی امیدوں پر گزار دی اور کوئی امید اب تک بر نہیں آئی تھی۔

"چائے کا کپ"۔ شاہ جی نے کپ آگے بڑھایا۔

"شکریہ بشارت جی!"۔ اس نے شکریہ ادا کیا۔

"ہمت کی داد دیتا ہوں! کل تمہاری بیوی پر تشدد کیا گیا اور تم اب تک چپ ہو"۔ وہ بولتے بولتے لب بھینچ گئے۔۔۔

شرجیل نے لمبی سانس ہوا میں چھوڑی۔

"وہ کثر کر گئی ہے پوری بشارت جی!"۔ وہ بیزاری سے بولا۔

"کون؟"۔ وہ حیران ہوئے اور اپنا کپ لبوں سے لگایا۔

"پھپھو کی جڑواں"۔ وہ منہ کے زاویے بگاڑ کر بولا۔

"اوہ۔۔۔ صالحہ"۔ وہ کہتے ہوئے مسکرائے۔ شرجیل نے ان کے ساتھ کھڑے ہو کر چائے پی اور ان کے ہاتھ میں کپ دیتا مڑ گیا۔

حیدر اور داجی کی بیچ ہونے والی بحث میں شرجیل موجود تھا۔ وہ جانتا تھا کہ اس سب کے بھینٹ صالحہ بہت جلد چڑھ جائے گی۔ وہ یہ بات چاہتا تو صالحہ کو بتا سکتا تھا۔۔۔ مگر ہاں۔۔۔ بری خبر جتنی دور رہے اسی میں ہی عافیت ہے۔ وہ یہ بات شاہ جی کو بھی نہیں بتا سکتا تھا۔ وہ ایک بار پھر اندر سے مر جائیں گے وہ جانتا تھا۔ وہ حویلی میں سب سے زیادہ اسے بیٹیوں کی طرح چاہتے تھے۔ وہ بلکل افشاں تھی اس لیے وہ ان کے دل قریب اور تھی۔

وہ ثریا کو بھی خود نہیں بتائے گا کہ وہ شخص جس کا نام حیدر ہے وہ تمہارا نہیں ہے۔۔۔

وہ افشاں کو خود سے نہیں بتائے گا کہ آپ کی چہیتی قربانی دینے والی ہے حیدر کے لیے۔۔۔۔

وہ رفاہ کو نہیں بتائے گا کہ اس کی باجی جانے والی ہے اس سے بہت دور۔۔۔

چار عورتیں!

افشاں، صالحہ، رفاہ، ثریا

چار الگ کہانیاں!

---**---

حیدر سے بات کر کے وہ اب پریشان بیٹھی تھی۔ وجدان گھر آچکا تھا۔ اپنے اندر ہمت جمع کرتی وہ اس کے کمرے کا دروازہ کھٹکھٹانے لگی۔

"آجاؤ"۔ اندر سے آواز آئی تو وہ دروازہ کھول کر اندر آگئی۔ وہ صوفے سے ٹیک لگائے بیٹھا تھا۔

"بھائی۔۔۔ حیدر کا فون آیا تھا ابھی"۔ اس نے اطلاع دی۔ وجدان نے نگاہیں اٹھا کر اسے دیکھا۔

"کیا کہہ رہا ہے؟"۔ اپنی گردن سے ٹائی اتارتا وہ تھکے تھکے سے لہجے میں بولا۔

"آپ کو حویلی کل جانا ہوگا۔۔۔ اس نے گاؤں اور حویلی کا تفصیلی پتا بتا دیا ہے آپ کو میسج پر۔۔ آپ دیکھ لے گا۔۔۔ کل صبح نکلیں گے تو دوپہر کو پہنچ سکیں گے"۔ وہ کہہ کر رکی نہیں بلکہ باہر نکل گئی۔ وہ اس کا ری ایکشن نہیں دیکھنا چاہتی تھی۔ کمرے میں بیٹھے وجدان کا دل کسی نے مٹھی میں جکڑ لیا تھا۔ اس نے موبائل کھولا تو حیدر نے ایڈرس بھیجا ہوا تھا۔ اس کو بیزاری محسوس ہوئی تو موبائل بستر پر پھینک دیا۔ دل ایک دم ہر چیز سے اچاٹ ہو گیا تھا۔ وارڈروب سے کپڑے نکالتا وہ واش روم میں گھس گیا۔

---**---

صبح ہوئی اور حسبِ معمول وہ نماز پڑھ کر باورچی خانے کی طرف بڑھی۔

"چائے بنا رہی ہوں جس نے بنوانی ہے بتا دیں"۔ صالحہ کچن میں بڑھی تو رفاہ وہاں پہلے ہی کھڑی تھی۔

"تم کب آئی؟"۔ اس نے مسکرا کر پوچھا۔

"ابھی تھوڑی دیر پہلے"۔ رفاہ مبہم سا مسکرائی۔

"موسم بہت اچھا ہو رہا ہے نا؟"۔ صالحہ نے کچن کی کھڑکی سے باہر جھانکا۔

"باجی مجھے لگتا ہے بارش ہو جائے گی"۔ وہ بھی باہر جھانکنے لگی۔۔۔

"اتنا مت جھانکو کہ کھڑکی سے ہی باہر گر جاؤ"۔ صالحہ نے ہنستے ہوئے اسے پیچھے کیا۔ رفاہ بھی مسکرا دی۔

"تمہارے شوہر کی بینڈ بجا دی میں نے۔۔۔"۔ وہ ہنستے ہوئے بولی تو رفاہ خاموش ہو گئی۔

"مجھے ان سے بہت ڈر لگتا ہے"۔ وہ چائے کا پانی چڑھاتے ہوئے بولی۔

"کیوں؟"۔ صالحہ کو زیادہ حیرانی نہیں ہوئی۔

"آپ کو نہیں لگتا؟"۔ اسے الٹا اس پر حیرت ہوئی۔

"پہلے لگتا تھا مگر اب نہیں"۔ وہ دھیما سا مسکرائی۔

"رفاہ محسوس کرو۔۔۔ مٹی کی خوشبو آ رہی ہے۔۔۔ آج بارش ہو جائے گی ان شاء اللہ"۔

رفاہ نے اس کی بات پر دل سے آمین کہا۔

"میری چائے کہاں ہے؟"۔ سمیعہ تائی کی آواز آئی تو رفاہ کانپنے لگی اور جلدی جلدی ہاتھ چلانے لگی۔ اس کی حرکت نوٹ کرتے ہوئے صالحہ نے آواز لگائی۔

"تائی میں بنا رہی ہوں سب کی ساتھ چائے"۔

"نہیں وہ میری بنائے گی اور اگر بدذائقہ چائے ہوئی تو بار بار بنائے گی"۔ وہ دانت پیس کر بولیں۔ صالحہ نے رفاہ کو دیکھا جس کے چہرے کا رنگ بدل گیا تھا۔ وہ پتیلی میں پانی بھرنے لگی تو صالحہ نے نلکا بند کر دیا۔ آٹھ بجنے لگے تھے۔

"چھوڑ دو! میں دیکھ لوں گی"۔ کہتے ساتھ ٹرے نکالی اور چائے چھاننے لگی۔ صالحہ نے چائے ٹرے میں سجا کر سب کو پیش کی۔ سمیعہ تائی کو آگے بڑھائی مگر انہوں نے بھنویں اچکا کر حیرت سے اسے دیکھا۔

"رفاہ کہاں ہے؟ وہ چائے نہیں لائی میری؟"۔ ان کی آواز میں صاف غصہ تھا۔

"نہیں۔۔۔ میں نے منع کر دیا تھا اسے۔۔۔ اس کی طبیعت بھی ٹھیک نہیں تھی اور دو دفع چائے کیوں بنے تو میں نے اسے روک لیا۔ زخم بھرے نہیں ہیں اس کے ابھی"۔ وہ کہہ کر خاموش ہو گئی اور چائے کی پیالی سامنے میز رکھ دی۔۔۔ تائی کو ایک دم غصہ آیا۔ وہ جھٹکے سے کھڑی ہوئیں تو میز کو جھٹکا لگا اور پیالی گر کر ٹوٹ گئی۔ رفاہ باہر باورچی خانے کے دروازے پر فق رنگت لیے کھڑی تھی۔ پیچھے زینے اترتے ہوئے شرجیل نے سب دیکھا تھا۔ تائی اس کی طرف بڑھیں تھی۔ صالحہ حالات کو سمجھنے کی کوشش کرنے لگی۔ انہوں نے رفاہ کو مارنے کے لیے ہاتھ ابھی اٹھایا ہی تھا کہ پیچھے سے شرجیل کی آواز گونجی۔

"رک جائیں تائی"۔ تائی کا ہاتھ ہوا میں رک گیا۔ انہوں نے گردن موڑ کر شرجیل کو دیکھا جو آخری زینے پر کھڑا تھا۔

"فوراً اپنے کوارٹر میں جاؤ رفاہ"۔ اس کی رعب دار سخت آواز گونجی تو رفاہ کا دل حلق میں آگیا۔ وہ یک ٹک لرزتی پلکوں سے اسے دیکھنے لگی۔

"تمھیں سمجھ آرہی یا وہاں آکر بتاؤں؟"۔ وہ اس بار دانت پیس کر بولا تھا۔ آنکھیں کی تپش رفاہ کو اپنی جلد میں گھستی محسوس ہوئی۔ اس کی آنکھوں میں آنسو آ گئے اور وہ بھاگتے ہوئے ہیڈکوارٹر میں چلی گئی۔

تائی اسے حیرت سے دیکھنے لگیں۔ وہ رکا نہیں بلکہ لاؤنج پار کرنے لگا۔ جاتے جاتے صالحہ کے سامنے رکا ضرور تھا۔

"

شروعات کیسی لگی؟"۔ وہ مدھم آواز میں سنجیدگی سے پوچھ رہا تھا۔ صالحہ نے ایک نظر سب کو دیکھا اور پھر اسے دیکھا جو سامنے دیکھتے ہوئے اس کے جواب کا انتظار کر رہا تھا۔ اس نے رفاہ کو تائی سے بچا لیا تھا۔ صالحہ نے اثبات میں سر ہلایا جیسے کہہ رہی ہو شروعات اچھی کی گئی ہے۔ وہ ہلکا سا ہنسا اور سر جھٹک کر آگے بڑھ گیا۔ ثریا بے یقینی سے حالات سمجھنے کی کوشش کر رہی تھی۔۔۔ اسے یقین نہیں آیا کہ شرجیل اپنی بیوی کے لیے بولا ہے۔ ایک ایسا شخص جو ہمیشہ داجی کے فیصلوں پر سر جھکاتا ہوا آیا ہے۔ صالحہ کے چہرے پر جاندار مسکراہٹ آئی اور وہ زینے چڑھتی چلی گئی۔

*** ۔۔۔ ۔۔۔

وہ آئینے کے سامنے کھڑا ٹائی پہن رہا تھا۔ اس کا دل ایک دم اچاٹ ہو چکا تھا۔۔ اس بھری ہوئی دنیا سے دل بیزار ہو چکا تھا۔۔۔ وہ کیسے کہے اسے نہیں جانا! وہ کیسے کہے وہ قربانی دینا نہیں چاہتا۔۔ وہ عورت اس کے دل میں بسی ہوئی ہے۔ وہ کیسے اس کی یاد دل موڑ لے؟ اس کے اندر ایک لاوا بن رہا تھا۔۔۔ اس کا دل چاہا کہ کھلے آسمان کے نیچے وہ تنہا ہو اور وہ اپنے دل کی آواز چیخ چیخ کر نکالے۔۔۔

آنکھیں شدتِ ضبط سے سرخ ہو رہی تھیں۔ وہ مڑا اور اپنا تکیہ زمین پر پھینک دیا، لحاف اور بستر کی چادر الٹ دی اور پھر بھی دل نہیں بھرا تو وہ پوری قوت سے چیخنے لگا۔۔۔

بازو والے کمرے میں سوتی وجیہہ کی آنکھ سہم کر کھلی۔۔۔

وجدان کو لگا کہ اب اس کا دل مطمئن ہو گیا ہے تو وہ پھولتی سانسوں اور نڈھال چہرے سے آئینے کے سامنے آ کھڑا ہوا۔ بلیک شرٹ پر اسی رنگ کا کوٹ اور بلیک پینٹ تو وہ پہلے ہی پہنا ہوا تھا۔۔۔ اب بندھی ہوئی کالی ٹائی ٹھیک کرنے لگا۔۔۔ اس کی تیاری مکمل تھی۔ موبائل اور والٹ جیب میں رکھتے ہوئے ایک نظر بال دیکھے اور چابی اٹھاتا ہوا نیچے جانے لگا۔ باہر جانے کے لیے دروازہ کھولا تو سامنے وجیہہ کھڑی تھی۔۔۔ وجدان نے پلٹ کر گھڑی دیکھی تو نو بج رہے تھے۔

"تم نے تو چھٹی کی تھی تو اتنی جلدی کیوں اٹھ گئی پھر؟"۔ وہ حیرت کا مظاہرہ کرتے ہوئے پوچھنے لگا اور باہر آگیا۔ وجیہہ خاموش رہی۔ وہ سوچنے لگی کہ وہ چیخا کیوں تھا۔۔۔

"کیا ہوا؟؟۔۔۔ او اچھا اچھا میری چیخنے پر اٹھی ہو؟۔ او سوسوری وہ چوہا تھا کمرے میں تو پہلی نظر میں تو میری بھی چیخیں نکل گئیں، مگر پھر میں نے ماردیا ہے اسے۔۔۔ جاؤ تم سوجاؤ۔۔ میں حویلی کے لیے نکل رہا ہوں۔ ہوسکتا وہاں سے آفس چلا جاؤں پھر رات میں ہی گھر آؤں"۔ وہ مسکراتا ہوا بتا رہا تھا گویا اسے مطمئن کر رہا تھا۔۔۔ اس نے ایک بار پھر اس کا چہرہ دیکھا جو سنجیدگی سے اسے دیکھ رہی تھی۔ دونوں کی نظریں ملیں اور وہ بھی بولتے بولتے چپ ہوگیا۔

"اچھا میں جا رہا ہوں"۔ کچھ لمحے رک کر نظریں چراتا کر کہتا ہوا وہ مڑگیا۔ گاڑی میں بیٹھ کر چابی لگائی اور بددلی سے گاڑی اسٹارٹ کرکے نکال کر باہر لے آیا۔

چلو آج کا دن بھی گزر جائے گا۔ وہ سوچ کر خود کو تسلیاں دینے لگا۔

۔۔۔★★۔۔۔

"داجی وہ آنے والے ہیں۔۔۔"حیدر نے اطلاع دی تو داجی نے اثبات میں سر ہلایا۔

دوپہر کا ایک بجنے لگا تھا۔

www.urdunovelsmania.com

"ہم نے پورا انتظام کر رکھا ہے۔ ایک بات یاد رکھنا حیدر۔۔۔ ہم مان گئے ہیں کیونکہ ہمیں کوئی مسئلہ نہیں ہے۔ مگر شادی کی تاریخ ہم دیں گے"۔ وہ سفید کر کراتا کرتا شلوار پہنے ہوئے تھے اور اس پر ہلکی براؤن شال۔

"جی داجی۔۔۔ سب آپ کے مطابق ہوگا"۔ اس کے لیے اتنا ہی بہت تھا کہ داجی مان گئے۔ سب مرد اکھٹا تھے اور عورتیں بے خبر تھیں کہ کون آرہا ہے. جس کے لیے اتنی صفائیاں کروائی گئی ہیں۔

صالحہ نے حیرانی سے سب دیکھ رہی تھی۔ وہ باغ میں رفاہ کے ساتھ کھڑی تھی۔۔۔

"رفا۔۔۔ ہم باورچی خانے کے سارے کام ابھی کر لیتے ہیں تاکہ بعد میں بارش کے مزے لے سکیں"۔ وہ آسمان کو دیکھنے لگی جہاں کالی گھٹا چھائی ہوئی تھی۔

"ہاں باجی۔۔۔مجھے بھی لگتا ہے کہ کچھ دیر بعد بارش شروع ہو جائے گی"۔ وہ بھی مٹی کی خوشبو سونگھ رہی تھی۔

"چلو پھر جلدی سے اندر آجاؤ"۔ وہ تیز چلتی ہوا سے خود کو محفوظ کرتی اس کا ہاتھ پکڑتی اندر بڑھ گئی۔

آدھے گھنٹے بعد ایک عجیب شور مچا۔۔

"مہمان آگئے۔۔ مہمان آگئے"۔

چوکیدار نے دروازہ کھولا اور ایک کالی گاڑی اندر آکر پارک ہوئی۔ گاڑی میں بیٹھا وہ شخص اندر سے ہی حویلی کا باہر کا نظارا کرنے لگا۔ گلاسز آنکھوں سے اتار کر ڈیش بورڈ پر رکھے اور گہری سانس لیتا گاڑی سے اترنے لگا۔

---★★---

.DON'TCOPYPASTEWITHOUTMYPERMISSION

زنجیر از قلم عینا بیگ

قسط ۱۰

"اندر آجائیں آپ"۔ ملازم اسے کہتا لاؤنج کی راہ دکھانے لگا۔ وہ باغ سے ہوتے ہوئے لاؤنج میں داخل ہوئے۔ وہ لاؤنج اس وقت خالی تھا۔ وجدان بڑے صوفے پر بیٹھ گیا۔ تھوڑی ہی دیر میں داجی اور ان کے دو بیٹے اندر داخل ہوئے۔ سلام کیا اور بیٹھ گئے۔

"کیسے ہو برخوددار"۔ داجی کو وہ پہلی نظر میں بہت اچھا لگا تھا۔

"الحمدوللہ"۔ اس نے ٹھہر کر جواب دیا۔

"تم یہاں اپنی بہن کے لیے آئے ہو جہاں تک مجھے حیدر نے بتایا ہے"۔

وجدان نے نگاہیں اٹھا کر سامنے بزرگ کر دیکھا جنہیں سب داجی کہہ کر پکار رہے تھے۔

"بہن کے رشتے کے سلسلے میں"۔ اس نے ان کی آنکھوں میں دیکھتے بات کی تصیح کی۔

"بات تو ایک ہی ہے۔ ہم امید کرتے ہیں تم ہمارے رسم و رواج سے واقف ہو گے"۔ داجی نے صاف وٹہ سٹہ کی بات کرنی چاہی۔

"جی انکل۔ اس نے وٹہ سٹہ کے متعلق بتا دیا تھا۔۔ اور ہاں میں راضی ہوں"۔ اس نے یہ کہتے ہوئے اپنا دل سخت کیا تھا۔ وہ ان کو جانچنا چاہتا تھا۔ اسے اپنی بہن دینی تھی یہاں اور وہ ان کے رویے معلوم کرنا چاہتا تھا۔

"یہ رسم و رواج ہمیشہ سے چلی آ رہی ہے ہمارے خاندان میں اور ہم اس سے منہ نہیں موڑتے"۔ کبیر صاحب حویلی کے اصولوں کے بارے میں تفصیل سے بتانے لگے۔ وہ اس سب میں کچھ نہ بولا سوائے اثبات میں سر ہلانے کے۔

"ہم عورتوں کو زیادہ آگے پڑھانے خلاف ہیں کیونکہ اس سے وہ باغی ہو جاتی ہیں"۔ یہ بات داجی نے جان بوجھ کر کہی تھی۔۔۔

داجی کی اس بات پر وجدان انہیں آنکھیں پھاڑے دیکھنے لگا۔

"کیسی بغاوت؟"۔ اس نے یک ٹک تینوں کو دیکھا۔

"وہ خاندان سے منہ موڑ لیتی ہیں اور اپنے فیصلوں کا اختیار خود رکھنے کی کوشش کرتی ہیں"۔ داجی کے لہجے میں حقارت تھی۔

"میری بہن بھی بہت آگے تک پڑھ رہی ہے اور اس میں تو کسی قسم کی بغاوت نہیں پیدا ہوئی۔۔۔ کیا وہ آپ کو قبول ہوگی؟"۔ وجدان نے ایک آئبرو اچکا کر پوچھا۔ اسے خوف محسوس ہو رہا تھا کہ اس کی بہن یہاں کیسے رہے گی؟۔ ایسے لوگوں کے درمیان جو عورتوں کو ترقی ہی کرنے نہیں دیتے۔

"نہیں! یہ سن کر تو بلکل بھی نہیں کہ تم صالحہ سے شادی کرنے پر راضی ہو"۔

وجدان ان کے جواب سے مطمئن نہ ہو پایا۔

ملازم نے اندر آکر چائے کی ٹرے رکھی اور چلا گیا۔

"باتیں تو بہت ہوگئی ہیں۔ آپ مجھے شادی کی تاریخ بتا دیں تاکہ ہماری طرف سے بھی تیاری شروع ہو جائے"۔ وجدان نے بڑھ کر چائے کا کپ ہاتھوں میں تھاما۔

"اگلے ہفتے ایک چھوٹی سی تقریب کردیں گے نکاح کی"۔ داجی نے اپنا فیصلہ سنایا۔

"اگلے ہفتے؟ اتنی جلدی؟"۔ وہ ششدر رہ گیا۔

"ہاں برخودار۔۔ اگلے ہی ہفتے"۔ ان کے لہجے میں ایک رعب تھا۔

"اور کہاں پر ہوگی یہ تقریب؟"۔ وجدان کا اس حویلی میں دم گھٹنے لگا۔

"حویلی میں"۔ کبیر صاحب کی اس بات پر وجدان نے تیزی سے نفی میں سر ہلایا۔

"آپ کو لگتا ہے میں اپنی بہن کو عروسی جوڑے میں حویلی لے کر آؤں گا تاکہ نکاح ہو سکے؟ پہلے وہ دلہن بنے گی پھر سفر کرتے ہوئے حویلی آئے گی؟ نکاح کے بعد حویلی لے جائیے گا۔ آپ کو بھی میری ایک شرط ماننی پڑے گی۔۔۔ شادی شہر میں ایک قریبی ہال میں ہو گی۔۔۔ ہال کا خرچہ سب میں پورا کر دوں گا مگر یوں میں اپنی بہن کو دلہن بنا کر دنیا کو دکھاتے ہوئے شہر سے گاؤں نہیں لاؤں گا"۔ وہ اپنا اٹل فیصلہ سناتے ہوئے بولا۔

داجی خاموش ہو گئے۔ وہ ان کی خلاف ورزی کر رہا تھا مگر انہیں اس وقت خود کو یہ سب ہونے دینا تھا۔

"شرط قبول ہے تمہاری۔ تمام اہتمام پھر تمہاری جانب سے ہوں گے۔ حیدر کو شہر کی تقریب کے بارے میں بتا دینا۔ ہم پہنچ جائیں گے"۔ وہ مان گئے تھے۔

باہر اچانک آواز آئی تو وجدان نے لاؤنج کے کھلے گیٹ کے باہر دیکھا جہاں باغ کا تھوڑا حصہ نظر آ رہا تھا۔ بارش شروع ہو چکی تھی اور باہر سے لڑکیوں کی آوازیں آ رہی تھیں۔۔

اس نے نگاہیں پھر سے داجی پر مرکوز کر لیں۔

"آنے والے ہفتے کو تمہارا اور صالحہ کا نکاح ہو جائے گا اور ساتھ میں تمہاری بہن اور حیدر کا بھی"۔ انہوں نے بات مکمل کرنی چاہی۔

وجدان کو شادی کے لفظ سے کوفت ہو رہی تھی۔ وہ اٹھ کھڑا ہوا۔

"ٹھیک ہے مجھے منظور ہے"۔ وہ کہتا اٹھ کھڑا ہوا۔ اس گفتگو نے اس کا ایک گھنٹہ لے لیا تھا۔

"کھانے کا اہتمام بھی شامل ہے اس گفتگو میں"۔ داجی کا لہجہ ایسا تھا جیسے کھانے کا پوچھ کر احسان کر رہے ہوں۔

"جی نہیں شکریہ"۔ وہ اٹھ کھڑا ہوا۔ حیدر لاؤنج سے اندر داخل ہوا۔

"آپ اتنی جلدی جا رہے ہیں؟"۔ اسے اتنی جلدی جاتے دیکھا تو حیدر کو لگا کہ داجی نے کوئی ایسی بات کہہ دی ہے جس سے وجدان خفا ہو گئے۔

"بارش تیز ہو رہی ہے اور مجھے جلد از جلد شہر جانا ہے"۔ وہ بنا تاثر دیے لاؤنج سے باہر بارش دیکھنے لگا۔

"او اچھا۔۔۔ تو۔۔ وہ تاریخ کب کی طے ہوئی؟"۔ وہ ہکلاتے ہوئے پوچھنے لگا۔

"آنے والے ہفتے کی"۔ وجدان نے اس کی آنکھوں میں دیکھ کر بتایا۔

"شہر میں یا یہیں؟"۔ اس نے وقفے سے پھر پوچھا۔

"شہر میں۔۔۔ تمام اہتمام میں کر دوں گا۔ آپ صرف اپنی تیاری مکمل رکھیں۔۔۔ میسج پر تمہیں تقریب کا مقام بھی دیدوں گا"۔ وہ قدم باہر کی طرف بڑھاتے ہوئے بولا۔ حیدر اس کے سامنے کھڑا ہوا۔

"آپ مطمئن ہیں نا؟"۔ یہ سوال حیدر کے دماغ میں کھٹک رہا تھا۔

"اگر نہیں ہوتا تو بھی شادی ہونی ہے۔۔۔ آپ سے ملاقات ہوتی ہے ہفتے کو"۔ وجدان نے آگے ہاتھ بڑھا کر اسے اللہ حافظ کہا اور باہر نکل آیا۔

"آئیں میں گیٹ تک چھوڑ دوں"۔ وہ اس کے پیچھے آنے لگا۔ وہ لاؤنج سے باغ میں داخل ہوئے جہاں دو لڑکیاں پوری چادر میں خود کو محفوظ کیے بارش کا مزا لے رہی تھیں۔

"رفاہ بارش اور تیز ہو گئی ہے"۔ وجدان کے کانوں تک آواز پہنچی تو اس کے قدم بے اختیار رک گئے۔۔ اس کے پیچھے حیدر بھی حیرت سے رک گیا۔

وہ پہچانتا تھا اس آواز کو۔۔ اس کنچی آنکھوں والی لڑکی کو! وہ اس کی عزت بننے والی تھی اور یہ احساس بھی عجیب تھا۔ وہ پل بھر کو رک کر اسے دیکھنے لگا۔۔۔ صالحہ نے بے دھیانی میں گردن موڑی تو وہ پیچھے ہی کھڑا تھا۔۔۔ صالحہ کی سانسیں پل بھر کو رکی تھیں اور وہ شخص آگے بڑھ گیا۔

"یہ کون تھے صالحہ باجی؟"۔ رفاہ چلتے ہوئے اس کے قریب آئی۔ بارش کی بوندیں ان پر تیزی سے گر رہی تھیں اور وہ خاموش کھڑے تھے۔۔۔ صالحہ سن ہو گئی تھی۔

"یہ وہی تھے جن سے شہر میں ویر نے ملاقات کی تھی۔۔۔ مگر۔۔۔ یہ یہاں کیوں آئے ہیں؟"۔ اسے پریشانی ہونے لگی۔ حیدران کو دروازے تک چھوڑ کر پلٹا تھا اور صالحہ کو خاموش کھڑا دیکھتا ہوا نظریں چراتا آگے بڑھ گیا تھا۔

"باجی ژالہ باری ہورہی ہے"۔ رفاہ کی آواز میں بلا کی خوشی تھی۔۔۔ صالحہ کے چہرے پر خوشی کے جذبات دوبارا نمودار ہوئے اور وہ آسمان کو تکنے لگی۔ یہاں داجی نہیں تھے ورنہ ان دونوں کی اب تک شامت آچکی ہوتی۔۔۔

رفاہ اب تیز بارش میں جھوم رہی تھی۔ وہ ایک پیاری سی چھوٹی لڑکی تھی۔۔۔ جسے صالحہ کی طرح بارشوں سے بہت لگاؤ تھا۔ ایک نادان سی گھنی پلکوں اور لمبے بالوں والی لڑکی تھی جو کہ بہت کم عمر تھی۔ وہ یہ نہیں جانتی تھی کہ اسے کوئی دیکھ رہا ہے۔ وہ جھومتے جھومتے مڑی تو اس کی رنگت فق ہوگئی۔ وہ بنا کوئی تاثر دیے اسے ہی دیکھ رہا تھا۔ صالحہ نے اس کی نگاہوں کے تعاقب میں دیکھا تو شرجیل کھڑا تھا۔ اس نے کچھ نہیں کہا۔ شرجیل سنجیدگی سے رفاہ کو دیکھتا مڑ گیا اور رفاہ کا دل حلق میں آگیا۔

"چلیں باجی اندر چلتے ہیں"۔ وہ اس کا ہاتھ پکڑتی بولی۔

"ہاں بارش بھی ہلکی ہوگئی ہے"۔ اس نے انکار کرنا مناسب نہ سمجھا۔

"میں اپنے کوارٹر میں جارہی ہوں کیونکہ میں مکمل بھیگ چکی ہوں باجی"۔ رفاہ کی بات پر صالحہ نے اسے گردن موڑ کر دیکھا جو کالے کپڑوں میں مکمل بھیگ چکی تھی۔ وہ ونی تھی اس لیے اس کے پاس اسی رنگ کا جوڑا تھا۔ صالحہ اثبات میں سر ہلاتی اندر مڑ گئی۔ کمرے میں جا کر اس نے کپڑے تبدیل کیے اور سکھاتی نیچے آگئی۔ شام ہونے کو تھی۔ بادل چھٹ رہے تھے اور قریب ہی سورج نکلنے والا تھا۔ وہ باورچی خانے میں داخل ہوئی۔

"شام کی چائے بنا دیں شاہ جی"۔ اس نے پتیلیوں میں جھانک جھانک کر شاہ جی کو کہا۔

"ساجد شام کی چائے بناؤ حویلی والوں کے لیے"۔ انہوں نے پیچھے بیٹھے دوسرے باورچی کو حکم دیا۔ صالحہ خاموش ہوگئی۔ شاہ جی تمام باورچیوں کے سربراہ تھے۔

"کیا ہوا صالحہ بی بی؟ آپ کیوں مرجھا گئیں؟"۔ شاہ جی نے اس کے تاثرات نوٹ کرتے ہوئے پوچھا۔

"کیا آپ چائے نہیں بنا سکتے؟ آپ اچھی بناتے ہیں"۔ اس نے التجا کرتے ہوئے پوچھا۔

شاہ جی اس معصوم سی لڑکی کو التجا کرتے دیکھا تو مسکرا دیے۔

"کیوں نہیں بنا سکتا۔۔ ضرور بنا سکتا ہوں بی بی۔۔۔ اب آپ نے اپنی خواہش کا اظہار کیا ہے تو میں کیسے انکار کر سکتا ہوں"۔ صالحہ کی آنکھیں چمک اٹھیں۔

"مجھے آپ کے ہاتھ کی چائے بہت پسند ہے شاہ جی"۔ وہ اپنے ہاتھ میں پہنی چوڑیوں کو آگے پیچھے کرتے ہوئے بے خودی سی بولی۔

"مجھے یہ سن کر اچھا لگا میری دھی۔ اب لگتا ہے روز چائے مجھے ہی بنانی پڑے گی"۔ وہ محبت سے مسکراتے ہوئے پتیلی چولہے پر چڑھانے لگے۔

"آپ کو پتا ہے شاہ جی میرا کل رزلٹ آیا تھا اور سوائے ایک دو کے کسی نے مجھ سے ابھی تک یہ نہیں پوچھا کہ کیا ہوا صالحہ پاس ہو گئی؟"۔ وہ ان کی آنکھوں میں آنکھیں ڈالے بات نہیں کر رہی تھی۔ بلکہ اس پتیلی کو دیکھ رہی تھی جسے شاہ جی نے تھوڑی دیر پہلے چڑھائی تھی۔

وہ اس کا چہرہ تکتے رہے۔

"دوسروں کا مجھے علم نہیں ہے مگر میں نے اس لیے نہیں پوچھا تھا کہ مجھے علم تھا آپ کے پاس ہونے کا"۔ وہ خفیہ انداز میں مسکرائے۔

"آپ کو معلوم ہے؟"۔ وہ حیران ہوئی۔

"اگر مجھے معلوم نہ ہوتا تو میں یہ تحفہ کیسے دینے کا سوچتا؟"۔ انہوں نے اپنی جیب سے ایک بریسلٹ نما چیز اس کے ہاتھ میں رکھی۔ صالحہ نے اسے بہت غور سے دیکھا۔ وہ ایک خبصورت سا چاندی رنگ کا بریسلٹ تھا جس پر گولڈن موتی لگے تھے۔

"یہ تو بہت خوبصورت ہے شاہ جی، لیکن یہ مہنگا لگتا ہے"۔ اس نے دونوں بھنویں ملا کر بتایا۔ شاہ جی نے مسکرا کر اثبات میں سر ہلایا۔

"انمول چیزیں انمول لوگوں کو دیا کرتے ہیں۔ میرے پاس ایک اور ہے! مگر وہ میں نے کسی اور کے لیے رکھا ہے"۔ وہ کسی کو سوچ کر مسکرا دیے۔

"کس لیے شاہ جی؟"۔ وہ اب انہیں انہماک سے دیکھ رہی تھی۔

"ایک اور خاص بندے کے لیے۔۔۔"

چہرے پر دل چھو لینے والی مسکراہٹ برپا ہوئی۔

"کیا میں بھی آپ کے لیے خاص ہوں؟"۔ وہ متحیر ہوئی ان کی باتوں میں کھو سی گئی تھی۔

"ہاں۔۔۔"۔ وہ ساتھ ساتھ کام بھی کر رہے تھے۔

"آپ دل موہ لینے والی باتیں کرتے ہیں شاہ جی"۔ اس نے سر جھٹکا۔

"اچھا؟ مجھے کبھی معلوم نہیں ہوا یا پھر یہ میری دل کی آواز ہے"۔

"آپ نے کبھی شادی کیوں نہیں کی شاہ جی؟"۔ یہ وہ سوال تھا جس پر وہ پل بھر کے لیے خاموش ہوئے تھے۔ وہ اس چھوٹی سی افشاں کو کیا بتائے۔۔

"تم جاننا چاہتی ہو؟"۔ انہوں نے بھنویں اچکا کر پوچھا تو صالحہ نے اثبات میں سر ہلا دیا۔

"بتاؤں گا تمہیں! بہت جلد بتاؤں گا تمہیں کہ میں نے شادی کیوں کی"۔ وہ کہہ کر چپ ہو گئے۔

"مجھے اچھا لگا سن کر کہ میں آپ کے لیے خاص ہوں ورنہ اس حویلی میں پھپھو کے علاوہ میں کسی کے لیے خاص نہیں شاید"۔ وہ اداسیوں کے سمندر میں ڈوب رہی تھی۔ اس نے وہ بریسلیٹ ہاتھ میں پہن لیا۔ شاہ جی کا دل کسی نے گویا مسل دیا تھا۔

"یہ بریسلیٹ بہت خوبصورت ہے شاہ جی۔۔۔ میں اسے ساری عمر سنبھال کر رکھوں گی۔ اس لیے بھی تاکہ مجھے یاد رہے کہ میں کسی کی نظروں میں خاص ہوں"۔ وہ مسکرائی اور باہر نکل گئی۔ ایک چھوٹے سے تحفے نے اسے بے حد خوش کر دیا تھا۔ اور شاہ جی خود کا تیار کر رہے تھے۔ وہ اب چاہتے تھے کہ صالحہ جان لے کہ انہوں نے شادی کیوں نہیں کی۔۔۔

---★★---

شام کی چائے پر آج سب ہی ایک ساتھ لاؤنج پر بیٹھے تھے۔۔۔ تھوڑی ہی دیر میں دادی لاؤنج میں آئے تو سب خاموش ہو گئے۔ صالحہ اپنا بریسلیٹ ثریا کو دکھانے میں مصروف تھی۔

"آج کے آنے والے مہمان بہت خاص تھے ہمارے لیے"۔ داجی نے بات کا آغاز کیا۔ صالحہ نے لفظ "مہمان" سنا تو کان کھڑے کر لیے۔ شبیر صاحب خاموش بیٹھے تھے کیونکہ جو بات داجی بتانے لگے تھے اس سے ان کی بیٹی کا دل ضرور ٹوٹنے والا تھا۔

"ہم نے صالحہ کا رشتہ پکا کر لیا ہے۔ کبیر تمہیں اعتراض تو نہیں؟"۔ انہوں نے گردن موڑ کر پیچھے بیٹھے ہوئے بیٹے سے پوچھا۔ لوازمات سے بھری ٹرے سجاتے اندر آتے شاہ جی کے ہاتھ سے ٹرے لڑکھڑائی۔ داجی ماتھے پر بل ڈال کر انہیں دیکھا تو وہ معذرت کرتے میز پر ٹرے رکھ کر کچن کے پاس جا کھڑے ہوئے۔۔ وہ ان کی گفتگو سننا چاہتے تھے۔

"آپ کے آگے ہماری بات ہی کہاں ٹھہرتی ہے ابا جان!"۔ وہ تو تھوک نگلتے ہوئے بظاہر مسکرائے اور صالحہ کی جانب دیکھنے لگے جس کا چہرہ سفید لٹھے کی مانند ہو رہا تھا۔ "مجھے کوئی مسئلہ نہیں ہے"۔ انہوں نے یہ الفاظ صالحہ کی رنگت دیکھتے ہوئے کہے تھے۔ ثریا ماتھے پر بل ڈالے داجی کا چہرہ دیکھ رہی تھی۔ لاؤنج میں سکوت کا عالم چھا گیا۔ حیدر کا دل چاہا کہ وہاں سے اٹھ کر چلا جائے۔

"ہم جانتے ہیں تم ہمارا کہا کسی صورت نہیں ٹال سکتے"۔ انہوں نے اکڑ سے گردن اٹھائی۔ طلعت نے اپنے شوہر کبیر کو دیکھا جو بڑی آسانی سے داجی کا فیصلہ مان گئے تھے۔

"ہم نے صالحہ کا رشتہ اس لڑکے سے طے کر دیا ہے جو دوپہر میں آیا تھا اور حیدر کا رشتہ اس کی بہن سے! نکاح کے ساتھ رخصتی کی تقریب آنے والے ہفتے کو ہو گی"۔ ثریا کی رنگت اڑی تھی اور صالحہ کو اپنے گرد اندھیرا محسوس ہوا تھا۔ کچھ لمحوں کی خاموشی چھا گئی۔ وہ ایسے کسی کے ساتھ رشتہ کیسے جوڑ سکتے ہیں جبکہ وہ جانتے ہیں کہ وہ ارحم کی منگیتر رہ چکی اور ارحم کو مرے دو ہفتے بھی نہیں ہوئے۔

"میں نہیں کروں گی شادی داجی۔ ایسا ظلم مت کریں۔ میں نے تو آپ کی ہر بات مانی ہے آپ بھی میری بات مان لیں مجھے شادی نہیں کرنی خدارا داجی!"۔ اسے نہیں معلوم کہ وہ کب چیخی تھی۔ طلعت نے غم سے اپنے پیشانی پر ہاتھ مارا تھا۔

"داجی میں آگے پڑھنے کا بھی نہیں کہوں گی۔ میں نہیں روں گی اور آپ جو کہیں گے میں وہی کروں گی مگر یوں نہ کریں!"۔ وہ پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی۔

کبیر بٹ کا دل کسی نے اپنی مٹھی میں لے لیا تھا۔ شرجیل نے کچن کے دروازے پر کھڑی رفاہ کو دیکھا جو آنکھوں میں آنسو لیے صالحہ کو دیکھ رہی تھی۔

"خاموش لڑکی اگر اتنا ہی ظلم ہو رہا ہے تم پر تو ہمیں نہیں اپنے ویر سے کہو جس نے تمہارے نکاح کا خیال پہلے ہی دماغ بنایا ہوا تھا وہ اس شہری لڑکی کو پسند کرتا ہے۔ وہ جانتا تھا کہ اس کی شادی تب تک اس لڑکی سے نہیں ہو گی جب تک تمہارا نکاح اس کے

بھائی سے نہیں ہوگا!۔ حیدر اس لڑکے سے جس کا نام وجدان ہے اس سے پہلے ہی تم سے شادی کی بات کرچکا ہے ہے ہم نے تو رسماً اس سے ملاقات کی ہے! حیدر یہ سب پہلے ہی طے کرچکا تھا"۔ انہوں نے ڈپٹ کر بتایا۔

صالحہ کی رنگت ایک بار پھر بھی اس نے آنکھیں پھاڑ کے بے یقینی سے حیدر کو دیکھا جو زمین کو تک رہا تھا۔

ویر ایسا کیسے کر سکتا ہے؟ نہیں داجی جھوٹ بول رہے ہیں۔۔۔! وہ خود سے خود کو کہہ رہی تھی۔۔۔

صالحہ کے حواس جھنجھنا اٹھے۔ ثریا کی آنکھوں سے ایک آنسو نکلا تھا اور وہ اٹھ کر بغیر حیدر پر ایک نظر ڈالے کمرے میں گئی تھی۔ شاہ زل نے اسے جاتے ہوئے بہت غور سے دیکھا تھا۔ ہاں وہ یہ ضرور چاہتا تھا کہ حیدر ثریا سے دور ہو جائے مگر وہ ثریا کو اداس نہیں دیکھنا چاہتا تھا۔

"شادی کی تیاریاں شروع کردو طلعت! شادی میں زیادہ وقت نہیں۔۔۔" وہ ابھی بات مکمل کر ہی رہے تھے کہ صالح چیخی۔

"میں نہیں کروں گی شادی !میں نہیں بنوں گی قربانی کا بکرا آپ جھوٹ بول رہے ہیں ویر ایسا نہیں کر سکتا۔۔۔ نہیں کر سکتا وہ اپنی بہن کے ساتھ ایسا"۔ وہ پوری قوت سے چیخی۔

حیدر لب بھیچ گیا۔ اس کا دل کٹا جا رہا تھا۔

دا جی تیزی سے اٹھے اور اسے ایک تھپڑ جڑ دیا۔ وہ بل کھا کر زمین پر گرتی اگر اسے شمیلہ چچی اور طلعت نہ پکڑ لیتے۔ سب حیران ہو گئے۔ کبیر تکلیف سے کھڑے ہو گئے مگر کچھ بول نہ سکے۔

"لے کر جاؤ اس کو ورنہ ہم ابھی اس کو قتل کر دیں گے!۔ ہمیں بھلا کیا ضرورت پڑی ہے شہر سے لڑکی لانے کی؟ ہم مانے ہی حیدر کی وجہ سے ہیں! ہم بھی دیکھتے ہیں کیسے نہیں مانتی شادی کے لیے!"۔ وہ قہر آلود لہجے میں کہتے ہوئے اپنے کمرے کی طرف مڑ گئے۔ یہ جانے بغیر کہ وہ شمیلہ چچی کی بانہوں میں بے ہوش ہو چکی تھی۔ شاہ جی کچن کی زمین پر بیٹھتے چلے گئے۔ آنکھ نے آنسو بہائے اور ہونٹ کپکپانے لگے۔ اس قدر بے بس وہ پہلی بار افشاں کی وجہ سے ہوئے تھے اور اب ایسے ہی بے بس وہ اس وقت تھے۔

ظالم وقت!

ناقابلِ یقین لمحے!

---★★---

"کیا بات ہوئی؟"۔ وہ ابھی گاؤں سے لوٹا تھا۔ دماغی طور پر وہ اتنا تھک چکا تھا کہ آفس بھی نہیں گیا تھا بلکہ سیدھا گھر آگیا تھا۔ اتنی لمبی ڈرائیونگ نے اسے تھکا دیا تھا۔

"کیا پانی مل سکتا ہے؟"۔ اس نے تھکے تھکے سے لہجے میں پوچھا۔ وجیہہ کو اپنی غلطی کا احساس ہوا۔ وہ "ابھی لائی" کا کہہ کر کچن سے پانی کا گلاس لے آئی اور اسے تھما دیا۔ وہ اس قدر پیاسا تھا کہ ایک ہی سانس میں گلاس خالی کر گیا۔

"انہوں نے اس ہفتے کی شادی کی تاریخ دی ہے"۔ اس نے گہری سانس لے کر گلاس میز پر رکھا۔

"شادی کی؟ اتنی جلدی؟"اس کی آنکھیں حیرت سے پھٹیں۔

"ہاں انہوں نے یہی تاریخ دی ہے شادی شہر میں ہوگی۔ ایک آخری بار پوچھ رہا ہوں! سوچ لو! میں دیکھ کر آیا ہوں وہاں کے لوگوں کو اور حیدر کے داجی کی سوچ کو! ان کے خیالات ہمارے خیالات سے قطعی ملتے جلتے نہیں"۔ وہ ساتھ ساتھ جوتے بھی اتار رہا تھا۔ اس نے وجیہہ کی آخری بار رضامندی جاننی چاہی۔ وہ کیسے اس کا برا چاہ سکتا تھا؟ وہ اسے اپنی بہن نہیں بیٹی سمجھتا تھا۔

"آپ اس طرح سے اس لیے کہہ رہے ہیں کیونکہ آپ صالحہ سے شادی نہیں کرنا چاہتے!"۔ وجیہہ نے نخوت سے کہا۔ وجدان نے گہری سانس لے کر ہوا میں چھوڑی۔ وہ اس کی بات کا غلط مطلب لے گئی تھی۔

"ایسا کیوں سوچتی ہو؟ اگر ایسا ہوتا تو حویلی ہی نہ جاتا میں"۔ اس نے بے بسی سے اپنی صفائی میں کہا۔

"جب مجھے ہی پرواہ نہیں تو آپ کو کیوں مسئلہ ہے بھائی؟ آج عمر کی اس دہلیز پر کھڑے ہو کر میں نے جانا کہ ماں باپ کا زندہ ہونا کیوں ضروری ہے"۔ وہ کہتے کہتے آبدیدہ ہو کر مڑنے لگی تھی وجدان نے اٹھ کر اسے گلے سے لگا لیا۔ اس نے کیا کیا نہیں کیا تھا اس کے لیے! وہ سوچ رہا تھا کہ اس کی محبت میں کہاں کمی رہ گئی؟۔ ہاں ہو سکتا ہے کمی رہ گئی ہو۔۔۔ کوئی خواہش وہ اس کی پوری نہ کر سکا ہو۔۔۔ وہ اس کا سگا باپ نہیں تھا۔۔۔ وہ اس کا باپ جیسا بھائی تھا مگر سگا باپ نہیں تھا۔

"رومت جیا جان! بھائی کو تکلیف ہوتی ہے نا۔۔۔ روتے نہیں ہیں! آنے والے ہفتے کو شادی ہے تمہاری اور ساتھ میری بھی اور دیکھو! ہم نے کوئی بھی تیاری نہیں کی! جاؤ منہ دھو اور کپڑے تبدیل کرو۔۔۔ جب تک میں فریش ہو جاتا ہوں پھر ساتھ باہر ڈنر بھی کریں

گے اور شاپنگ بھی"۔ وہ اس کی پیشانی چومتے ہوئے محبت سے بولا۔ وہ ویسے ہی کھڑی اپنے آنسو پونچھنے لگی۔

"جانا ہے کہ نہیں؟"۔ وہ جب ٹس سے مس نہ ہوئی تو وہ اس کا چہرہ اپنے ہاتھوں میں بھر کر اونچا کرتے ہوئے پوچھنے لگا۔ وہ اب بھی خفگی دکھاتی چپ رہی اور اس کے گلے لگی رہی۔۔۔

"چلو ٹھیک ہے میں تو موڈ میں تھا اب اگر تمہیں ہی نہیں جانا ہے تو کوئی بات نہیں"۔ وہ اسے خود سے جدا کرتے ہوئے بولا اور مڑنے لگا۔

"نہیں نا" وہ بچوں کی طرح اس کا بازو پکڑتے ہوئے منمنائی۔

"اچھا چلو۔ شاباش اب جاؤ جلدی سے فریش ہو کر آؤ"۔ وہ ہنستا ہوا بولا اور اس کی پیشانی چوم کر اسے خود سے جدا کیا۔ وہ اثبات میں سر ہلاتی کمرے سے چلی گئی۔ اس کے جانے کے بعد وہ چہرہ جس کے لبوں پر وجیھہ سے بات کرتے ہوئے مسکراہٹ تھی وہ اب غائب ہو گئی۔ چہرہ مرجھا گیا اور مسکراہٹ سمٹ گئی۔ دل نے پھر تکلیف کی اور ایک صدا آئی۔۔۔ بہن کے لیے کچھ بھی۔ وہ کتنی دیر آئینے کے سامنے کھڑا رہا وہ نہیں جانتا تھا۔ خود سے خود کا عکس دیکھتے ہوئے وہ تھکا نہیں تھا۔ ہوش تب آیا جب وجیھہ کمرے میں داخل ہوئی اور حیرانی سے اس سے پوچھنے لگی کہ وہ کیوں نہیں تیار ہوا۔ اسے یکدم ہوش آیا۔

"نہیں۔۔وہ۔۔میں سوچ رہا تھا کہ ایسے ہی چلتا ہوں! آنے کے بعد تبدیل کر لوں گا کپڑے"۔ اس نے مسکرا کر اپنے موزے پھر سے چڑھائے اور جوتے پہن کر اٹھ کھڑا ہوا۔ لبوں پر مسکراہٹ جیسے جان بوجھ کر چپکائی تھی۔ اس نے ایک نظر اپنے آپ کو دیکھا۔ آنکھوں کے گرد ہلکے حلقے نمایاں ہو رہے تھے۔ کتنے دن ہو گئے تھے اور نیند پوری نہیں ہوئی تھی۔ صبح والی ڈریسنگ میں وہ اب تک موجود تھا۔ بلاشبہ تھکاوٹ کے باوجود وہ ہینڈسم لگ رہا تھا۔ اس نے بال بنائے اور وجیہہ کے پیچھے پیچھے چل دیا۔ یہ اس کے جینے کی وجہ تھی۔ وہ تھی تو یہ تھا۔ بس یہ سوچ کر وہ اپنی ہر تھکاوٹ اس کے نام کر دیتا تھا۔ وہ اس کا بھائی تھا۔۔۔وہ یہ کر سکتا تھا۔

محبت یوں ہی تھوڑی ہوتی ہے کسی شخص سے۔۔۔

۔۔۔★★۔۔۔

صبح آذان کے وقت اس کی آنکھ کھلی تو ہڑبڑا کر اٹھ بیٹھی۔ گزرا ہوا دن یاد آیا تو سر بھاری ہو گیا۔ ارحم اسے کثرت سے یاد آیا۔ اس کے آنسو بے اختیار آنکھوں سے بہنے لگے۔ قریب آدھا گھنٹا وہ یوں ہی سر گود میں رکھے گھٹ گھٹ کر روتی رہی۔۔۔اسے نہیں کرنی شادی! اسے قربانی کا بکرہ نہیں بننا۔۔۔کیسے اٹھائے وہ اس ظلم کے خلاف آواز؟۔ اس نے جلدی سے اٹھ کر وضو کیا اور نماز پڑھنے کھڑی ہو گئی کہ

وَاسْتَعِیْنُوْا بِالصَّبْرِ وَالصَّلٰوۃِ وَاِنَّهَا لَكَبِیْرَةٌ اِلَّا عَلَى الْخٰشِعِیْنَ ۝

ترجمہ:

صبر اور نماز سے مدد لو، بیشک نماز ایک سخت مشکل کام ہے۔

اس نے نمازِ فجر پڑھی اور اللہ کے آگے دعا کے لیے ہاتھ پھیلائے۔۔۔ آنسو بے ربط بہہ رہے تھے۔ سوچا شروعات کہاں سے کی جائے مگر لبوں سے کچھ نکل ہی نہ پایا۔ وہ اتنا روئی کہ جائے نماز اس کے آنسو خود میں جزب کرنے لگی۔ وقت گزرنے لگا مگر آنسوؤں کے سوا اور کچھ نکلا ہی نہیں۔۔۔ وہ اٹھ گئی جائے نماز سے یہ دعا مانگ کر کہ
"یا اللہ میرے ساتھ صرف وہی ہو جو میرے لیے بہتر ہو۔۔۔" آمین کہتے ہوئے وہ یہ سوچ کر اٹھی تھی کہ اس نے اپنا معاملہ اللہ پر چھوڑ دیا ہے۔

دل ہلکا ہوا تو مرجھائے چہرے پر نماز کی طرح ڈوپٹہ لیتے ہوئے باغ میں آگئی۔ وہ یاد کرنے لگی کہ کیا کیا ہوا تھا۔۔۔ باغ میں لگا ایک بڑا جھولا تھا جس پر وہ بیٹھے پاؤں سے ہلکا ہلکا جھلا رہی تھی۔

حیدر کا خیال آیا تو ایک بار پھر بے یقین ہو گئی لیکن پھر اسے یاد آیا کہ شہر میں ملاقات کے وقت وہ لوگ حویلی رشتہ لانے کی بات کر رہے تھے۔ تو کیا ویر نے مجھے قربان کرنے کا پہلے

ہی تہیہ کر رکھا تھا؟۔ اس کے دل میں یکدم حیدر کے لیے رقابت کے جذبات ہیدا ہوئے اور اس کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔ سات بجنے لگے تھے اور حیرت کی بات یہ تھی کہ آج کوئی عورت جلدی نہیں اٹھی تھی۔

اگر وہ یہی سب چاہتا تھا تو اسے شہر کیوں لے کر گیا؟۔ اس نے ایسا کیوں کیا؟۔ کیا وجہہ وہ ہی لڑکی ہے جس سے حیدر ویر شادی کرنا چاہتا ہے؟۔ اسے محسوس ہوا وہ اس کا بھائی نہیں ہے۔۔۔ وہ ایک ظالم درندہ صفت انسان ہے جس نے اپنی بہن کو اس مقام پر لا کھڑا کیا ہے کہ اس کے آگے کھائی ہے اور پیچھے کنواں۔ اسے یہ بھی یاد آیا کہ کل داجی اور حیدر کی بحث ہو رہی تھی۔ اب اسے سمجھ آیا کہ کس بات پر بحث ہو رہی تھی۔ اس کی آنکھوں سے لگا تار آنسو بہہ رہے تھے۔ وہ آوازوں سے نہیں رو رہی تھی۔ اس کا دل رو رہا تھا اور آنکھیں اپنا کردار ادا کر رہی تھیں۔

ثریا کا خیال آیا تو وہ سوچنے لگی کہ وہ کتنے تکلیف میں ہوگی۔۔۔ حیدر ویر نے اسے ٹھکرا دیا تھا۔۔۔ دل نے ایک دم سوچا کہ صحیح کیا کہ ٹھکرا دیا وہ ثریا جیسی موم سی لڑکی کے قابل بھی نہیں تھا۔ جو اپنی بہن کو جہنم میں پھینک دے اس سے کوئی بعید نہیں کہ وہ کل کو ثریا کے ساتھ کیا کر دے۔ اس نے جھولے کی زنجیر پر اپنا سر ٹکا دیا۔ ایسی ہی کوئی زنجیر اس کے پاؤں پر بھی باندھ دی گئی تھی۔ ایک کٹھ پتلی بنا دیا گیا۔ ایک ناچنے والا جانور بنا دیا گیا تھا جسے

ہر سڑک نچایا جاتا ہے اور لوگ انہیں دیکھ کر مزا لیتے ہیں اور پھر مالک اس جانور کی زنجیر کھینچتا ہے جو پاؤں پر بندھی ہوتی ہے۔ پرندے چہچہا رہے تھے اور دل رو رہا تھا۔ سورج ابھر رہا تھا اور چہرہ ڈھل رہا تھا۔ اسے افسوس تھا۔ اسے افسوس تھا کہ داجی کے آگے اس کا باپ بھی نہیں بولا۔ وہ تو باپ تھا نا! وہ تو بول سکتا تھا۔ وہ حیدر کو ایک تھپڑ جڑ سکتا تھا اور پوچھ سکتا تھا کہ سرِ بازار اس کی بیٹی کی بولی کیوں لگوائی؟۔ وہ تو باپ تھا نا! وہ کہہ سکتا تھا کہ داجی مجھے اپنی بیٹی کے لیے آپ کا یہ فیصلہ نا منظور ہے۔ وہ تو باپ تھا نا! جب اس کی بیٹی چیخ رہی تھی اپنے حق کے لیے تو وہ تڑپ کر اپنی بیٹی کے حق میں تو کہہ سکتا تھا نا۔ مگر وہ خاموش رہا۔ وہ چپ رہا جب داجی نے تھپڑ مارا۔ وہ خاموش رہا جب اس کی بیٹی کو حیدر کے بدلے قربان کرنے کا فیصلہ کیا جا رہا تھا۔

اسے اپنی ماں پر بھی حیرت ہوئی جو خاموش رہی۔۔۔ جو اس کے بیہوش ہونے پر اسے صرف کمرے تک کا سہارا دینے آئی اور پلٹ گئی۔ اسے دکھ ہوا کہ وہ ہی کچھ بول دیتی اپنی بیٹی کے لیے۔۔۔

اسے سب سے زیادہ دکھ اپنے لاڈلے ویر پر ہوا۔ اسے یاد آیا وہ دونوں سڑک کے بیچوں بیچ ہاتھوں میں ہاتھ ڈالے بھاگے تھے۔ وہ اس خوبصورت سی یاد کو کیسے بھول سکتی تھی۔ زندگی میں پہلی بار حیدر نے اس کی پیشانی چومی تھی۔ زندگی میں پہلی بار حیدر نے اس سے مذاق کیے

تھے۔ اس کی ہر خواہش پوری کی تھی تو کیا وہ محض پیار رجتا نا تھا؟ یا پھر آنے والے صدمے کے لیے تیار کرنا تھا؟۔ وہ یہ کیسے بھول گئی تھی کہ وہ بھی حویلی کا ہی مرد ہے! اسے ان جیسا ہی ہونا ہے۔۔۔ وہ کیوں حیدر کی باتوں میں آگئی۔ سب سے زیادہ دکھ اس جان سے پیارے نے اسے دیا تھا۔ صرف اس کی وجہ سے آج اس کی آنکھوں میں آنسو تھے۔ اس کا دل چاہا کہ اس کا گریبان پکڑ کر اسے جنجھوڑ ڈالے۔۔۔ اس سے پوچھے کہ اس نے ایسا کیوں کیا۔۔۔ اس کے ویر نے ایسا کیوں کیا۔۔۔ بھائی تو محافظ ہوتے ہیں نا؟۔ وہ کیوں اسے کھائی میں پھینک رہا ہے۔ اس کی محبت صرف ارحم سے ہے وہ یہ کیوں نہیں جان لیتا۔۔۔ اگر وہ اپنی محبت کے لیے اپنی بہن قربان کر سکتا ہے تو اس کی بہن اپنی محبت کے لیے کیا کرے؟؟۔ اس کی آنکھیں شدتِ ضبط سے لال ہوگئیں۔ باغ میں شاہ جی ٹرے لے کر داخل ہوئے تھے۔ صالحہ کو ان کی موجودگی کا علم بھی نہ ہو سکا۔ وہ اس کے قریب آئے اور چائے کی ٹرے آگے کی تاکہ وہ اپنا کپ اٹھا لے۔ وہ چونک اٹھی اور جلدی جلدی آنسو پوچھنے لگی۔ شاہ جی نے اس کی حرکت بہت غور سے نوٹ کی۔

"آنسو بہا لینا صحت کے لیے مضر نہیں ہوتا صالحہ دھی"۔ انہوں نے کپ اس کے ہاتھ میں دیا جسے اس نے تھام لیا۔

"آنسو بہانا ضروری تو نہیں ہوتا! کبھی کبھی ظلم کو خاموشی سے بھی سہہ لینا چاہیے"۔ وہ طنزیہ بولی۔ آنکھیں پھر سے گیلی ہوگئیں۔ وہ اپنا کپ ہاتھوں میں پکڑتے ہوئے اس کے ساتھ جھولے پر بیٹھ گئے۔ شاہ جی نے اپنے آپ کو کالی شال سے گھیرا ہوا تھا۔ ایک ہاتھ سے اپنے چائے کا کپ تھاما اور دوسرے ہاتھ سے ٹرے جھک کر سائیڈ پر گھانس پر رکھ دی۔

"اس طرح ظالموں کو خبر ہوجائے گی کہ مظلوموں کو ظلم سہنے میں مزا آتا ہے"۔ انہوں نے اپنے پیروں سے جھولا جھلاتے ہوئے کہا۔

میں نے اپنا معاملہ اللہ پر چھوڑدیا ہے شاہ جی۔۔۔ ایک بات پوچھوں؟"۔ اس نے کپکپاتے لبوں سے پوچھا۔

"کہو میری دھی"۔ وہ مدھم آواز میں بولے اور ایک نظر سب سے اوپر منزل والی کھڑکی کی جانب دیکھا جہاں پردے لگے تھے۔

"ہمارے ہی رشتے ہمیں کیوں تکلیف دیتے ہیں؟۔ جیسے۔۔۔ جیسے شاہ جی میری جان سے پیاری پھپھو کی زبان جلادی داجی نے۔۔۔ بلکل ویسے جیسے صالحہ کو اس کے بھائی نے جہنم میں پھینکنے کا ارادہ کر رکھا ہے۔ رسم و رواج کے مخالفت کرتی آئی تھی میں آج تک شاہ جی! خود ہی رسم و رواج کی بھینٹ چڑھنے لگی ہوں۔۔۔ ہے نا عجیب؟"۔ وہ تلخی سے مسکرائی۔

"زندگی آسان نہیں صالحہ! یہ میرے علاوہ اور کون جانتا ہوگا"۔ ان کی آنکھیں سرخ ہونے لگیں۔

"میں نے تم سے بلکل اپنی بیٹیوں کی طرح محبت کی ہے صالحہ دھی۔ پوری رات صرف اپنی دھی کے لیے رویا ہوں۔۔۔ مگر یہ پہلی بار نہیں۔ بہت سال پہلے جائے نمازوں میں گر کر کسی اور کے لیے بھی رویا تھا اور اب تک روز نمازوں میں یوں ہی روتا ہوں۔ مگر کل رات دیر تک رویا کیونکہ دعاؤں میں تم بھی شامل تھی۔ تم جاننا چاہتی تھی نا میں نے شادی کیوں نہیں کی؟"۔ انھوں نے گردن موڑ کر اسے دیکھا۔ صالحہ اپنا غم بھول کر انہیں تکنے لگی۔

"ہاں شاہ جی"۔ اس نے تیزی سے اثبات میں سر ہلایا۔

"میری زندگی کا قصہ اس حویلی میں موجود ایک عورت سے منسلک ہے صالحہ!"۔ انھوں نے مسکرا کر دکھ سے کہا۔

"کس سے؟"۔ صالحہ نے تجسس سے ان سے پوچھا۔

"اس شخص سے جس سے میں نے اپنی زندگی میں سب سے زیادہ محبت کی ہے! جاننا چاہتی ہو کس سے؟"۔ انھوں نے اوپری منزل کی عمارت کو دیکھا۔ صالحہ نے ایک بار پھر اثبات میں سر ہلایا تو انھوں نے اوپری منزل کی طرف اشارہ کیا۔

"اس منزل کی کھڑکی کے اندر موجود شخص سے میری زندگی کی ڈور بندھی ہے۔ زندگی اسی امید پر گزار دی کہ یہ مجھے کبھی مل جائے گی۔ ایک ایسی امید پر جو میری زندگی کہ سنہرے پل برباد کر گئی! وہ پل اور لمحات برباد کر گئی جس لمحوں میں میں اپنی زندگی اس کے ساتھ گزارنا چاہتا تھا"۔ صالحہ نے ان کے اشارے کے تعاقب میں دیکھا اور ششدر رہ گئی۔ ان کا اشارہ افشاں کے کمرے کی طرف تھا۔ اس نے مڑ کر شاہ جی کو دیکھا جو اداس چہرے پر مسکرا رہے تھے۔

"افشاں پھپھو؟"۔ وہ ساکت لبوں کو حرکت کرتے ہوئے بولی۔ شاہ جی افشاں کا نام سن کر مسکرا دیے۔

"کہانی سنا چاہو گی؟"۔ انہوں نے بھنویں اچکا کر اس سے پوچھا۔

"جی شاہ جی۔۔۔ کون احمق نہیں سننا چاہے گا"۔ وہ کھو رہی تھی ان کے محبت بھرے لہجے میں۔

"یہ داستانِ عشق ہے صالحہ۔ دو ایسے لوگوں کی داستان ہے جن کے دلوں میں محبت کا پہرا ہے۔ انہوں نے کبھی غور سے ایک دوسرے کا چہرہ بھی نہیں دیکھا تھا۔ یہ محبت ایک دوسرے کی روحوں سے تھی۔ یہ کہانی اس کنچی آنکھوں والی لڑکی کی ہے جو اتنے سالوں سے میرے دل کے مکان کی دہلیز پر کھڑی کھٹکا دے رہی ہے اور میں تڑپ رہا ہوں۔

تمہاری پھپھو اس رسم و رواج کے درمیان آگئیں صالحہ۔۔۔ میں نے اس سے زیادہ حسین عورت کبھی نہیں دیکھی۔۔۔ اس نے اشک بہائے تھے صرف میری محبت کے لیے اور میں اپنے آپ کو اس کے لیے وارنے کو تیار تھا۔ یہ داستانِ عشق بشارت اور افشاں کے گرد گھومتی ہے صالحہ"۔ وہ مسکراتے ہوئے کھڑکی کی طرف دیکھنے لگے۔۔

"بشارت؟"۔ اس نے الجھ کر حیرت سے پوچھا۔۔۔ وہ کھلکھلائے اور اسے دیکھنے لگے۔

"بشارت حسین عرف شاہ جی"۔ انہوں نے حیرت سے پھیلتی کنچی آنکھوں کو دیکھا۔

"آپ۔۔۔۔آپ۔۔۔ بشارت"۔ اسے لگا وہ جملا مکمل نہیں کر پائے گی۔ مٹی کی تیز خوشبو آرہی تھی۔ لگتا تھا کہ ایک بار پھر بارش ہو جائے گی۔

"ہاں میں بشارت حسین۔۔۔ اس کرب میں زندگی گزار دی کہ اسے میرے علاوہ کسی اور کا نہ کر دیا جائے مگر نہ وہ کسی اور کی ہوئی اور نہ میں نے اس سے منہ موڑا۔۔۔ اگر موڑتا تو وہ محبت نہ ہوتی۔ روز تاریک رات میں یونہی درخت کے نیچے کھڑے ہو کر نگاہیں اس کے کمرے کی کھڑکی کو تکتی ہیں کہ اب بھٹک کر وہ کھڑکی تک آئے گی۔ مجھے اس دیا کی تلاش ہے جس کا ذکر وہ اپنی باتوں میں کیا کرتی تھی۔ وہ دیا بجھ گیا صالحہ! وہ بجھ گیا۔۔۔ اس ظالم شخص نے اس کو بے زبان کر دیا صالحہ۔۔۔ کوئی اپنی بیٹی کو کیسے تڑپا سکتا ہے یہ کوئی داجی سے جانے۔۔۔"۔ وہ اپنا غم بھلائے انہیں سن رہی تھی۔

"کبھی سوچا ہے کہ تم میری نظروں میں زیادہ اہم کیوں میری دھی؟"۔ انہوں نے جھولا پاؤں سے ہلکے سے جھلایا۔ "کیونکہ تم افشاں جیسی ہو۔۔۔ تمھارا ہر انداز اس کے جیسا ہے۔ وہ ہنسا، وہ مسکرانا، وہ چھوٹی چھوٹی باتوں پر خفا ہوجانا۔ وہ اپنے حق پر بغاوت اور۔۔۔ اور محبت میں خود کو تمام کرلینا۔ اس حویلی میں اپنی عمر کا بڑا حصہ گزار لیا اور افشاں کو معلوم ہی نہیں کہ اس کا محبوب اسی حویلی میں ہے۔ اسے دیکھنے کی خواہش رکھتا ہے مگر پہلے محرم بنانا چاہتا ہے۔۔۔ شمیلہ بھابھی کہتی ہیں میں ان سے گزارش نہ کروں کہ مجھے افشاں سے ملنا ہے۔۔۔ امید پر زندگی گزار دی اب خواہش کا اظہار بھی نہ کروں۔ انہوں نے ہمیشہ ہمارا ساتھ دیا ہے صالحہ۔۔۔ شمیلہ بھابھی حویلی کی بہت اچھی عورت ہیں۔ ممکن ہے افشاں کو محسوس ہو کہ اس کا محبوب دھوکے باز نکلا اور اسے چھوڑ کر بھاگ گیا۔۔۔ ہوسکتا ہے وہ مجھ سے متنفر ہو۔۔۔ جب اس کا خط آیا تھا جس میں بڑے الفاظوں میں مجھے اس نے گاؤں چھوڑنے کی تنبیہ کی تھی ورنہ مجھے داجی مروا دیتے! مجھے لگا یہ وقت ہے محبت ثابت کرنے کا! اور۔۔۔ اور اتنے سال گزر گئے اس حویلی میں لگتا ہے یہیں سے تعلق رکھتا ہوں ہمیشہ سے"۔ وہ پھیکا سا مسکرائے۔۔۔ صالحہ کا چہرہ آنسو سے بھیگ گیا تھا۔ وہ حیران تھی۔۔۔ شاہ جی نے اپنی زندگی افشاں پھپھو کی محبت میں حویلی میں گزار دی۔۔۔

اسے افشاں پھپھو پر بے حد ترس آیا۔

"رشتے بہت تکلیف دیتے ہیں شاہ جی۔۔۔"۔اس نے تڑپ کر کہا۔

"کیا تمہیں خوشی نہیں کہ تم حویلی سے بہت دور جا رہی ہو؟ ہو سکتا ہے وہ شخص تمہیں پڑھانے پر آمادہ ہو جائے"۔ انہوں نے کپ لبوں سے لگایا۔۔۔

"میں دل دے چکی ہوں شاہ جی"۔ وہ تڑپ رہی تھی۔

"کیا تمہیں کسی نے بتایا نہیں کہ مرنے والوں کے ساتھ مرا نہیں جاتا ہے؟"۔ انہوں نے خالی کپ ٹرے میں رکھا۔

"اس کو مرے عرصہ ہی کتنا ہوا ہے شاہ جی؟۔مجھے کچھ وقت درکار ہے خود کو سنبھالنے کے لیے۔۔۔ میں کیا کروں شاہ جی؟؟ حیدر ویراں نے اپنی خوشی کے لیے میرا استعمال کیا ہے"۔ اس نے بے دردی سے اپنی آنکھیں رگڑیں۔

"ہو سکتا ہے وہ شخص باقی مردوں سے بہتر ہو۔۔۔ کیا پتا حیدر کا یہ فیصلہ تمہارے لیے اچھا ثابت ہو جائے"۔ وہ جانتے تھے کہ اب انہیں تیار کرنا ہے صالحہ کو۔۔۔ داجی اپنے کہا سے پھرتے نہیں تھے۔ وہ جانتے تھے کہ اسے وجدان کی ہی بیوی بننا ہے۔۔

"اور ہو سکتا ہے وہ اچھا نہ ہو؟ کیا کروں گی پھر میں؟۔ بغیر کسی تفتیش کے کون کسی شخص کے بارے میں سوچ سکتا ہے شاہ جی"۔ وہ گھانس کو تک رہی تھی۔

"اگر وہ شخص اچھا نہیں نکلا تو صرف ایک کام کرنا"۔ وہ کچھ سوچنے لگے۔۔۔

"کیا؟"۔ اس نے حیرت سے انہیں دیکھا۔

"حیدر کا گلا دبا دینا اور اس شخص کو اس کے ہی گھر سے نکال دینا"۔ وہ شاہ جی کی بات پر ناچاہتے ہوئے بھی ہنس دی۔

"ہر مشکل کا خود ہی حل نکل جاتا ہے میری دھی۔۔۔ مگر اپنی تو ڈور ہی وہاں اٹکی ہے"۔ انہوں نے مسکرا کر پھر اس کھڑکی کو دیکھا۔ وہ بھی مسکرا دی دکھ سے۔۔۔ وہ دکھی تھی کیونکہ وہ ان کی کہانی جان گئی تھی۔۔۔ ہلکی ہلکی پھوار کا آغاز ہو چکا تھا۔

"مجھے گنگنانا بہت پسند ہے"۔ وہ مسکراتے ہوئے اٹھ کھڑے ہوئے اور آہستہ آہستہ آگے بڑھنے لگے۔ کمر پر ہاتھ باندھ کر وہ زمین کو تکتے گنگنا رہے تھے۔

پھر خزاں کی بدلیاں چھٹ جائیں گی۔۔۔

بے قراری کو چین آجائے گا۔۔۔

روح کی تھکاوٹ اتر جائے گی۔۔۔

ٹہنیاں موسم ثمر پائیں گئی۔۔۔

غم کدوں میں محبت کا چلن ہوگا۔۔۔

اخوت پر جمی گرد پھر سے دھل جائے گی۔۔۔

سارے خواب حقیقت میں ڈھل جائیں گے۔۔۔

کارواں جو لٹے ہیں سب سنبھل جائیں گے۔۔۔

فاصلے جو بڑھ گئے ہیں اور نشان ہو گئے ہیں گم۔۔۔

وہ سب منزلوں میں بدل جائیں گے۔۔۔

۔۔۔★★۔۔۔

DON'TCOPYPASTEWITHOUTMYPERMISSION...

زنجیر از قلم عینا بیگ

قسط ۱۱

"آپ نے کچھ کیوں نہیں کہا کبیر صاحب"۔ طلعت نے گیلی ہوتی آنکھوں کو صاف کرتے ہوئے کہا۔

"مجھے خوف محسوس ہو رہا ہے طلعت۔۔ وہ تو ابھی اتنی بڑی بھی نہیں!ایک انجان شہر میں کیسے رہے گی۔۔۔ اور اس شخص کی فطرت کا بھی علم نہیں"۔ ان کے لہجے میں خوف واضح تھا۔

"داجی کا ایک فیصلہ میری دھی کی زندگی برباد نہ کر دے کبیر"۔ انہوں نے افسوس سے بستر سے ٹیک لگاتے ہوئے کہا۔

"مجھے یہ امید نہیں تھی حیدر سے"۔ کبیر صاحب نے نفی میں سر ہلایا۔

"آپ تو کہہ سکتے تھے داجی سے۔۔۔"۔ انہوں نے شوہر کو دیکھا۔

"میں کیسے کہتا طلعت"۔ انہوں نے دونوں ہاتھوں سے بے دردی سے چہرہ رگڑا۔

"ہاں! جو شخص اپنی بہن کے وقت نہ بول پایا وہ اپنی بیٹی کے وقت کیسے بول سکتا تھا"۔ لہجہ صاف طنزیہ تھا۔ کبیر نے کرب سے آنکھیں میچیں۔ دو آنسو آنکھوں سے نکلے اور گال پر بہنے لگے۔

"خدارا ایسا مت کہا کرو طلعت۔۔۔ میں اندر سے مرنے لگتا ہوں"۔ وہ ہاتھ جوڑ کر تڑپ کر بولے تھے۔

"سچ سہہ نہیں پاتے نا؟۔ آپ نے تو گزار لی زندگی اطمینان سے۔۔۔ وہ آپ کی بہن تھی کبیر۔۔۔ وہی بہن جس سے خود سے زیادہ محبت کرتے تھے نا آپ؟ جب اسے آپ کی ضرورت پڑی تو آپ داجی کے ساتھ کھڑے ہو گئے؟ اس نے اپنی زندگی اسی کمرے میں گزار دی۔۔۔ جوانی کا حسن ایسے ہی ختم ہو گیا اس کا۔۔۔ آپ نے بھی تو پسند کی شادی کی ہے کبیر۔۔ کیا آپ پسند نہیں کرتے تھے مجھے؟۔ کیا آپ کا رشتہ نہیں آیا تھا میرے لیے؟۔ اس کا بھی آسکتا تھا۔۔ بشارت حسین کا بھی آسکتا تھا اس حویلی میں اس کا ہاتھ مانگنے مگر آپ لوگوں نے ایسی نوبت ہی نہ آنے دی۔ اس کی محبت اس سے چھین لی اور

وہ ناامید ہو کر گاؤں سے چلا گیا"۔ وہ کٹیلے لہجے میں بہت کچھ بول گئی تھیں۔ کبیر کا دل نے کسی نے مٹھی میں جکڑا۔

"میں تھک گیا ہوں"۔ وہ نڈھال ہو گئے۔ "داجی سے کچھ کہنا میرے بس کی بات نہیں ہے طلعت"۔

"یعنی ہماری دھی کی زندگی برباد؟"۔ انہوں بنھویں اچکا کر پوچھا۔

"دعا کرو تمہارا داماد بہت اچھی فطرت کا ہو۔ وہ اس کا بہت خیال رکھے طلعت۔ دعا کرو وہ ارحم کو بھول جائے اور اپنے شوہر کے ساتھ اچھی ازدواجی زندگی گزارے۔۔۔ بس اب ہم دعا ہی مانگ سکتے ہیں۔ وہ حویلی سے نکل جائے گی مجھے بہت خوشی ہے۔ پھر اسے ابا جان کے اصولوں پر نہیں چلنا پڑے گا"۔ وہ تھک گئے تو بستر پر لیٹ گئے۔ طلعت زمین پر کھڑی ہو گئی اور باہر جانے کے لیے چادر اور چپل پہنے لگیں۔

"آپ کو زمینوں پر نہیں جانا؟"۔ انہوں نے مڑ کر ان سے پوچھا۔

"میں تھوڑی دیر آرام کرنا چاہتا ہوں"۔ انہوں نے کروٹ لیتے ہوئے کہا تو طلعت اثبات میں سر ہلاتیں باہر نکل گئیں۔

---★★---

"باقی شاپنگ کرنے کب جائیں گے بھائی؟"۔ وجیہہ نے کھانے کی میز پر چمک کر پوچھا۔

"تم لسٹ بنا لو! کل کی چیزوں میں جو جو کمی تھی ہم وہ اگلی بار پوری کر دیں گے"۔ وجدان نے وقت دیکھتے ہوئے کہا۔

"آپ ابھی واپس جا رہے ہیں آفس؟"۔

"ہاں صرف دوپہر کے کھانے کے لیے آیا تھا"۔ وجدان نے مسکرا کر جواب دیا اور کھانا ختم کرتا اٹھ کھڑا ہوا۔

"کب آئیں گے؟"۔ وجیہہ نے اداسی سے پوچھا۔

"اب کام کا بوجھ نہیں۔۔۔ جلدی آجاؤں گا"۔ وہ مسکراتا ہوا کچن سے ہاتھ صاف کرتا اس کے بال بکھیرتا چلا گیا۔ وجیہہ نے دکھ سے اسے جاتے دیکھا۔ وہ اس گھر سے جانے سے پہلے اپنے بھائی کے ساتھ بہت سا وقت بتانا چاہتی تھی۔ گہری سانس لیتی ہوئی برتن سمیٹتی وہ اٹھ کھڑی ہوئی۔

---★★---

وہ شاہ جی سے بات کر کے اب مطمئن بیٹھی تھی۔ اس نے اپنا معاملہ اللہ پر چھوڑ دیا تھا۔ وہ جانتی تھی کہ اللہ اس کے ساتھ وہی معاملہ کرے گا جو اس کے لیے بہتر ہوگا۔

"پھپھو۔۔۔ چلیں اٹھیں آپ کے بال بناؤں۔ آپ کیا میرے بغیر بال بھی نہیں بنا سکتیں۔۔ میں شادی ہو کر چلی جاؤں گی تو بھی ایسی ہی رہیں گی پیاری پھپھو۔۔۔؟ چلیں

اٹھیں نا"۔ وہ انہیں نیند سے جگاتے ہوئے بولی۔۔ افشاں کسمساتے ہوئے حیرانی سے اسے دیکھنے لگی۔

"ایسے کیا دیکھ رہی ہیں پیاری پھپھو؟ میری شادی نہیں ہو سکتی کیا۔۔ آپ کو پتا ہے داجی نے میرا رشتہ پکا کردیا"۔ اس کا کہنا تھا کہ وہ جھٹکے سے اٹھ کر بیٹھیں۔

"کیا ہوا پھپھو؟ آپ۔۔۔ آپ۔۔۔ غلط سمجھ رہی ہیں جس سے رشتہ پکا کیا ہے وہ بہت اچھا لڑکا ہے۔۔۔" وہ جس دل سے یہ بات کررہی تھی یہ صرف وہ ہی جانتی تھی۔ افشاں کا چہرہ فق ہوگیا۔ داجی نے ایک اور لڑکی کی زندگی برباد کرنے کا فیصلہ کرلیا تھا۔

صالحہ نے نظریں چرانی چاہیں۔

"آپ کو لگ رہا ہے کہ جو حال فضیلہ باجی کا ہوا ہے وہ میرا ہوگا؟ ہے نا؟ نہیں ہر کوئی فضیلہ باجی کے شوہر جیسا نہیں ہوتا۔۔ داجی نے ان کے ساتھ بھی ایسا ہی کیا تھا اور زبردستی ایک شخص سے شادی کروادی تھی۔۔۔ مگر وہ شخص اچھا نہیں نکلا۔۔۔ مگر اس کا۔۔۔ اس کا مطلب یہ تو نہیں کہ۔۔ کہ میری بھی شادی ایسے ہی کسی شخص سے ہوگی؟۔ وہ دکھنے میں بہت اچھا ہے اور یقیناً اچھا آدمی بھی ہوگا۔۔ وہ ویسے بھی مجھے پسند کرتا ہے اور بہت محبت سے لایا یہ رشتہ۔۔۔"اس نے زندگی میں اتنے جھوٹ کبھی نہیں بولے تھے جتنے اب کہہ دیے تھے۔

وہ اب بھی اسے ہونقوں کی طرح دیکھ رہی تھیں۔

"پھپھو۔۔۔ موڈ ٹھیک کریں۔ اور ہاں! مہندی آپ لگائیں گی میری! آپ بھی کام والا سوٹ پہنیں گی۔ میرے لیے وہ دن اسپیشل بنانے میں میری مدد کریں گی نا؟"۔ اس نے محبت سے انہیں دیکھا تو وہ تیزی سے سر ہلانے لگیں۔

"پھر ٹھیک ہے۔۔ اس ہفتے کو شادی ہے میری تو آپ میرے لیے اچھے اچھے کپڑے پہنیں گی جب تک میری شادی نہیں ہو جاتی میں آپ کو تیار رہتے دیکھوں۔ کیونکہ شادی کے بعد میں شہر چلی جاؤں گی اور پھر جب بھی میں آپ کو سوچوں گی تو مجھے مسکرانے والی افشاں پھوپھو ملیں گی"۔ اس نے مسکراتے ہوئے ان کا پیلا سوٹ نکالا جو کہ کتنے سال پرانا تھا۔

"شاہ جی نے پرہیزی کھانا بنا دیا ہے۔ وہ ایک بہت اچھے باورچی ہیں"۔ وہ اب موضوع بدل کر شاہ جی کا ماضوع لے آئی۔ وہ شاہ جی کا موضوع جان بوجھ کر نکالنا چاہتی تھی۔ تھوڑا تھوڑا کر کے داستان دل تک پہنچانا چاہتی تھی۔

"آپ کو پتا ہے انہوں نے کبھی شادی ہی نہیں کی"۔ وہ سنگھار میز کے سامنے کھڑی کپڑوں کو ہینگر سے نکال رہی تھی۔۔ "آج صبح جب میں باغ میں بیٹھی تھی تو وہ مجھے اپنی کہانی سنانے لگے۔ ان کی زندگی میں ایک لڑکی تھی جو کہ بہت خوبصورت تھی بلکل آپ کی

طرح۔۔۔"اس نے یہ کہتے ہوئے سنگھار میز کے آئینے میں دیکھا تاکہ اس میں آنے والا افشاں کا عکس دیکھ سکے۔ افشاں جو بالوں میں جوڑا باندھ رہی تھی، اس کا ہاتھ لمحہ بھر کو بال گھماتے ہوئے رکا۔

"وہ کہہ رہے تھے کہ وہ اس کے عشق میں اب تک اس قدر بمتلا ہیں کہ آج تک شادی نہیں کر پائے۔۔۔"۔

"وہ لڑکی ایک حویلی میں رہتی تھی اور۔۔۔"اس نے جان بوجھ کر بات ادھوری چھوڑنی چاہی جس پر افشاں نے مڑ کر اسے دیکھا جیسے پوچھ رہی ہو "اور"؟۔

"پھر اس لڑکی کی شادی ہوگئی! مگر وہ ابھی بھی اسی سے عشق کرتے ہیں"۔ اس نے آخر میں کہانی تبدیل کردی مگر وہ اتنا جان گئی تھی کہ وہ بشارت حسین کا پتہ پھینک چکی ہے۔

افشاں مطمئن ہوگئی اور بالوں کا جوڑا بنانے لگی۔

"یہ جوڑا میں جلدی سے استری کر کے لا رہی ہوں پھپھو"۔ اس نے مسکرا کر بتایا اور باہر نکل آئی۔

وہ نگاہیں موڑ کر اس کی پشت تکتی رہ گئیں۔ انہیں محسوس ہوا کہ شاہ جی اور ان کی داستان ملتی جلتی ہے۔

---★★---

وہ ٹھیک نہیں تھی۔ اس کا دل ہول اٹھا رہا تھا اور اسے اپنی دنیا اجڑتی محسوس ہو رہی تھی۔

"آپ اداس ہیں؟"۔ مردانہ آواز پر وہ جھٹکے سے مڑی تھی۔ وہ اسے یک ٹک تک رہا تھا اور اب وہ خود کو سنبھالنے کی کوشش کر رہی تھی۔

"نہیں تو"۔ نہ چاہتے ہوئے بھی اس کی ہچکیاں بندھ گئیں۔

"رشتوں کا غم منا رہی ہیں اور رشتہ بھی وہ جو ابھی قائم بھی نہیں ہوا تھا"۔

"خدارا شاہ زل صاحب۔۔۔مجھے اکیلا چھوڑ دیں۔ میں کچھ دیر تنہا رہنا چاہتی ہوں"۔ ثریا تڑپ کر بولی۔

"جا رہا ہوں میں مگر یہ یاد رکھیے گا کہ وہ شخص کبھی آپ کا نہیں تھا جس نے کبھی آپ کو خود کے لیے پکارا نہ ہو، جس نے ہمیشہ آپ کو دیکھ کر اپنا رستہ بدل لیا ہو"۔ وہ لال ہوتی آنکھوں سے اسے دیکھتا ہوا مڑ گیا۔ ثریا کو لگا اس کے اندر کچھ ٹوٹا ہے۔ ہاں وہ اس کا دل تھا جو ٹکڑے ٹکڑے ہو گیا تھا۔

---★★---

اتوار کا دن بھی یوں ہی گزر گیا۔ جیسے جیسے وقت گزر رہا تھا صالحہ کے دل میں وحشتیں بڑھتی چلی جا رہی تھیں۔

"آج ہم شہر سے اس کا عروسی جوڑا بھی لے آئیں گے"۔

وہ سیڑھیاں اتر کر نیچے آرہی تو سمیعہ تائی نے ماحول خوشگوار کرنے کے لیے اسے دیکھ کر بات کہی تھی۔ وہ خاموش رہی۔

"تائی ثریا کہاں ہے؟"۔ اس نے دوسری بات کرنی چاہی۔۔

"وہ اوپر ہی ہوگی"۔ انہوں نے پھیکی مسکراہٹ چہرے پر عیاں کرتے ہوئے اسے جواب دیا۔

"ٹھیک ہے میں اس سے مل کر آتی ہوں"۔ وہ کہہ کر مڑنے لگی۔

"تم حویلی میں کچھ دن ہی اور رہو صالحہ۔۔۔ یہ پل ہمارے ساتھ بیٹھ کر گزار لو۔ کسے خبر کہ پھر تمہارا حویلی آنا ہو کہ نا ہو۔ کون جانے ہماری سانسوں کی بھار کل ہو نہ ہو"۔ ان کی آنکھیں یہ کہتے ہوئے گیلی ہوگئی تھیں۔ انہوں نے ہمیشہ صالحہ کو اپنی بہو کی روپ میں ہی دیکھا تھا۔ کب ارحم انہیں چھوڑ گیا، سب کل کی باتیں لگتی تھیں۔ صالحہ کے قدم بے اختیار بھاری ہوئے۔ طلعت نے اسے دیکھا اور آنکھیں میچ کر چہرہ نیچے جھکا لیا۔ صالحہ بے جان ہوتے وجود کے ساتھ چلتی ہوئی ان کے برابر صوفے پر آبیٹھی۔

"اللہ شادی کے بعد تمہاری ازدواجی زندگی میں برکت ڈالے۔۔" شمیلہ چچی نے اس کی پیشانی چوم کر دعا دی تو وہاں بیٹھی عورتوں نے دل سے آمین کہا تھا۔

"داجی نے کل رات سب کو کمرے میں بلایا تھا یعنی ہم عورتوں کو!"۔ سمیعہ تائی نے محبت سے اپنے ہاتھوں سے اس کے بال سنوار کر بتایا۔ اس نے نگاہیں اٹھا کر تائی کو دیکھا

۔

"وہ کہہ رہے تھے کہ ہفتے کو شادی ہے تو جمعہ کو شہر جانے کے لیے سامان باندھ لو سب۔۔ وہ گھر جو شہر میں خرید رکھا ہے وہاں قیام ہوگا۔۔ میں اور شمیلہ سوچ رہے ہیں کہ ہم دونوں پہلے چلیں جائیں اور تمہاری شادی کی خریداری کر کے اس گھر میں ہی انتظام کرلیں۔۔ کیونکہ بازار بار بار جانا ہوگا۔ تم باقی افراد کے ساتھ جو جو شادی میں شرکت کرے گا اور حیدر کے ساتھ جمعہ کو شہر آجانا"۔

www.urdunovelsmania.com

صالحہ نے انہیں حیرت سے دیکھا۔

"اور پھپھو؟"۔ اس نے آنکھیں پھاڑ کر پوچھا۔ "اگر ایسے ہوگا تو پھپھو کیسے شرکت کریں گی؟"۔

سمیعہ تائی نے نظریں چرائیں۔

"آپ نظریں کیوں چرا رہیں ہیں تائی؟؟ بتائیں شمیلہ چچی پھپھو کیسے شرکت کریں گی پھر؟؟"۔ اس نے بھنویں اچکا کر پوچھا۔ "میں ان کی شرکت کے بغیر نکاح نہیں کروں گی اماں"۔ اس نے باری باری تینوں کو دیکھا۔۔

"ضد چھوڑ دو صالحہ!! تمہیں داجی کا معلوم ہے"۔ طلعت نے سمجھانا چاہا مگر اس نے تیزی سے نفی میں سر ہلانا شروع کر دیا۔

"اماں میری خواہش کی ذرا بھی اہمیت اس حویلی میں؟ وہ سب کر رہی ہوں میں جو داجی نے کہا۔۔ کر تو رہی ہوں نکاح! کر تو رہی ہوں پھپھو کو خود سے دور۔۔ مگر نکاح میں ان کی موجودگی چاہیئے مجھے اماں!"۔

"خود سوچنا اس بارے میں صالحہ کہ یہ قدم ٹھیک ہو گا یا نہیں۔۔ وہ مر جائے گی تمہارے بغیر۔۔ وہ تمہیں رخصت ہوتے دیکھے گی تو وہ مر جائے گی صالحہ۔ اسے اس حویلی میں مجھ سے زیادہ کوئی نہیں جانتا۔ کیا چاہتی ہو تمہارے بعد وہ مر جائے؟"۔ شمیلہ نے ٹھہرے ہوئے لہجے میں کہا۔ وہ خاموش ہو گئی کہ اب کہے تو کیا کہے۔۔۔

صالحہ نے لب بھینچے۔ وہ اثبات میں سر ہلاتی اٹھ گئی۔۔

وہ آج سے پہلے اتنی بے بس کبھی نہیں ہوئی تھی۔ اس کے اندر کی بغاوت کہیں کھو گئی۔ بغاوت کر کے جو فتح کا احساس ہوتا تھا وہ بھی اب کہیں کھو گیا تھا۔ ہر کسی کو حق دلاتے دلاتے خود کے حق کے لیے بھی نہ لڑ پائی۔

میرے دشمنوں سے کہو کوئی

وہ کبھی جو عہد نشاط میں

مجھے خود میں اتنا غرور تھا

کہیں کھو گیا۔۔۔

وہ جو فاتحانہ خمار میں

میرے سارے خواب نہال تھے

وہ نہیں رہے۔۔۔

کہ بس اب تو دل کی زبان پر

فقط ایک قصہ حال ہے

جو نڈھال ہے۔۔۔

جو گئے دنوں کا ملال ہے

---**---

www.urdunovelsmania.com

"اس ہفتے؟ کیا تجھے نہیں لگتا کہ یہ بہت جلدی ہو جائے گا؟؟"۔ زید نے حیرت سے آنکھیں پھاڑی تھیں۔

"یہ سب میرے اختیار میں ہی نہیں تھا"۔ اس کی انگلیاں لیپ ٹاپ کے کیبورڈ پر تیزی سے چل رہی تھیں۔

"مگر شادی ان کی بیٹی سے تو تم کر رہے ہو نا؟ پھر بھی تمہاری رائے نہیں پوچھی گئی؟۔ سلام ہے تمہاری عقل پر!"۔ اس نے وجدان کو گھور کر دیکھا۔

"میں بے بس ہوں یار۔۔ بس اب ٹاپک تبدیل کرو تھک گیا ہوں میں"۔ اس نے قدرے اکتا کر کہا اور لیپ ٹاپ ہاتھ سے پیچھے کر کے چیئر کی پشت سے ٹیک لگا لیا۔

"خریداری کر لی شہزادے"؟۔ زید نے اخبار اپنے چہرے کے سامنے پھیلایا۔

"ابھی پوری نہیں ہوئی۔ دو تین دن میں ان شاء اللہ مکمل ہو جائے گی! سوچ رہا ہوں ایک ہفتہ نہ آؤں آفس۔۔۔ وجیہہ کے ساتھ وقت گزاروں۔ اس کے رخصت ہونے کا سوچتا ہوں تو دل بھر آتا ہے"۔ اس نے دکھ سے کہا اور اٹھ کر گلاس وال سے باہر دیکھنے لگا۔

زید نے اخبار رکھ کر اپنا موبائل اٹھایا۔

"

ٹھیک سوچ رہے ہو اگر میں بھی تمہاری جگہ ہوتا تو یہی کرتا"۔ وہ ساتھ ساتھ موبائل پر ٹائپ بھی کر رہا تھا۔۔

"تمہاری شادی کب ہے؟"۔ وجدان نے مڑ کر اسے دیکھ کر پوچھا۔

زید نے موبائل سے نظریں ہٹا کر اسے دیکھا۔

"اب تو ایک مہینے سے بھی کم وقت رہتا ہے"۔ اس نے پھر سے نظریں موبائل پر مرکوز کر لیں۔ "تو اپنی بیوی کے بغیر میری شادی میں آیا تو وہیں سے باہر کر دوں گا"۔ اس نے یہ بات بنا کسی تاثر کے کہی تھی۔ وجدان نے آنکھیں ماتھے پر رکھ کر اسے گھورا۔

"تو یہاں میری مجھے زچ کرنے کے لیے بیٹھا ہے؟"۔ وجدان کے دانت پیسنے پر زید اپنی ہنسی نہ روک سکا۔۔

"مطلب بیوی والے ہو جاؤ گے نا؟۔ بس پھر اگلے ہفتے کارڈ دینے تیرے گھر پہنچ جاؤں گا اور سیدھا بھابھی کو پکڑا دوں گا"۔ وہ اسے چھیڑنے سے باز نہیں آ رہا تھا اور وجدان غصہ بمشکل ضبط کر رہا تھا۔

"بس کرو زید! میں ان سب کے موڈ میں نہیں"۔ اس نے گہری سانس لے کر سنجیدگی سے کہا۔

"میں صرف تمہارا موڈ ٹھیک کر رہا تھا"۔ اس نے کندھے اچکائے۔

"مت کیا کرو"۔ وہ تھک کر کرسی پر بیٹھ گیا اور سر کرسی کی پشت پر رکھ دیا۔ زید کچھ دیر اسے یونہی دیکھتا رہا، مگر پھر اس سے رہا نہیں گیا۔

"کیا ہوا وجدان؟ چلو آؤ تمہارا موڈ فریش کرتے ہیں"۔ وہ اٹھ کر موبائل جیب میں ڈالتا ہوا بولا۔

وجدان نے نگاہیں اٹھا کر اسے دیکھا اور پھر دوسری جانب کر لیں۔ زید چلتا ہوا اس کے قریب آیا۔

"آجاؤ لنچ کرتے ہیں کسی اچھے سے ریسٹورینٹ سے"۔ اس نے وجدان کو اٹھانا چاہا۔

"یہیں منگوالو میں کال کر دیتا ہوں"۔ اس نے ٹیلیفون کی طرف ہاتھ بڑھانا چاہا مگر زید نے اسے روک دیا۔

"نہیں ہم باہر چلتے ہیں"۔ اس نے پکڑ کر اسے کھڑا کیا اور بازو سے پکڑتا باہر نکلنے لگا۔

وجدان جھنجھلا کر رہ گیا تھا مگر اب اسے زید کے ساتھ جانا پڑ رہا تھا۔

"میرا موبائل لے لینے دو میز سے مجھے"۔ اس نے مڑ کر موبائل اٹھایا اور اس کے پیچھے پیچھے چلنے لگا۔

---★★---

شرجیل باغ میں ہی بیٹھا تھا جب اسے حویلی کے گیٹ پر ہلکا شور محسوس ہوا۔ ماتھے پر بل ڈال کر وہ اٹھا ہوا اور باہر کی جانب بڑھا۔ چوکیدار کسی سے بحث کر رہا تھا۔ وہ بھنویں اچکاتا آستین کے کف فولڈ کرتا وہاں تک آیا۔

"آپ نہیں مل سکتے! غضب ہو جائے گا اگر داجی نے دیکھ لیا۔ چلیے جائیں ضد پر کیوں اڑے ہیں؟"۔ چوکیدار مسلسل دروازے سے باہر منہ کیے کسی سے بات کر رہا تھا۔

شرجیل نے پیچھے سے دروازہ پکڑا تو چوکیدار نے مڑ کر شرجیل کو دیکھا۔

"کیا ہو رہا ہے یہاں پر؟"۔ اس کے لہجے میں بلا کی سختی تھی۔

"خالد صاحب آئیں ہے اور بار بار ایک ہی بات دہرا رہے ہیں کہ ان کی بیٹی سے ملوایا انہیں"۔ چوکیدار نے اشارہ باہر کی جانب کیا تو شرجیل کی نظریں باہر کی جانب اٹھیں۔

"مجھے میری بیٹی سے ملوادو شرجیل صاحب۔ مجھے اپنی بیٹی کا چہرہ دیکھنا ہے"۔ وہ ہاتھ جوڑ کر اپنے داماد کے آگے گڑگڑانے لگے۔

"آپ جانتے ہیں کہ اب آپ کا اس سے ملنا کبھی نہیں ہو سکتا"۔ اس نے ماتھے پر بل ڈال کر سنجیدگی سے کہا۔

"ایسا مت کرو خدارا۔۔ اس سے ملوادو۔۔۔ میری بچی سے۔ میری بچی سے ملوادو۔۔ پتا نہیں وہ کیسی ہوگی"۔ وہ تڑپ رہے تھے اور شرجیل انہیں تڑپتا دیکھ رہا تھا۔

"ہمارے در پر تو آپ لوگوں نے ہی پھینکا تھا یاد کریں"۔ وہ کٹیلے لہجے میں باور کرواتا ہوا بولا۔

"اپنے بیٹے کے جرم کی وجہ سے اپنی بیٹی قربان کر دی میں نے"۔ آنکھوں سے آنسو مسلسل بہہ رہے تھے۔

"یہ سب پہلے سوچنا چاہیے تھا"۔ اس نے نظریں پھیریں۔

"اس کی ماں مر جائے گی اگر یہ کچھ دن اور اسے نہ دکھی۔ مجھ سے ملوا دو میری بچی کو تاکہ میں اس کی ماں کو بھی تسلی دے سکوں"۔ وہ اب بھی گڑگڑا رہے تھے۔ شرجیل کا دل کسی نے مٹھی میں لیا تھا۔

"کیا تسلی دیں گے اور کیا تسلی ملے گی آپ کو اسے دیکھ کر۔۔۔ وہ ونی بن کر آئی ہے خالد صاحب نا کہ اس حویلی کا حصہ بن کر!"۔ وہ آنکھیں گڑا کر ایک ایک لفظ چبا کر ادا کر رہا تھا۔

"ٹھہریں یہیں پر! آتا ہوں لے کر اسے!"۔ چاہتے ہوئے بھی وہ اپنے دل کو روک نہ پایا۔

سردی کے باعث وہ کالی شال پہنا تھا۔ سیاہ آنکھیں اور کھڑے نقوش۔ وہ اندر مڑ گیا جب کہ وہ وہیں باہر ہی کھڑے رہے۔ شرجیل جانتا تھا کہ اگر داجی نے دیکھ لیا تو کیا ہو گا مگر وہ داجی کی نہیں اس کی بیوی تھی۔

---★★---

"مجھے گھر کی یاد آتی ہے صالحہ باجی"۔ وہ آنسو بے دردی سے پونچھتی ہوئی بولی۔

"ان شاء اللہ! اللہ یہ موقع بھی لائے گا رفاہ"۔ صالحہ جو کتاب پڑھ رہی تھی، اس کی بات پر نگاہیں اٹھا کر اسے دیکھنے۔

"مجھے گھر کی یاد آتی ہے مگر دل نہیں کرتا اب ملنے کا۔۔ کسی سے بھی نہیں! بابا سے بھی نہیں باجی۔۔ نہ اماں سے اور نہ بھائی سے"۔ اس نے سر جھکا کر بتایا۔ صالحہ جانتی تھی کہ وہ سر اٹھا کر بات کیوں نہیں کر رہی ہے۔ آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر بات کرے گی تو آنکھیں بھیگ جائیں گی۔

وہ اسے دیکھتی رہی مگر کچھ بول نہ پائی۔

"وہ مجھے جہنم میں پھینک کر لاتعلق ہو گئے اور بھائی؟ بھائی سے مجھے یہ امید نہیں تھی۔۔ بھائی تو اچھے ہوتے ہیں نا؟ وہ تو محافظ ہوتے ہیں! میری ہر چھوٹی سی چھوٹی خواہش ماننے والا بھائی۔ میری ہر تکلیف پر تڑپ جانے والے بھائی نے مجھے تکلیف میں ڈال دیا باجی"۔ وہ بنا آواز کے رو رہی تھی۔ ہونٹ کپکپانے لگے اور آنکھیں لال ہونے لگیں۔

"مجھے سمجھ نہیں آ رہا ہے میں کیا کہوں رفاہ۔۔۔ کیونکہ میں تمہارے باتوں سے متفق ہوں"۔ اس نے کتاب بند کر کے میز پر رکھ دی۔

وہ دونوں اس وقت لاؤنج میں بیٹھی تھیں۔

"پھر آپ بھی مجھے چھوڑ جائیں گی تو میرا کیا ہوگا"۔ وہ کہتے کہتے آبدیدہ ہو گئی تھی۔

"کبھی نہ کبھی تو ویسے بھی جانا تھا رفاہ"۔ وہ پھیکا سا مسکرائی۔ لمحوں کی خاموشی چھا گئی۔

"میرا کیا ہوگا آپ کے بغیر صالحہ باجی؟"۔ وہ کچھ دیر کے وقفے سے پوچھنے لگی۔

"تم فکر نہیں کرو شرجیل صاحب کو سیدھا کر کے جاؤں گی"۔ اس نے ابھی مسکرا کر کہا ہی تھا کہ پیچھے سے شرجیل جو سب سن چکا تھا اندر داخل ہوا۔

"الحمداللہ پہلے سے ہی سیدھا سادھا بندہ ہوں"۔ وہ بات صالحہ سے کر رہا تھا اور دیکھ رفاہ کو رہا تھا۔ صالحہ نے پھیکی مسکراہٹ سے اسے دیکھا اور اٹھ کھڑی ہوئی۔

"میں افشاں پھپھو کو دیکھ آؤں"۔ صالحہ نے مسکرا کر پیروں میں چپل پہنی اور کتاب اٹھا کر زینے چڑھنے لگی۔ رفاہ کا دل چاہا وہ صالحہ کو روک لے۔ وہ زینے چڑھ رہی تھی اور رفاہ اسے زینے چڑھتے دیکھ رہی تھی۔ اس کے سامنے شرجیل بٹ کھڑا تھا اور یہ خیال آتے ہی اس کا چہرہ رنگ بدل رہا تھا۔

"وہ چین کی دیوار نہیں چڑھ رہی جو یوں آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر اسے دیکھ رہی ہو"۔ شرجیل کی آواز پر سہم کر اچھلی۔ رفاہ نے گردن موڑ کر اسے دیکھا تو وہ ماتھے پر بل ڈالے اسے ہی دیکھ رہا تھا۔ اس نے سر جھکا لیا اور زمین کو تکنے لگی۔ دل کی گہرائیوں سے دعا کی کہ یہ یہاں سے چلا جائے۔ شرجیل اس کے دو قدم کے فاصلے پر رکھی کرسی پر بیٹھ گیا۔

"تم بھولی ہو یا میرے سامنے بن جاتی ہو؟"۔ شرجیل نے اس کا چہرہ بہت غور سے دیکھا تھا۔ رفاہ نے اس کی بات پر تھوک نگلا۔

"زخم پر دوائی لگائی تھی کل رات؟"۔ اس نے رفاہ کی پیشانی کو ہلکا سا چھوا تو رفاہ کے بدن میں کرنٹ سا دوڑا اور وہ تھوڑا پیچھے ہوئی۔ اس کی نظریں بے اختیار خوف سے اٹھیں اور شرجیل سے جاملیں۔ وہ اسے ایسے دیکھ رہا تھا جیسے اسے ہی دیکھنا چاہتا تھا۔

"تم نے جواب نہیں دیا؟"۔ نا چاہتے ہوئے بھی اس کا لہجہ سخت ہوا۔

"جج۔ جی۔۔۔ مم۔ میں۔۔۔ کک۔ کیا؟"۔ وہ گڑبڑائی۔

"دوائی لگائی تھی زخم پر؟"۔ اس نے سوال پھر دہرایا۔

"نن۔ نہیں وہ دد۔ دوائی نہیں تھی میرے پاس"۔ وہ مسلسل ہکلا رہی تھی۔ دل مسلسل نے اس کے چلے جانے کی دعا مانگ رہا تھا۔ شرجیل نے گہری سانس لے کر بیچارگی سے نفی میں سر ہلایا۔ رفاہ کا چہرہ پھر سے جھک گیا۔ اس نے ٹیوب اپنی جیب سے نکالی اور اسے کھول کر اپنی انگلی پر نکالنے لگا۔

"اوپر دیکھو"۔ اس نے حکم دیا مگر وہ اتنا ڈری ہوئی تھی کہ جھکا چہرہ اور جھکا لیا۔

"جتنا جھک رہی ہو تھوڑی دیر بعد زمین پر سجدہ کر رہی ہوگی"۔ وہ مبہم سا مسکرایا اور اس کی ٹھوڑی نرمی سے پکڑ کر چہرہ اوپر کیا۔ رفاہ کے چہرے پر خوف کے آثار نمایاں ہوئے۔ اس

نے چہرہ چھڑانا چاہا، مگر سامنے والے کی گرفت مضبوط تھی۔ وہ اب اس کی پیشانی کے زخم پر دوائی لگا رہا تھا۔ رفاہ کو زخم پر تکلیف ہونے لگی تو اس نے آنکھیں زور سے میچ لیں۔

شرجیل نے اس کے آنکھیں میچنے پر اسے بہت غور سے دیکھا۔ وہ پہلی بار اسے اتنا قریب سے دیکھ رہا تھا۔ گھنی پلکیں آنکھیں میچنے کی وجہ سے کانپ رہی تھیں۔ مرہم لگا کر وہ دور ہوا اور جیب سے رومال نکال کر ہاتھ صاف کیے۔ وہ پھر سے سر جھکا کر بیٹھ گئی۔

"تم سے کوئی ملنے آیا ہے"۔ وہ اٹھ کھڑا ہوا۔ رفاہ کا جھکا چہرہ یکدم اٹھ کر اسے دیکھنے لگا۔

اس کی آنکھوں پر سوال تھا "کون؟"۔

"ساتھ چلو"۔ اس نے ہاتھ آگے بڑھایا تو رفاہ سہم کر پیچھے ہوئی اور حیرت سے اسے دیکھنے لگی۔

"شوہر ہوں تمہارا نا محرم نہیں"۔ وہ ماتھے پر بل ڈال کر کہتا اس کا ہاتھ زبردستی پکڑتا اسے لے جانے لگا۔ رفاہ کا چہرہ ایک بار پھر رنگ بدلنے لگا۔

"اتنے سارے رنگ بدل لیتی ہو گولا گنڈے ہو کیا؟"۔ شرجیل ساتھ چلتے چلتے پوچھ رہا تھا اور وہ سر کو چادر سے ڈھانپے اس کے پیچھے کھنچی چلی جا رہی تھی۔

وہ باغ سے ہوتے ہوئے باہر کی طرف گزرنے لگے۔ رفاہ کے ہاتھ اس شخص کی ہاتھ میں تھا۔ اس نے نظریں اٹھا کر اس مضبوط چوڑے شخص کو دیکھا جس کے ہاتھ کی گرفت اس

کے ہاتھ پر مضبوط ہوتی جا رہی تھی۔ وہ شخص اس کا مجازی خدا تھا۔ وہ اس کے چھوڑے ہوئے قدموں پر قدم رکھتی چلی جا رہی تھی۔ دل میں اب بھی ایک خوف تھا مگر وہ جانتی تھی کہ اگر وہ یونہی اپنا برتاؤ اس کے ساتھ رکھے گا تو وہ بہت جلد اس سے مانوس ہو جائے گی۔

اوپر کھڑی افشاں کے کمرے کی کھڑکی سے جھانکتی صالحہ نے مسکراتے ہوئے دونوں کو دیکھا تھا۔ وہ دونوں ساتھ اچھے لگ رہے تھے۔ صالحہ انہیں تب تک دیکھتی رہی جب تک وہ باغ سے نکل نہیں گئے اور پھر ایک دیوار نے انہیں چھپا دیا۔

"وادیٔ عشق میں دو لوگوں کا جلد ہی اضافہ ہونے والا ہے"۔ وہ مڑ کر جائے نماز سے اٹھتی افشاں کو مسکرا کر دیکھتی ہوئی بولی۔ افشاں نے سوالیہ نظروں سے اسے دیکھا۔

"شرجیل صاحب اور رفاہ شرجیل کا"۔ وہ ان کے قریب آئی اور ان کے گلے لگ گئی۔

"پھپھو۔۔۔مجھے یاد کریں گی؟؟۔ یا بھول جائیں گی"۔ وہ اپنا غم انہیں بتانا نہیں چاہتی تھی اس لیے ہنستے ہوئے اس نے پوچھا تھا۔ افشاں نے اس کا ماتھا چوما اور محبت سے اثبات میں سر ہلایا۔

"اچھا؟ چلیں جب بھی آپ کو میری یاد آئے تو ثریا کے موبائل سے مجھے شہر فون کر دے گا پھپھو۔ میں جلدی سے ملنے آ جاؤں گی"۔ وہ انہیں دلاسا دیتے ہوئے بولی۔

وہ مسکرا دیں۔۔ دکھ سے۔۔۔

"چلیں اب آپ کھانا کھالیں"۔ وہ گھوم کر بستر پر آکر بیٹھ گئی۔ افشاں نے اپنا گھنے بالوں کا ڈھیلا جوڑا کھول کر پھر سے باندھا اور اس کے سامنے آکر بیٹھ گئی۔

"یہ لیں چلیں جلدی جلدی کھالیں ویسے بھی کھانا ٹھنڈا ہوگیا ہے"۔ ایک ہاتھ سے اپنے چہرے پر آئی زلفوں کو پیچھے کرتے ہوئے اس نے کھانا آگے رکھا۔ افشاں کو لگا تھا روز کی طرح صالحہ ہی اسے کھانا کھلائے گی مگر ایسا نہ ہوا۔ افشاں اسے اس وقت تک دیکھتی رہی جب تک صالحہ کو ہوش نہ آیا۔

"آپ کھانا کیوں نہیں کھا رہیں؟"۔ اس نے حیرت کا مظاہرہ کیا۔ افشاں صرف اس کی کنچی آنکھوں کو تک رہی تھی جسے بار بار صالحہ جھپک رہی تھی۔ صالحہ جان گئی کہ وہ کیوں اسے تک رہی ہیں۔

"نہیں! آج میں نہیں کھلاؤں گی! آج آپ خود کھائے گا۔ اب عادت توڑالنی ہے نا؟ اس جمعہ کو ویسے ہی میں شہر جا رہی ہوں۔۔۔"۔ اس نے باتوں ہی باتوں میں دل کو مار کر وہ بات بھی کہہ دی۔ کچھ دیر کی خاموشی چھا گئی۔ وہ ٹھٹھکیں اور اسے کندھے سے پکڑ کر ہلا ڈالا۔

"کیا ہوا پھپھو؟۔ شہر میں ہی تو شادی ہے۔ داجی نے کہا ہے جمعہ کو شہر چلے جائیں گے۔ آپ میرے لیے بہت ساری دعائیں کرے گا پھپھو۔ کریں گی نا؟"۔ وہ اپنی کشادہ آنکھیں ان کی آنکھوں میں ڈال کر بہت محبت سے بولی۔ انہوں نے تیزی سے اثبات میں

سر ہلایا اور اسے گلے لگا لیا۔ وہ ان کے گلے تب تک لگی رہی جب تک اسے سسکیوں آواز محسوس نہ ہوئی۔

---★★---

اس نے اس کا ہاتھ باہر دروازے پر لا کر چھوڑا تھا۔

"آپ۔۔۔ آپ مم۔مجھے گھر بھیج رہے ہیں؟"۔ اس نے اپنی مخروطی انگلیوں کو آپس میں جکڑا۔ چہرے پر ہلکی ہلکی خوشی نمودار ہو رہی تھی۔

شرجیل نے اس کے چہرے پر اڑتی خوشی دیکھی اور گہری سانس لے کر بولا۔

"تمہیں کیا لگتا ہے؟"۔ اس نے ایک آئبرو اچکا کر سنجیدگی سے اس سے پوچھا۔ خوشی سے ابھرتا چہرہ ڈھل گیا اور نگاہیں جھک گئیں۔ وہ کیسے بھول سکتی تھی وہ ونی ہے۔۔۔ اس کی سزا عمر قید ہے۔

"تمہارے بابا آئے ہیں۔ ملنا چاہتے ہیں تم سے! میں انہیں بلا رہا ہوں"۔ اس نے آواز دی تو وہ اندر آ گئے۔

رفاہ نے تھوک نگلا۔ اس کے حواس منجمند ہونے لگے اور چہرہ سفید لٹھے کی مانند ہو گیا۔ اس کی آنکھوں کی پتلیاں بے حرکت ہو گئی تھی اور وہ صرف سامنے آنسو بہانے والے شخص کو دیکھنے لگی۔

"میں جا رہا ہوں۔ دس منٹ کا وقت ہے مل کر اندر چلے جانا تم بھی"۔ وہ اس کے بلکل قریب کھڑا دھیمی آواز میں اس کے کان کے قریب آکر کہتا ہوا جانے لگا۔ سامنے کھڑے رفا کے بابا اس کے گلے لگنے قریب آنے لگے۔ وہ بے حس و حرکت کھڑی لڑکی کے اندر عجیب سی حرکت ہوئی کہ اس نے پلٹتے شرجیل کا بازو پکڑ لیا۔ شرجیل آگے نہ بڑھ سکا اور تھم گیا۔ آنکھیں حیرت سے پھیلیں اور اس نے اپنے دائیں بازو پر اس کے ہاتھوں کے لمس محسوس کیے۔ نگاہ جھکا کر اپنے بازو کو دیکھا تو اس نے اس کا بازو ایک ہاتھ سے مضبوطی سے پکڑ رکھا تھا۔ قد میں وہ اس کے کندھے سے بھی چھوٹی تھی۔ اس نے گردن موڑ کر رفاہ کے سفید ہوتے چہرے اور ٹھہری ہوئی پتلیوں کو دیکھا اور پھر پیچھے سے آتے خالد صاحب کو!

"مم۔مجھے نہیں ملنا۔۔۔مم۔مجھے نہیں ملنا ان سے"۔ وہ کانپتے لہجے سے کہتی ہوئی جذباتی ہونے لگی۔ وہ اس کی کیفیت سمجھنے سے قاصر تھا۔

"رفاہ میرا بیٹا۔۔"۔ وہ آدمی غم سے وہیں ٹھہر گیا۔

"نہیں ہوں میں آپ کی بیٹی"۔ وہ دیوانہ وار چیخی۔ اس کی گرفت شرجیل کے بازو پر مضبوط ہوئی۔ شرجیل نے آنکھیں پھاڑ کر اسے دیکھا اور ایک بار پھر خالد صاحب کو۔۔۔

"رفاہ"۔ خالد کے منہ سے کپکپاتا ایک لفظ نکلا۔ وہ بے یقینی سے اسے دیکھ رہے تھے۔ رفاہ کے چہرے کے زخم انہیں ہولانے لگے اور انہیں محسوس ہوا کہ ان سے بہت بڑی خطا غلطی ہوئی ہے۔

"نہیں ہوں میں آپ کی رفاہ! نام مت لیں میرا"۔ سخت لہجے میں کہتے کہتے اس کی آنکھ سے آنسو نکل پڑے۔ شرجیل نے مڑ کر اسے کندھے سے تھاما اور اس کی کیفیت سمجھنے کی کوشش کرنے لگا۔

"مجھے نہیں ملنا ان سے بجھے ساتھ اندر لے جائیں پلیز"۔ وہ التجا کر رہی تھی اور وہ آنکھیں پھاڑ کر اسے سمجھنے کی کوشش کر رہا تھا۔ وہ ایسا کیوں کہہ رہی تھی؟ شرجیل کی نظریں منہ پر ہاتھ رکھ کر بلک بلک روتے خالد صاحب پر گئیں۔ وہ دیوار کے ساتھ لگ کر نیچے بیٹھ چکے تھے۔ رفاہ نے ان کی طرف سے منہ پھیر لیا تھا۔ وہ مکمل طور پر الجھ چکا تھا۔ منٹوں کا فیصلہ اس نے لمحوں میں کیا اور اس کا ہاتھ نرمی سے پکڑ کر اندر لے جانے لگا۔ وہ رونے کے ساتھ خالد صاحب کو دیکھنے سے گریز بھی کر رہی تھی۔ شرجیل آگے آگے چل رہا تھا اور اپنے ہاتھ میں پکڑا رفاہ کے ہاتھ پر گرفت مضبوط کر رکھی تھی۔ ہوا کا زور زیادہ تھا جس کی وجہ سے شرجیل کو اپنی شال سنبھالنے میں مشکل ہو رہی تھی۔ رفاہ کی ڈھیلی پونی کھل کر رستے میں ہی گر گئی اور بال اس کے منہ پر آنے لگے۔ وہ خالد صاحب کو پیچھے چھوڑ آئے تھے۔

لاؤنج کے دروازے کے باہر اس نے اس کا ہاتھ چھوڑا اور پلٹ کر اسے دیکھنے لگا۔ سفید کرکراتے کرتے شلوار پر کالی شال پر اسے ظالم بنا رہی تھی۔ رفاہ کے آنسو بے ربط بہہ رہے تھے۔ شرجیل نے ٹھوڑی پکڑ کر اس کا چہرہ اٹھایا۔ اس کے آنسو زمین پر جذب ہونے لگے۔ آنکھیں میچ کر کھولیں تو محسوس ہوا وہ اس کے بہت قریب کھڑی ہے۔ شرجیل نے آہستگی سے اس کے آنسو صاف کیے تو وہ بھی جلدی جلدی چہرے پر ہاتھ رگڑ کر صاف کرنے لگی۔ اس کے یوں بے دردی سے چہرہ رگڑنے پر اس نے رفاہ کے دونوں ہاتھ تھام کر اسے رکنے کا کہا۔ وہ حیرانی اور ایک عجیب احساس سے اسے دیکھنے لگی۔ ایک نظر اپنی شال کو دیکھ کر اس کا ایک کونا اس کے چہرے کے قریب لایا اور ہلکا ہلکا اس کے چہرے پر تھپک کر اس کا چہرہ صاف کیا۔ وہ نظریں جھکائے سسکیاں بھرتی رہی۔

"ہشش رومت"۔ اس نے بہت نرمی سے اس کی ٹھوڑی اٹھا کر تاکید کی۔۔ ہوا اپنا روپ دکھا رہی تھی۔ وہ کچھ لمحے اسے یوں ہی تکتی رہی جب تک اسے احساس نہ ہوا۔ وہ ایک ہاتھ سے چہرے پر آتی زلفوں کو پیچھے کرتی خوف سے اندر بھاگ گئی۔ پیچھے کھڑے شرجیل کے دل میں عجیب احساس نے جنم لیا۔ ماتھے پر آئی پریشانی کی شکنیں کچھ اور گہری ہو گئیں۔ وہ روتا ہوا چہرہ اس کے خیالوں میں بار بار آنے لگا۔ دکھتے دل سے وہ لاؤنج میں داخل ہوا تھا

مگر وہ یہاں لاؤنج میں کہیں نہیں تھی۔ ہر طرف نظر دوڑانے پر بھی وہ اسے نظر نہ آئی تو وہ گہری سانس لیتی سیڑھیاں چڑھتا چلا گیا۔

** ۔۔۔۔۔۔

"آپ روئیں مت"۔ اس نے افشاں کے چہرے کی گلابی ہوتی رنگت پر انگلیاں رکھیں۔ اسے محسوس ہوا وہ اپنا مستقبل دیکھ رہی ہے۔ وہ رو ہی تھیں کیونکہ ان سے بچھڑ رہی تھی۔ آنکھ سے آنسو نکل رہے تھے اور ہونٹ گلابی ہو گئے تھے۔ حسن کا ایک کرشمہ تھا جو صالحہ کے سامنے کھڑا تھا۔

"مجھے اماں بلا رہی ہیں شاید۔۔ میں آتی ہوں"۔ وہ رندھی آواز میں کہتے ہوئے مسکرائی اور پلٹ گئی۔ افشاں بے ساختہ مسکرائی۔ وہ بے زبان تھی مگر بہری نہیں تھی۔ وہ اس بات سے انجان نہیں تھی کہ وہ کیوں چلی گئی۔ افشاں کے کمرے کا دروازہ بند کرتے ہوئی صالحہ کے آنسو بے ربط بہنے لگے تھے۔ وہ بار بار اپنی آنکھیں رگڑ رہی تھی اور چہرہ بار بار بھیگ رہا تھا۔ ضبط گویا کہیں کھو گیا تھا۔ اب وہ مسلسل ہچکیاں لے رہی تھی۔ افشاں کی منزل پر ہی کسی دوسرے خالی کمرے کے دروازے پر وہ بیٹھی اس وقت تک روتی رہی جب تک دل بھر نہ گیا۔ جب تھوڑا حوصلہ ملا تو وہ چہرہ رگڑتی اپنے کمرے میں چلی گئی۔ وہ تھوڑی دیر

آرام کرنا چاہتی تھی۔۔ ایک لمبی مسافت کے بعد ایک اور سفر کے لیے خود کو تیار کرنا چاہتی تھی۔ وہ موم کی گڑیا پتھر بن جانا چاہتی تھی۔

*** ** ***

رات کا نجانے کونسا پہر تھا جب وہ کوارٹر میں داخل ہوا تھا۔

"باہر آؤ"۔ وہ چارپائی پر چادر اوڑھے لیٹی تھی جب شرجیل نے حکم دیا۔ وہ ہڑبڑا گئی۔ کچھ غلط ہونے کا احساس اسے اندر سے کھانے لگا۔ اچھی طرح خود کو اپنی باریک چادر میں لپیٹتی باغ میں آ گئی جہاں وہ جھولے پر بیٹھا تھا۔

"آپ نے بلایا؟"۔ وہ ڈوپٹے کو گھونگھٹ کے انداز میں پہنی ہوئی تھی۔ شرجیل نگاہیں اٹھا کر اسے دیکھا۔

"بیٹھو"۔ اس نے نگاہوں سے برابر بیٹھنے کا اشارہ ساتھ دیا۔ اس کے کہنے پر رفاہ لرزتی پلکوں اور دھڑکتے دل سے اس کے برابر بیٹھ گئی۔ لمبی کی خاموشی چھا گئی۔ باغ میں صرف ایک مدھم سا بلب جل رہا تھا۔ اس کی روشنی اتنی بھی نہیں تھی کہ وہ ایک دوسرے کے چہرے کے نقوش کا اندازہ کر پاتے۔

"اپنے بابا سے کیوں نہیں ملی؟"۔ اس نے ٹھہر کر پوچھا۔

"کیونکہ میں ان سے ملنا ہی نہیں چاہتی"۔ وہ نا چاہتے ہوئے بھی تھوڑا سخت ہو گئی۔ شرجیل نے اس کے چہرے کے نقوش غور سے دیکھنے کی کوشش کی۔

"وہ باپ ہے تمہارا"۔ اس نے بتایا جیسے وہ جانتی ہی نہیں۔

"مگر میں نہیں ملنا چاہتی"۔ اس نے سختی سے لفظ ادا کیا اور اٹھ کھڑی ہوئی۔ "اگر آپ کو یہی بات کرنی تھی تو میں اس موضوع پر کوئی بات نہیں کرنا چاہتی"۔ غصہ میں وہ یہ بھول گئی تھی کہ وہ کس سے بات کر رہی ہے۔ شرجیل نے ماتھے پر بل ڈال کر اسے دیکھا۔ وہ سر جھکا کر کہتی مڑنے لگی تھی کہ شرجیل نے سختی سے اس کا ہاتھ پکڑا۔ اپنے قدموں کے ساتھ ساتھ رفاہ کو اپنی سانس بھی رکتی محسوس ہوئی تھی۔

"میں نے جانے کا کہا کیا؟"۔ وہ سختی سے بات نہیں کرنا چاہتا تھا مگر رفاہ نے اسے مجبور کر دیا تھا۔ "بیٹھ جاؤ"۔ اس نے اپنی آنکھیں اس کے چہرے پر گاڑ کر بلند آواز میں حکم دیا۔

وہ اس کی آواز پر سہمتی برابر میں پھر سے بیٹھ گئی۔

"جو پوچھ رہا ہوں آرام سے بتا دو ورنہ اس چھت کی منڈیر پر کھڑا کر دوں گا"۔ وہ حویلی کی چھت کی طرف اشارہ کرتے ہوئے بولا۔ رفاہ نے اس کے اشارے کے تعاقب میں دیکھا تو لرز اٹھی۔ اندھیرے میں حویلی اور خوفناک لگ رہی تھی۔

"کیوں نہیں ملی ان سے؟"۔ اس نے سوال پھر سے دہرایا۔

"میرا دل نہیں چاہ رہا تھا"۔ وہ خود پر ضبط کرتے ہوئے مضبوطی سے بولی۔

"کیوں نہیں چاہ رہا تھا؟"۔ اس نے اسی کے انداز میں پوچھا تو وہ لب بھینچ گئی۔

"بس دل نہیں کر رہا تھا شرجیل صاحب"۔ کہتے کہتے اس کی آواز رندھ گئی۔

"پہلی بات! شرجیل صاحب میں آپ کے سوا ہر کسی کے لیے ہوں!"۔ شرجیل نے سنجیدگی سے اسے ٹوکا۔ وہ گھبرا گئی جیسے کوئی بہت بڑی غلطی کر دی ہو۔ اس نے حلق میں تھوک نگل کر اپنے ہاتھوں کو دیکھا جو سردی کے باعث سفید ہو رہے تھے ارناخن ہلکے نیلے۔

"ک۔ کیا کہوں آپ کو"۔ وہ ہکلاتے ہوئے بولی۔ شرجیل نے اس کے سوال پر اس کی طرف رخ موڑا جو اپنی مخروطی انگلیاں چٹخ رہی تھی۔ ہاتھوں کی سفیدی دیکھ کر شرجیل نے بے ساختہ اس کے ہاتھوں کو اپنے ہاتھوں میں لیا اور غور سے دیکھنے لگا۔

"شرجیل کہہ سکتی ہو مجھے۔۔۔ اب شوہر کو صاحب بولتی اچھی لگو گی؟"۔ سنجیدگی سے گفتگو وہ اس سے کر رہا تھا مگر نظریں اس کے ہاتھوں کے ناخنوں پر تھیں۔ رفاہ کو اس کی باتیں عجیب لگی تھیں۔ اسے شرجیل سے ایسی گفتگو کی امید نہیں تھی۔ وہ چہرے سے بردبار اور سخت لگتا تھا مگر وہ اندر سے اتنا ظالم نہیں تھا وہ یہ جان گئی تھی۔

"تمہیں ٹھنڈ لگ رہی ہے؟۔ کوئی گرم کپڑے نہیں ہے پہننے کے لیے؟۔ یہ کیا اتنے ہلکے کپڑے پہنی ہوئی ہو؟ اس سے بھلا کوئی ٹھنڈ رکے گی؟"۔ وہ اسے بلکل بچوں کی طرح ڈانٹ رہا تھا۔ رفاہ اسے بنا کسی تاثر کے تک رہی تھی۔

"کچھ کہو گی بھی یا یوں ہی مجھے غصہ دلاتی رہو گی؟"۔ وہ ماتھے پر بل ڈال کر بولا۔

اس بندے کو سوائے ماتھے پر بل ڈالنے کے علاوہ کچھ نہیں آتا۔ رفاہ نے اس کے ماتھے پر آئے بل کو دیکھ کر دل میں سوچا۔

"میں ونی ہوں ہوں جو قتل کے بدلے میں آئی ہوں۔۔ جس کے آنے سے حویلی میں خوشیاں نہیں غم آئے ہیں۔۔۔ گھر سے جو سامان لائی تھی حویلی کے باہر ہی پھنکوادیا تھا اور بس یہ دو تین کالے سوٹ دیے تھے تحفے میں!"۔ وہ بتا کر چپ ہوئی۔۔۔ شرجیل نے کچھ سوچ کر گہری سانس لی۔ لوگ بھی کیسے جابر ہو جاتے ہیں یہ جانے بغیر کہ خدا دیکھ رہا ہے۔

وہ سوچ کر رہ گیا۔

"یہ شال لے لو"۔ اس نے اپنی شال اتار کر اسے اوڑھانا چاہا۔ رفاہ کو وہ شخص عجیب لگا۔ وہ شخص اس کی امیدوں کے بر عکس جا رہا تھا۔

"یہ۔ یہ کک۔ کیوں دے رہے ہیں مجھے؟"۔ وہ گڑبڑائی۔ شرجیل نے اس کی چمکتی آنکھوں میں دیکھا جس میں ہلکے بلب کی روشنی کا عکس پڑ رہا تھا۔

"بیوی ہو میری"۔ اس نے یہ لفظ بہت محبت سے اس کی آنکھوں میں دیکھ کر ادا کیا تھا۔

رفاہ کو لگا جیسے وہ خواب دیکھ رہی ہے۔ بھلا ونی کے ساتھ بھی کوئی ایسا برتاؤ رکھتا ہے۔

"میں ونی ہوں"۔ اس نے ایک بار پھر یاد دلانا چاہا۔ وہ کوئی خواب بننا نہیں چاہتی تھی شرجیل کے متعلق! ایسا خواب تو بلکل بھی نہیں جس کے بکھر جانے کا اندیشہ ہو۔۔۔

"یہ خود کو بار بار ونی کہنا بند کرو گی؟"۔ اسے اس لفظ سے چڑ ہو گئی تھی۔ اس کے یوں چڑنے پر وہ خاموش ہو گئی۔ سناٹے ماحول میں صرف جھولا ہلکے ہلنے کی آوازیں تھیں۔

"یہ مت سوچو ونی ہو۔ یہ سوچو کہ تم۔۔۔۔"۔ وہ کہتے کہتے لمحہ بھر کو رکا تھا۔ اس کے یوں رکنے پر رفاہ نے نگاہ اٹھا کر اسے دیکھا۔ وہ اس کا جملہ مکمل کرنے کا انتظار کرتی رہی۔

"رفاہ شرجیل ہو"۔ اس نے جملہ مکمل کیا اور نظریں چرا کر سامنے دیکھنے لگا۔

"میں کوشش کر رہا ہوں۔۔۔ میں کوشش کر رہا ہوں کہ حویلی والوں کی ذہنیت بدل دوں"۔ وہ آسمان کو تکتے ہوئے کہہ رہا تھا اور رفاہ اس کی باتیں سمجھنے کی کوشش کر رہی تھی۔

وہ ایک بار پھر پریشانی سے انگلیاں چٹخنے لگی تو شرجیل نے اس کے ہاتھ پر اپنا ہاتھ رکھا اور ہلکا سا دبایا۔

"مت کرو"۔ شرجیل نے اس کی آنکھوں میں دیکھ کر اسے تاکید کی تو وہ خوف سے رک گئی۔

"مجھے آپ کی باتیں الجھا رہی ہیں"۔ وہ پریشانی سے بولی۔ ماحول میں ایک بار پھر سناٹا چھا گیا۔ شرجیل نے نفی میں سر ہلایا۔

"تم ایسا نہیں کہہ سکتی۔۔۔ میں حالِ دل سنانے سے قاصر ہوں۔ عجیب کشمکش میں ہوں اس دن سے جس دن تم میرے نکاح آئی تھی۔ دل میں عجیب ایک سرور ہے اور یہ دماغ بار بار کسی ایک کو سوچ رہا ہے"۔ وہ اب تھوڑا تیز جھولا جھلانے لگا۔

"کیا تمہیں اب ٹھنڈ لگ رہی ہے؟"۔ سخت سردی میں وہ اپنی شال اسے دے بیٹھا تھا اور اب بغیر شال کا تھا۔

"نہیں اب بب۔ بہتر ہے تھوڑا"۔ اس کا خوف مکمل ختم نہیں ہوا تھا مگر کچھ کم ہو گیا تھا۔

"زندگی میں آج سے پہلے اتنی باتیں کسی سے کبھی نہیں کیں جتنی آج تم سے کر لیں"۔ وہ مسکرایا تھا اور رفاہ؟ رفاہ اسے بے یقینی سے مسکراتے دیکھ رہی تھی۔ وہ شخص مسکراتا بھی تھا۔ اسے لگا وہ اس کے لہجے کے سحر میں کھو جائے گی۔

"اپنا سامان باندھ لینا! جمعہ کو شہر جانا ہوگا"۔ وہ اپنے پرانے لہجے میں واپس آ گیا تھا۔

"کیوں؟"۔ وہ الجھی۔

"صالحہ کی شادی کے لیے"۔ اس نے بھنویں اچکائیں۔

"مگر شاید حویلی والے مجھے نہ لے کر جائیں"۔ اس نے گردن جھکا کر بتایا۔

"شوہر کون ہے تمہارا؟"۔ اس کے ماتھے ہر بل نمودار ہوئے۔ رفاہ کا دل چاہا کہ ایک بار پھر یاد دہانی کروادے کہ وہ ونی ہے۔۔ مگر وہ خاموش رہی اور تھوک نگل کر اسے دیکھنے لگی۔

"میں یہاں اکیلے نہیں چھوڑ سکتا تمہیں"۔ اس نے اسے دیکھے بغیر کہا۔ رفاہ کو محسوس ہوا کہ اس کی زندگی بہت جلد سنورنے والی ہے۔ اس کا شوہر اس کی حفاظت کرنا چاہتا تھا۔

"آپ نے مجھے اتنی رات کو کیا بات کرنے کے لیے بلایا تھا؟"۔ وہ اتنی باتیں کر چکا تھا کہ رفاہ کو لگا کہ وہ اسے صرف اپنے لیے کوارٹر سے باہر لایا تھا تاکہ وہ اس کے ساتھ کچھ وقت گزار سکے۔ وہ مبہم سا مسکرایا۔ وہ مسکراتا ہوا سچ میں غضب ڈھاتا تھا وہ یہ بھی جان گئی تھی۔ وہ کیسے اظہار کرے اپنے جذبات کا؟۔ اس سخت اور باہمت شخص کو اپنے جذبات کا اظہار کرتے ہوئے حیا آرہی تھی۔ وہ سوچنے لگا کہ وہ جاننا چاہتی ہے کہ اس نے اسے کیوں بلایا حتیٰ کہ وہ اب تک جان گئی ہوگی۔ وہ کوئی اتنی چھوٹی بچی بھی نہ تھی جسے ان سب علم نہ تھا۔ ہاں وہ جان گئی ہوگی کہ اس کا شوہر اس سے باتیں کرنا چاہتا ہے، وقت بِتانا چاہتا ہے۔ وہ سوچتے ہوئے زیرلب مسکرایا۔

"اتنے سال ہو گئے شاہ جی کے ساتھ وقت بِتاتے ہوئے کہ ان کے گنگنائے گئے ہر الفاظ مجھے یاد ہو گئے۔ کبھی سناؤں گا تمہیں"۔ وہ بات بدل گیا تھا۔ پھر یوں ہوا کہ وہ اس جھولے پر تب تک بیٹھے رہے جب تک فجر کی آذانوں نے انہیں ہوش نہ دلا دیا۔ شبنم کے قطرے پتوں کو نم کرنے لگے۔۔ اوس پڑنے لگی تھی مگر انہیں ہوش نہ آیا تھا۔ آج شرجیل بولا تھا! آج وہ شخص بولا تھا جو بظاہر ظالم معلوم ہوتا تھا۔ جو سخت اور جابر تھا۔ جو بولتا کم تھا مگر نظروں کے ارتکاز اور چہرے کے زاویے سے سامنے والے کو نظروں ہی نظروں میں زمین پر دفنا دیا کرتا تھا۔ وہ آج اس لیے بولا تھا کیونکہ وہ جانتا تھا کہ وہ اس کے سامنے جتنا بھی بولے گا وہ سنتی رہے گی۔ وہ اس کی بیوی تھی اور ہاں۔۔۔ یہ احساس بھی اچھا تھا۔

اس نے یہ بھی بتایا کہ کیوں شاہ جی آدھی رات کو اپنے کوارٹر کے باہر کرسی لگا کر سب سے اوپر والی منزل کو دیکھتے ہیں۔ اس نے یہ بھی بتایا کہ شاہ جی کس دیس کے باسی ہیں۔ وہ اس حویلی کی ایک آخری اینٹ جیسے کیوں ہیں۔ اس نے یہ بھی بتایا کہ شاہ جی کے سجدے اتنے لمبے کیوں ہیں اور وہ پرہیزی کھانا وقت سے پہلے بنا کر کیوں رکھتے ہیں۔ اس نے یہ بھی بتایا کہ شاہ جی کے پاس بہت انمول چیزیں ہیں اور وہ کن کے لیے محفوظ کر کے رکھی ہیں۔ اس نے فضیلہ باجی کا بھی بتایا جن کی شادی بھی یونہی شہر کے کسی چوہدری سے زبردستی کرادی تھی۔ وہ شخص کیوں اتنا ظالم تھا اور اس نے فضیلہ باجی کو کیوں مٹّی تلے

دفنا دیا تھا۔ وہ قبر جس کو ڈھونڈنے وہ شہر کے قبرستانوں کا چکر لگاتا ہے مگر اب تک ناکام ہی رہا تھا۔ حویلی کے مظلوم اپنے ساتھ ہوتے ظلم کو درگزر نہیں کر رہے بلکہ ضبط کر رہے ہیں۔ اور یہ ضبط کبھی کھو جائے گا تو اس حویلی کی عورتیں اور وہ مرد جو ظلم کو ظلم ہی سمجھتے ہیں اس حویلی کی اینٹ سے اینٹ بجا دیں گے۔ اس نے حویلی کے ایک ایک فرد کی کہانی سنائی اور اس لیے سنائی کہ اس کا جاننا ضروری تھا۔ وہ اس کی بیوی تھی۔ صبح کی آذان پر وہ جھولے سے اٹھ کھڑے ہوئے تھے۔۔ شرجیل کا چہرہ ہشاش بشاش تھا۔ وہ اس سے بات کر کے اس لیے بھی اچھا محسوس کر رہا تھا کیونکہ اسے کوئی بات کرنے والا مل گیا تھا۔ وہ تھک گیا تھا خاموش رہ رہ کے۔۔۔ کم بولنے اور زیادہ سننے والے ہر اصول کو توڑ کر سب سے زیادہ وہ آج ہی بولا تھا۔ دن گزرنے لگے۔۔۔ وجدان نے کچھ دنوں کی چھٹی کرنے کا فیصلہ کر لیا تھا اور اب وہ سارا سارا وقت وجیہہ کے ساتھ گزارتا تھا۔ وہ اس کی بہن تھی اور وہ اس کی خوشی کے لیے اتنا تو کر ہی سکتا تھا۔ گھر میں خوشیاں لوٹ آئی تھیں اور وجدان کی اندر کی خوشیاں ہلکے ہلکے، آہستہ آہستہ ماند پڑ رہی تھی۔ وقت گزر رہا تھا تو خوف بڑھ رہا تھا۔۔۔ وحشتیں قیام کر رہی تھیں۔۔ وجیہہ اس سے دور جانے والی تھی یہ بات اس کا دل ہولا رہی تھی۔ وہ اب سارا دن اسے اپنے پاس بٹھائے رکھتا۔ اس کے منہ سے نکلی ایک ایک خواہش دوڑ دوڑ کر پوری کرنے لگا۔

صالحہ گویا ایک مردہ وجود بن کر رہ گئی تھی۔ دن گزرنے لگے اور وہ دن بھی آیا جب افشاں نے اس کا اترا چہرہ دیکھ کر اسے ایک پرچہ پکڑایا۔ یہ وہ پرچہ تھا جو اس کی امید کو بڑھا دیتا تھا۔

"تم صالحہ ہو! ایک نیک اور صالحہ لڑکی بن جاؤ"۔ اس نے وہ پرچہ تھاما اور مسکرادی۔ ہاں یہ ایک اہم صفحلہ تھا۔ جمعرات کی رات کو وہ دبے پاؤں زینے چڑھ کر ان کے کمرے میں انہیں دودھ پیش کرنے آئی تھی۔ اگلے دن صالحہ کا سفر تھا اور وہ افشاں کو روتے ہوئے نہیں دیکھنا چاہتی تھی۔ دودھ کا گلاس صالحہ کے ہاتھوں میں دیکھ کر وہ حیران ضرور ہوئی تھیں۔ وہ کبھی یوں تاخیر سے نہیں لائی تھی۔ یہ محسوس کیے بنا کہ اس میں کوئی دوا ملائی گئی ہے وہ اسے اس کی خوشی کی خاطر پورا پی گئی۔ اگلے دن وہ تب تک سوتی رہی جب گھر کی ایک ملازمہ نے اسے خود نہیں اٹھایا۔ وہ ہڑبڑا کر اٹھی تھی اور ہکا بکا ہوئی سوچ رہی تھی کہ وہ کیسے اتنی دیر تک سوتی رہی۔۔۔ ان کی نظر اپنے کمرے کی کھڑکی پر گئی جہاں تیز دھوپ اندر آ رہی تھی۔ بھاگ کر کھڑکی تک آئی تاکہ جان سکے کہ کیا وقت ہوا ہے۔ دوپہر بھی گزرنے والی تھی۔ افشاں کو گیراج میں شرجیل اور رفاہ کھڑے دکھے۔۔۔ وہ اسے گاڑی میں آگے بیٹھنے کی تاکید کر رہا تھا اور وہ ہلکے ہلکے خوف اور کچکچاہٹ سے اپنی انگلیاں بھینچ رہی تھی۔ شرجیل کے ہاتھوں میں بیگ تھے جسے وہ گاڑی میں ڈال رہا تھا۔ اس نے باغ کی طرف

نگاہیں موڑیں تو ایک بڑی عمر کا شخص کچھ گنگنا رہا تھا۔ افشاں نے اسے دیکھا جیسے پہچاننے کی کوشش کر رہی ہو۔۔ وہ شخص پودوں کو پانی ڈال رہا تھا اور اس کی افشاں کی جانب پشت تھی۔ وہ آواز قدرے جانی پہچانی تھی مگر افشاں کو پریشانی کچھ اور تھی۔ وہ صالحہ کو ڈھونڈنا چاہتی تھی۔۔۔ وہ شخص کیا گا رہا تھا۔۔۔ اس کی گنگناہٹ افشاں کے دماغ میں صالحہ کے خیال کے ساتھ الجھ رہی تھیں۔ وہ اس کے لفظوں پر غور کرنے لگی۔

DON'TCOPYPASTEWITHOUTMYPERMISSION.

زنجیر از قلم عینا بیگ

قسط ۱۲

وہ حویلی کو الوداعی نظروں سے دیکھ آئی تھی۔ اس نے گھر میں داخل ہوتے ہوئے اس کی عمارت پر بھرپور نگاہ ڈالی تھی۔ پیچھے سے بیگ گاڑی سے نکالتا حیدر اس کے رکنے پر اسے تکنے لگا۔ یہ وہی گھر تھا جس میں وہ ٹھہرا کرتا تھا۔ وہ دروازہ ہاتھ سے کھولتے ہوئے اندر داخل ہوئی۔ شمیلہ بھابی جو پھولوں سے گھر کو سجا رہی تھیں اس کی آمد پر بھاگی بھاگی آئیں۔

"ارے دلہن آگئی"۔ انہوں نے اس کا چہرہ ہاتھوں میں بھرا اور پیشانی چومی۔

"میں نے تمہیں دو دن بہت یاد کیا"۔ وہ بہت محبت سے کہہ رہی تھیں۔ صالحہ نے پھیکا سا مسکرا کر پیچھے پھولوں سے سجا کر دیکھا۔

"یہ گھر کیوں سجایا ہے؟"۔ وہ ہر جذبات سے عاری ہو کر پوچھ رہی تھی۔۔

"شادی کا گھر ہے صالحہ"۔ انھوں نے اس کے چہرے کی لٹ کو کان کے پیچھے کیا۔

"شادی؟ نہیں نہیں شادی صرف ویر کی ہے! میرا جنا۔۔۔" وہ ابھی جملہ مکمل ہی کر رہی تھی کہ شمیلہ نے اس کو کندھے سے پکڑ کر جنجھوڑ ڈالا۔

"نہیں صالحہ ایسا مت کہو خدارا۔۔۔ اپنے لیے نہیں تو میرا ہی احساس کر لو"۔ یہ کہتے ہوئے ان کا لہجہ گیلا ہو گیا تھا۔ صالحہ نے انہیں دیکھا اور اثبات میں سر ہلاتے ہوئے اندر بڑھ گئی۔ اسے ان پھولوں سے نفرت ہو رہی تھی جو دیوار پر بہت خوبصورتی سے سجائے گئے تھے۔ ان پر نفرت بھری نگاہیں ڈال کر وہ سب کو حیران چھوڑ کر اوپر چلی گئی۔ کمرے میں داخل ہو کر اس نے پورے کمرے کا جائزہ لیا تھا۔ اس کمرے کی سجاوٹ دوسرے کمروں سے زیادہ تھی۔ بے دلی سے اس نے اپنا چھوٹا سا بستہ بیگ پر رکھا اور گرنے کے انداز میں بیٹھ گئی۔ شام کے سائے پھیل چکے تھے۔ وہ سفر سے اس قدر تھک چکی تھی کہ بستر پر لیٹ کر اسے ایک تھکن سی اترتی محسوس ہو رہی تھی۔ دل کے اندر شور اٹھا تھا اور باہر

بہت سناٹا تھا۔ وہ ارحم کی پھٹی ہوئی تصویریں ساتھ لے کر آئی تھی۔ بیگ سے ارحم کی تصویریں نکالیں تو ایک افشاں کی بھی تصویر نکل آئی۔ ارحم کی وہ تصویریں اس نے بہت سنبھال کر رکھیں تھیں۔ ایک آنکھ سے آنسو نکلا اور چادر پر جذب ہو گیا۔ افشاں کی تصویر پر نگاہ پڑی تو وہ لب بھینچ گئی۔ اس کی یاد سے دل میں ایک درد اٹھا اور وہ آنکھیں موند گئی۔۔۔

---**---

"بس اب میں بہت تھک گیا ہوں وجدان"۔ وہ صوفے پر لیٹ چکا تھا۔ وجدان جو اسٹول پر چڑھا ہوا تھا، اس کی اس بات پر اسے گھور کر رہ گیا۔

"تمہاری یہ گھوریاں مجھ پر ایک فیصد بھی اثر نہیں کر رہیں"۔ وہ اب آنکھوں پر ہاتھ رکھ کر آنکھیں میچ چکا تھا۔

"تو نے کیا ہی کیا ہے اب تک؟"۔ وجدان نے پھول کی لڑی کو دیوار پر سجا کر غصے سے پوچھا۔

"آئے ہائے تو یہ نہیں کہہ سکتا وجدان! یہ گھر جو تو سجا ہوا دیکھ رہا ہے اس میں سے پچاس فیصد میرا ہاتھ ہے"۔ زید کا ہاتھ بے اختیار دل پر گیا۔

"یہ اتنا سا کام ہی تو کیا ہے بس؟"۔ اس نے کندھے اچکا کر کہا تو زید کا دل چاہا اس کا گلا دبا دے۔

"میں گھر جا رہا ہوں! اب بس بہت ہو گیا"، وہ تڑپ کر اٹھا تھا۔

"تمہیں گھر جانا ہے؟ پہلے یہ سارے پھول سجاؤ، یہ لائٹیں لگاؤ،۔۔۔۔"اس نے بات ابھی مکمل ہی نہیں تھی کہ زید نے بات کاٹنی چاہی۔

"برتن دھو، جھاڑو بھی لگاؤ، اگلے سال تک کا کھانا پکاؤ اور پھر چلے جاؤ"۔ وہ تڑخ کر بولا۔

وجدان کی ہنسی چھوٹی اور اس کے ڈمپل گہرے ہوئے۔ "اگر اپنے بچے ہیں تو وہ بھی دیدے، ان کے ڈائپر بھی چینج کر جاتا ہوں"۔ وہ مکمل طور پر چڑ چکا تھا۔ "دن ڈھلنے لگا ہے اور تجھے اپنے دوست کی کوئی پرواہ نہیں"۔ وہ اس قدر تھک چکا تھا کہ رو دینے کو تھا۔

وجدان کا قہقہہ بے ساختہ تھا۔۔۔

"ارے یار۔۔۔ چل یہ میں کر لیتا ہوں یہ چھوٹا موٹا کام! جب تک تو آرام کر لے پھر کہیں باہر چلیں گے۔۔۔"۔ وہ اب اسٹول سے اتر چکا تھا اور فیری لائیٹس کی تھیلیاں باری باری کھول رہا تھا۔۔

"ڈنر کریں گے باہر"۔ زید نے چمک کر اپنی خواہش کا اظہار کیا جس پر وجدان نے تیزی سے نفی میں سر ہلایا۔

"آج ڈنر تو باہر نہیں ہو پائے گا کیونکہ آج میں بہت مصروف ہوں۔۔۔ تجھے ہوٹل کی چائے پلادوں گا تو فکر نہ کر!"۔

زید نے ناک منہ کے نقشے بگاڑ کر اسے بڑبڑاتے ہوئے کوسا۔ وجدان اس سب میں صرف مسکراتا ہی رہا تھا۔ اس کے اندر اب خاموشی چھا چکی تھی۔۔۔ وہ ابھی کسی کو سوچنا نہیں چاہتا تھا، ہاں مگر رات کو! کسی کو سوچے گا، سوچتے سوچتے اس کے خیالوں میں غرق ہو جائے گا۔ مگر یہ آخری بار ہو گا۔۔۔ جنوری کی آج آخری تاریخ تھی اور فروری کی پہلی تاریخ کو وہ کسی کو اپنی زندگی میں قبول کرے گا۔۔۔ ہر سوچ کو پس پشت رکھ کر وہ چاہے گا کہ وہ دل سے بھی اس کا ہی رہے۔۔

---**---

جمعرات کا دن ڈھلا اور رات آگئی۔ سارا دن وہ بولائی بولائی پھرتی رہی۔ اپنوں کے درمیان غیر بن کر! وہ گھر کے گارڈن میں بیٹھی تھی کہ شمیلہ بھابھی اس کے سامنے کرسی پر آ بیٹھیں۔

"ایک عورت جب بھی اپنی بیٹی کو رخصت کرتی ہے تو اس سے پہلے کچھ نصیحتیں بھی کرتی ہے۔۔۔ میں تمہاری ماں نہیں ہوں صالحہ مگر۔۔۔ میں تم سے کچھ بات کرنا چاہتی ہوں"۔ وہ کھلے آسمان کے نیچے بیٹھے تھے۔

"کسی کو یاد کر رہی ہونا تم؟"۔ انہوں نے خاموش بیٹھی صالحہ کو دیکھ کر پوچھا تو صالحہ نے دھیرے سے اثبات میں سر ہلایا۔

"یہ جو تصویریں ہاتھ میں دبائی ہوئی ہو اسے کل یہیں چھوڑ جانا۔ ساتھ لے کر کسی دوسرے کی یادیں اپنے شوہر کے گھر نہیں جانا صالحہ"۔ انہوں نے اپنے ہاتھوں کو آپس میں رگڑا تاکہ گرماہٹ پیدا ہو۔

"تصویریں چھوڑ جاؤں گی مگر یادیں تو ناممکن ہیں ناچچی؟"۔ اس نے پھٹی ہوئی تصویر کو جوڑنے کی کوشش کی۔

"مرنے والوں کے ساتھ مرا نہیں جاتا۔ یہ سوچ لینا کہ تم کسی کی بیوی بن جاؤ گی۔۔۔ اس کے ساتھ ناانصافی ہوگی صالحہ۔۔۔ وہ شخص کل اپنا آپ تمہارے نام کرے گا اور تم اپنے جذبات بھی اس کے نام نہیں کر پاؤ گی کیا؟"۔ شمیلہ چچی نے اس کی آنکھوں میں اپنا جواب کھوجنا چاہا۔ صالحہ نے نگاہ اٹھا کر انہیں دیکھا۔ وہ ٹھیک کہہ رہی تھیں۔ وہ شخص! صالحہ نہیں جانتی تھی وہ کیسا ہے مگر اس شخص کا بھی حق تھا کہ اسے ایسی بیوی ملے جو صرف اس کی رہے۔۔۔ وہ اٹھ کھڑی ہوئی اور اپنی مٹھی آگے کی۔۔۔ شمیلہ بھابھی نے اپنا ہاتھ کیا تو اس نے تصویریں ان کے ہاتھ میں رکھ دیں۔ وہ مبہم سا مسکرا دیں۔

"تم بات بہت جلدی سمجھ جاتی ہو صالحہ"۔ انہوں نے اٹھ کر اس کی پیشانی چومی تو وہ پھیکا سا مسکرا دی۔

"سچی بات تھی تبھی تو سمجھ گئی چچی"۔ وہ لبوں پر زبردستی مسکراہٹ لائی اور قدم گھسیٹتے آگے بڑھ گئی۔ شمیلہ بھابھی نے ان تصویروں کو غور سے دیکھا تھا۔ وہ اپنا دل ان کی ہتھیلی پر چھوڑ گئی تھی۔۔۔

۔۔۔★★۔۔۔

رات کا نجانے کونسا پہر تھا جب وہ لاؤنج میں سیگریٹ پھونکتا کسی کی یاد میں تصویر دیکھنے میں مگن تھا۔ وہ اپنے ٹیرس پر لگے جھولے پر آڑا ترچھا لیٹا ہوا تھا۔ آنکھیں شدتِ ضبط سے لال ہو رہی تھیں۔ پتا نہیں کیا خیال آیا اور سیگریٹ زمین پر پھینک دی۔ زید صحیح کہتا ہے وہ کبھی میری نہیں تھی۔۔۔ کبھی نہیں!

کھلے آسمان کے نیچے بیٹھا وہ ہاتھوں میں دبائی شہوار کی بے شمار تصویریں دیکھنے میں محو تھا۔

"کہاں ڈھونڈوں تمہیں اب میں؟۔ کیوں چھوڑ گئی مجھے؟ کوئی کسی اپنے کو کیسے بھول سکتا ہے؟ کیوں کانٹوں سی فطرت اپنا لی تم نے؟"۔ وہ زندگی میں پہلی بار کسی عورت کے لیے اتنا رویا تھا۔ وجدان چہرہ بار بار رگڑ رہا تھا اور چہرہ بار بار بھیگ رہا تھا۔ "دیکھو آج میں کتنا بے بس ہو گیا ہوں"

کبھی تم لوٹ کے آؤ

مجھے بس اتنا سمجھاؤ

کہاں سے سیکھ لی تم نے

ادا مجھ کو بھلانے کی

تمہیں مجھ سے شکوہ تھا

یا کوئی بھی شکایت تھی

زحمت تو ذرا سی تھی

نہ کی کوشش کی بتانے کی

بھلایوں چھوڑ کر اپنا

کوئی اپنوں کو جاتا ہے

مسلسل دکھ کی بارش میں

جیون بھر رلاتا ہے

ابھی تو ریت گیلی ہے

بنے اپنے گھروندوں کی

ابھی سب نقش باقی ہیں

گئے قدموں پہ لوٹ آؤ

مجھے بس اتنا سمجھاؤ

کہاں سے سیکھ لی تم

ادا مجھ کو بھلانے کی

اس نے خود سے تہیہ کیا تھا کہ اگر کبھی زندگی میں وہ اسے ملی یا پلٹ کر آئی تو وہ اس سے پوچھے گا! اپنا گناہ پوچھے گا اور اس کی بے وفائی کا پوچھے گا۔۔۔

کل اس کا نکاح تھا اور یہ تصویریں اب بھی اس کے ہاتھ میں تھیں۔ اس نے لائٹر جیب سے نکال کر جلایا۔۔۔ یہ کام اس کے لیے بہت مشکل تھا۔ آنکھ آنسو بہا رہی تھی اور دل یہ سب کرنے سے انکاری تھا۔ وہ تصویریں جلا رہا تھا اور محسوس اپنا دل جلتا ہوا کر رہا تھا۔

وہ جل کر راکھ ہوتی گئیں اور اپنا لمس وجدان کے ہاتھوں سے کھوتی گئیں۔ وہ جیسے جیسے جل رہی تھیں گویا وجدان کا دل جل رہا تھا۔۔

"تمہیں دیکھنے کا آخری سہارا بھی ختم"۔ وہ کرب سے بول رہا تھا۔

وہ آہستہ آہستہ اپنی شکل کھو گئیں اور وجدان کے ہاتھوں محض راکھ رہ گئی۔ وہ اسے بھول جانے کی اپنے رب سے دعا مانگنے لگا۔۔ جھولے سے اترنے کے لیے قدم زمین پر رکھے

تو ایک ٹھنڈ کی لہر پورے بدن پر دوڑا ٹھی۔ وہ زمین پر کھڑا ہو کر چلتا ہوا منڈیر تک آیا۔ تنہا چاند تھا اور وجدان تھا!۔

"بس یہیں تک ساتھ تھا شہوار میرا اور تمہارا!"۔ اس نے کہہ کر لب بھینچے تھے۔ "اب ایک بار بھی اور تمہیں نہیں سوچوں گا"۔ آنکھیں سختی سے میچ کر کھولیں اور لائیٹر جیب میں رکھتے ہوئے وہ وجیہہ کے کمرے میں چلا آیا۔ وہ گہری نیند میں لحاف سے خود کو محفوظ کیے سو رہی تھی۔ وہ کل رخصت ہو جائے گی یہ سوچ کر اس کا دل بھر آیا تھا۔ اس کے قریب آکر وہ اس کے سرہانے بیٹھ گیا۔ لٹیں جو چہرے پر سمائی ہوئی تھیں انہیں دھیرے سے پیچھے کرتے ہوئے اس کی پیشانی چوم کر اسے بہت محبت سے تکنے لگا۔ وہ سوتے میں کوئی چھوٹی بچی لگ رہی تھی۔ وجدان اس کے سرہانے آہستگی سے لیٹ گیا اور اس کے بالوں پر ہاتھ پھیرنے لگا۔ وہ ہلکا سا کسمسائی اور بھائی کی موجودگی پا کر اس کا ہاتھ اپنے چہرے سے ہٹا کر اپنے ہاتھوں میں سختی سے پکڑ لیا اور آنکھیں موند لیں۔ وجدان مبہم سا مسکرایا۔

"سو جاؤ کیونکہ تمہیں صبح پارلر بھی جانا ہے"۔ وہ اٹھنے لگا مگر وجیہہ نے اس کا ہاتھ اور مضبوطی سے پکڑ لیا جیسے جانے سے روک رہی ہو۔ لبوں پر مسکراہٹ پھیلی اور وہ اس کے پاس ہی لیٹ کر آنکھیں موند گیا۔ بھائی کی موجودگی پا کر وجیہہ نے اپنے آپ کو محفوظ محسوس کیا تھا۔ تھکاوٹ کے باعث وہ جلد ہی نیند کی وادیوں میں کھو گیا تھا۔

***

"صالحہ اٹھ جاؤ دیکھو کتنی دیر ہو گئی ہے۔۔ سمیعہ بھابھی نے شہر کی مہنگی بیوٹیشن کو بلایا ہے تمہارے لیے۔۔ وہ کبھی بھی پہنچتی ہوگی"۔ طلعت نے صالحہ کو ہلا کر اٹھایا جو فجر کی نماز پڑھ کر سو گئی تھی۔

"اٹھ گئی ہوں اماں"۔ وہ لیٹے لیٹے ہی آنکھیں کھولتے ہوئے بولی۔

"ناشتہ لائی ہوں منہ ہاتھ دھو کر اسے کھا لو۔ باقی افراد کھانا کھا چکے ہیں۔ تمہارا عروسی لباس استری کر کے رکھ دیا ہے۔ تیاری مکمل ہے"۔ وہ اس کا لحاف لپیٹ رہی تھیں۔

"کتنے بج رہے ہیں؟"۔ اس نے بے دلی سے پوچھا۔

"بارہ بج گئے ہیں۔ حیدر کے سالے نے وقت اور جائے مقام بتا دیا ہے۔۔۔ دو بجے تک ہر حال میں ہال میں موجود ہونا ہے"۔ وہ اسے آگاہ کرتیں کمرے سے چلی گئیں۔

صالحہ کا دل زور زور سے دھڑکنے لگا۔ وہ اب گہری گہری سانس لے رہی تھی۔ وقت جیسے جیسے بڑھ رہا تھا اس کے اندر کی وحشتیں بڑھتی چلی جا رہی تھیں۔ وہ اٹھ کر فریش ہو آئی۔ اس کی بھوک گھبراہٹ کے باعث مٹ چکی تھی۔ اپنا سینہ مسلتے ہوئے اپنے دل کا غبار باہر نکالنے کی کوشش کر رہی تھی۔ کمرہ اندھیرے میں ڈوبا ہوا تھا۔ باہر سے مسلسل شور کی

www.urdunovelsmania.com

آواز آرہی تھی۔ اسے کمرے کے باہر قدموں کی چاپ محسوس ہوئی۔ ہلکی آواز میں دروازہ کھلا تو صالحہ نے دروازے کی سمت دیکھا۔

"بیوٹیشن آگئی ہے"۔ پھیکا مرجھایا چہرہ مسکرا کر بولا تھا۔ صالحہ نے تھوک نگلا۔

"وہ سنگھار کا آغاز کریں گی تو میں تمہارا عروسی لباس کمرے میں لے آؤں گی"۔ ثریا نے دروازہ پورا کھول کر بیوٹیشن کو اندر بلا لیا۔

"یہ ہیں دلہن؟"۔ وہ اپنے کچھ بیگز کے ساتھ اندر آئی تھیں۔ ثریا نے اثبات میں سر ہلایا اور کمرے کو بلب جلا کر روشن کیا۔ پردوں کو کھڑکیوں کے سامنے سے ہٹایا تو کمرا روشن ہوگیا۔ صالحہ کی آنکھوں میں روشنی پڑی تو آنکھیں چندھیا گئیں۔

"آپ کو اگر فریش ہونا ہے تو ہو جائیں۔۔۔ پھر میں کام شروع کروں گی"۔ وہ اپنے میک اپ بیگز کھولنے لگی۔

"میں تمہارا عورسی جوڑا یہیں لے آتی ہوں"۔ ثریا اسے دیکھتی مڑ گئی اور وہ ایک بار پھر چہرے پر پانی مارنے واشروم چلی گئی۔

---★★---

"تو تیار نہیں ہوا؟"۔ زید اس کے گھر میں ابھی داخل ہوا تھا اور اب اسے گارڈن میں بیٹھا دیکھ کر حیران ہوگیا تھا۔

"نہیں وہ ابھی جیا کو پارلر سے لینا ہے اور۔۔۔" وہ ابھی بات مکمل کر ہی رہا تھا کہ زید نے بات کاٹی۔

"وقت دیکھا ہے تو نے؟"۔ اس کے غصہ کرنے پر وجدان نے واچ دیکھی۔

'ہاں وقت تو بہت ہو گیا ہے"۔ اسے وقت کا احساس ہوا تو اٹھ کھڑا ہوا۔ "کیا کروں اب؟"۔ چہرے پر پریشانی واضح تھی۔

"شادی تمہاری ہے مجھ سے پوچھ رہے ہو کیا کروں؟ یا خدایا"۔ وہ جھنجھلا ہی اٹھا تھا۔

"تم تو تیار ہو کر آئے ہو"۔ اس نے مسکراتے ہوئے زید کو دیکھا جو سفید کرتے شلوار پر آف وائٹ کوٹی پہنا ہوا تھا۔

"ہاں! جبکہ میں دلہا بھی نہیں ہوں"۔ اس نے ایک ایک لفظ چباتے ہوئے جملہ ادا کیا۔

"تو اب میں کیا کروں"۔ وہ بے انتہا نروس تھا اور اب پریشانی سے اسے دیکھ رہا تھا۔ زید کا دل چاہا ہنس دے مگر اس نے اپنا رویہ سخت ہی رکھا۔

"آدھے گھنٹے میں تیار ہو کر نیچے آؤ اور یہ گاڑی جو سجانے کے لیے لے کر گیا تھا میں سج کر آ گئی ہے۔ پھر وجیہہ کو پارلر سے لے کر سیدھا ہال پہنچنا۔ باقی کا انتظام میں دیکھ رہا ہوں"۔ وہ کہتا گاڑی کی چابی اس کے ہاتھ دے کر پلٹنے لگا۔ وجدان بھی پھر سے وقت دیکھتا اثبات میں سر ہلاتا اوپر چلا گیا۔

---★★---

"بے انتہا خوبصورت"۔ ثریا کے لبوں سے جو لفظ ادا ہوا تھا وہ بے ساختہ تھا۔ اس نے گھنی پلکیں اٹھا کر ثریا کو دیکھا جو دم بخود اسے دیکھ رہی تھی۔ اسے دیکھنے عورتیں کمرے میں جمع ہونے لگیں۔ صالحہ نے نظریں اٹھا کر خود کو آئینے میں دیکھا۔ خوبصورتی سے ترشے ہوئے ہونٹوں پر گہری لال لپ اسٹک اس کے حسن کو چار چاند لگا رہی تھی۔ کنچی آنکھوں پر نفاست سے پھیرا کاجل قیامت ڈھا رہا تھا۔ اس نے انگلیوں سے اپنے آنکھوں پر آتی لٹ کو پیچھے کیا تو چوڑیاں کنکھنا اٹھیں۔ وہ نظر لگ جانے کی حد تک خوبصورت لگ رہی تھی۔ شمیلہ نے اس کے اندر ایک افشاں کو دیکھا۔ صالحہ کے دل نے افشاں موجودگی کی تمنا کی۔ ہاتھوں پر اس نے بھری بھری مہندی کی جگہ صرف گول ٹپا اور انگلیوں کے پوریں رنگوائی تھی۔ طلعت نے اس کا ماتھا بے اختیار چوما۔ وہ آج یہ مان گئی تھیں کہ ان کی بیٹی نے ان کا نہیں بلکہ افشاں کا حسن چرایا ہے۔ شمیلہ کے لبوں سے بے ساختہ دعا نکلی تو وہاں بیٹھے نفوس نے آمین کہا۔

"دس منٹ میں ہال کے لیے نکلنا ہے"۔ ثریا نے ہرے رنگ کی کرتی پہنی تھی اور نیچے پٹیالہ شلوار۔

وہ اسے دیکھنے میں اتنا محو تھی کہ داجی کی دھاڑ پر ہوش میں آئی۔

"باہر لے کر آؤ صالحہ کو۔۔۔ گاڑی میں بٹھاؤ بہت تاخیر کردی تم لوگوں نے"۔ طلعت اثبات میں سر ہلاتی اس پر چادر ڈالتی ہوئی اس کو اٹھنے میں مدد دینے لگی۔

۔۔۔★★۔۔۔

"انسان کا بچہ لگ رہا ہے"۔ زید نے اسے اوپر سے نیچے دیکھتے ہوئے کہا تھا۔ وجدان مسکرایا۔ سفید کرتا شلوار پر کالی نفیس کوٹی پہنے کوئی شہزادہ لگ رہا تھا۔ بالوں کو جیل لگا کر کھڑے کیے گئے تھے۔ ہاتھوں میں واچ تھی جس پر وہ بار بار نگاہ ڈال رہا تھا۔ گال پر پڑتے گہرے ڈمپل کے تو کیا کہنے تھے۔ وہ کسی بھی لڑکی کا آئیڈیل ہو سکتا تھا۔

"

urdu novels mania
www.urdunovelsmania.com

تو نے تو کہا تھا تو مجھ سے پہلے پہنچ جائے گا ہال؟ میں اور جیا کب سے پہنچے ہوئے ہیں"۔

اس بھنویں اچکائیں۔ زید نے چہرے کے زاویے بگاڑے۔

"انتظامات کرواتے کرواتے تاخیر ہوگئی"۔ وہ ہال میں اکیلے کھڑے تھے۔

"مجھے جیا سے ملنا ہے یار میں نے اسے دیکھا بھی نہیں" وجدان نے لب کاٹے۔

"کیوں بھائی؟ تو ہی تو لایا ہے اسے پھر کیسے نہیں دیکھا؟"۔ زید قدرے حیران ہوا۔

"اس کی سہیلیاں اس کے ساتھ آئی ہیں پارلر سے۔۔ قسم خدا کی اتنا دل کر رہا تھا اس سے ملنے کا مگر جیسے ہی پارلر کے اندر داخل ہوا ہوں اس کی دوستوں کی بھرمار دیکھ کر واپس شرم سے باہر آگیا"۔ وہ جھینپ کر بتا رہا تھا۔ زید نے اسے سر تا پیر دیکھا جو دوست ہو کر بھی اس کے دل میں سیدھا اتر رہا تھا۔

"شرم کر لے! آج بیوی والا ہو جائے گا اور باتیں دوسری لڑکیوں کی کر رہا ہے"

وجدان اس الزام پر تڑپ کر رہ گیا۔

"اللہ اللہ ایسا کیا کر دیا میں نے؟ بھئی میں اپنی بہن سے ملنا چاہتا تھا مگر جب اندر گیا تو اس کی سہیلیاں کھڑی تھیں تو میں شرمندگی سے باہر آگیا۔۔ بس! پھر وہ اسے بلکل چادر میں ڈھانپ کر باہر لائی تھیں تو اس وجہ سے بھی نہ دیکھ سکا۔ بات بھی نہ ہو پائی کہ گاڑی میں اس کی سہیلیاں ہی آپس میں باتیں کر رہی تھیں"۔ اس نے بے چارگی سے نفی میں سر ہلایا۔ زید ابھی کچھ کہتا ہی کہ ایک لڑکی برائیڈل روم کے دروازے پر کھڑے ہو کر وجدان کو پکارنے لگی۔ وجدان اثبات میں سر ہلاتا اس کے قریب جانے لگا تاکہ جان سکے وہ کیا کہہ رہی ہے۔

"اس سے کہنا بیوی والا ہونے والا ہوں میں اب تو پکارنا چھوڑ دو"۔ زید پیچھے سے ہنس کر آواز لگانا نہیں بھولا تھا۔ وجدان خونخوار نگاہیں اس پر ڈالتا اس لڑکی کے قریب پہنچا۔

"جی"۔ نگاہیں زمین پر ٹکا کر بولا۔

"وجیہہ آپ کو بلا رہی ہے"۔ وہ مسکراتے ہوئے کہتی برائیڈل روم میں چلی گئی اور وہ یہ سوچ کر پریشان ہوا کہ وہ اتنی ساری لڑکیوں میں برائیڈل روم میں داخل کیسے ہوگا۔ برائیڈل روم کا دروازہ کھولا تو وجیہہ اس کے سامنے ہی کھڑی تھی۔ اسے دیکھ کر وہ یہ بھول گیا کہ آس پاس بھی لوگ کھڑے ہیں۔ وہ حسن کی مورت لگ رہی تھی۔ وجدان اپنے دل پر قابو نہ رکھ پایا اور اسے گلے سے لگا لیا۔ اس کی گڑیا آج اتنی بڑی ہو گئی تھی کہ اس کے سامنے دلہن بن کر کھڑی تھی۔۔ وہ اس کی پیشانی چوما جا رہا تھا اور لرزتے ہوئے کہتا جا رہا تھا کہ میری گڑیا بڑی ہو گئی۔۔۔ آنکھ سے آنسو بہنے لگے تو وجیہہ نے آبدیدہ ہو کر اس کی کمر سہلائی۔ وجدان اس کے اس انداز پر ہچکیوں سے رونے لگا اور اسے کس کر خود سے گلے لگا لیا۔ آس پاس اس کی سہیلیاں بھی بھرے دلوں سے مسکراتے ہوئے دونوں کو دیکھ رہی تھیں۔ وہ اپنے آپ کو قابو میں رکھتے رکھتے بے قابو ہو گیا۔ اس کا چہرہ وجیہہ کے آنچل میں چھپ گیا تھا۔ وہ روتی جا رہی تھی اور ساتھ بھائی کی کمر سہلاتی جا رہی تھی۔ وجدان تب تک اس کے گلے لگے رہا جب تک زید نے دروازہ کھٹکھٹا کر حویلی والوں کی آمد کی خبر نہ دی۔ خود کو وجیہہ سے دور کرتے ہوئے اس کی پیشانی چوم کر باہر آ گیا اور آنکھیں صاف کرنے لگا۔ وہ جانتا تھا وہ جب تک اس کے ساتھ کھڑا رہے گا روتا رہے گا۔ حویلی والوں کے ساتھ دوسرے

مہمانوں کی آمد بھی ہو چکی تھی۔ صالحہ کو پورا چادر سے ڈھانپ کر گھونگھٹ پہنا کر برائیڈل روم لے جانے لگے۔ شمیلہ بھابھی نے اس کا شرارہ نیچے سے اٹھایا ہوا تھا تاکہ اس کے پیروں سے نہ الجھ سکے۔ وجدان کے برابر سے گزار کر اسے برائیڈل روم لے جایا گیا۔ اس نے جاتی صالحہ کو ایک نظر دیکھا تو اس کی موجودگی سے ہی اس کی سانسیں رک سی گئیں۔ سامنے سے آتے حیدر اور داجی نے بڑھ اسے سلام کیا تو وہ بھی بمشکل مُسکراتے ہوئے ان کا جواب دینے لگا۔۔۔ ہال میں رونق وقت کے ساتھ بڑھتی گئی۔ تھوڑا اور وقت گزرا تو مولوی صاحب آ گئے۔ آخری وقت پر داجی نے ایک اور نیا شوشہ چھوڑ دیا جو تھا نکاح پہلے وجدان اور صالحہ کا کیا جائے گا۔ وہ چارو ناچار حامی بھرنے پر مجبور ہو گیا۔ زید دانت پیس کر رہ گیا۔ صالحہ کا دل زور زور سے دھڑکنے لگا تھا جب اسے نکاح کے لیے باہر بلایا گیا تھا۔ بے جان ہوتے وجود سے وہ شمیلہ اور ثریا کے ساتھ اسٹیج تک لائی گئی تھی۔ سیڑھیاں چڑھا کر اسے وجدان کے برابر لا بٹھایا تھا۔ وہ اب بھی پوری چادر میں خود کو ڈھانپی ہوئی تھی۔ گھونگھٹ کے باعث سر جھکا ہوا تھا۔ نکاح شروع کر دیا گیا تھا اور صالحہ کی سانسیں وجدان کی سانسوں سے زیادہ تیز چلنے لگیں۔

"صالحہ بٹ بنت کبیر بٹ آپ کا نکاح وجدان قریشی ولد واجد قریشی بعوض بارہ لاکھ روپے آپ کے مہر سکہ رائج الوقت آپ کے نکاح میں دیا جاتا ہے۔ کیا آپ کو قبول ہے؟"۔ یہ اس امتحان کا سوال تھا جس کا جواب اس نے کبھی کسی اور کے لیے سوچا تھا۔

ہاں گنوادیا۔۔۔

دل ریزہ ریزہ گنوادیا۔۔۔

دل بیٹھنے لگا اور اسے محسوس ہوا کہ بہت جلد اس کی سانسیں تھم جائیں گی۔

دلِ معتبر سنبھلنے میں نہیں آرہا تھا۔ حواس منجمند ہونے لگے اور ہاتھ کپکپانے لگے۔ برابر میں وجدان سانس روکے بیٹھا تھا۔ ایک غیر اپنا بننے جارہا تھا۔ شرجیل کے پیچھے کھڑی رفاہ کا دل گویا حلق میں تھا۔ صالحہ کی آنکھیں بھیگ چلی تھیں۔ حیدر اپنی اڑی رنگت سے اسے دیکھ رہا تھا۔ کبیر بٹ نے تھوک نگل کر اپنے ہاتھوں کو مٹھی بنا کر بھینچ لیا تھا۔ وہ جو ارحم کے برابر بیٹھنے کے خواب دیکھتی تھی آج کسی انجان کے برابر میں بیٹھی تھی۔

"قبول ہے"۔ ایک آواز نکلی تھی لبوں سے کپکپاتی، سہماتی۔۔۔ کبیر صاحب جنھوں نے گھبرا کر مٹھی بھینچی تھی اس کے قبول کرنے پر مٹھی خود ہی ڈھیلی ہوگئی۔ تین دفعہ یہ الفاظ مولوی صاحب کے تین بار سوال کرنے پر لبوں سے نکلے تھے۔ نکاح نامہ آگے بڑھایا اور

دستخط کرنے کا کہا گیا۔ اس نے لرزتے ہاتھوں سے قلم اٹھایا اور اپنی زندگی ایک دستخط کر کے اس کے نام کر دی! بس! اب صالحہ کا موت تک کا ساتھ اس شخص کے ساتھ تھا۔ ارحم کی یاد کو اس نے دستخط کرتے ہی ہوا میں تحلیل کر دیا اور گہری سانس لے کر سیدھا ہو کر بیٹھ گئی۔

م

ولوی صاحب نے وجدان کی طرف رخ موڑا اور اس سے اظہار مانگا۔ وہ شہوار کو کل رات ہی خیالوں سے نکال چکا تھا اس لیے فوراً "قبول ہے" کہہ دیا۔ نکاح مکمل ہونے پر "مبارک ہو" کی آوازیں بلند ہونے لگیں۔ وجدان اٹھا تو داجی اور کبیر صاحب سمیت سب مردوں نے اسے گلے لگایا۔۔۔ صالحہ کو روم میں واپس بھجوا دیا تھا۔ تھوڑی دیر بعد وجیہہ اور حیدر کا نکاح پڑھایا گیا۔ وجدان خوش تھا کیونکہ اس کی بہن خوش تھی۔ مسکراہٹ وجیہہ کے لبوں سے جدا ہونے کا نام نہیں لے رہی تھی۔ تقریب میں کھانے کا آغاز ہوا تو حیدر اور وجدان دوسرے انتظامات دیکھنے لگے۔ زید کو ایک میز پر پلیٹ سجا کر بیٹھتے دیکھا تو کان سے پکڑ کر کام پر لگایا۔ تقریب اس کی امید سے زیادہ اچھی گزری۔ داجی کے لب مستقل مسکرا رہے تھے اور وہ خود پھولے نہ سما رہے تھے۔ تقریب کا اختتام ہو رہا تھا اور دلہنوں

کو چادر سے مکمل ڈھانپ لیا تھا۔ حویلی والوں نے اپنی خاندانی چادر اپنی بہو کو پہنائی تھی۔ شمیلہ بھابھی نے صالحہ کا ہاتھ وجدان کی طرف بڑھایا تھا جسے اس نے کچھ ہچکچاہٹ سے تھام لیا تھا۔ اس کے ہاتھوں پر اس کی گرفت ڈھیلی تھی۔ دونوں کو ساتھ باہر لایا گیا تھا۔ دو گاڑیاں سجی کھڑی تھیں جس میں سے ایک وجدان کی تھی۔ وجیہہ کو گاڑی میں بٹھایا جا رہا تھا تو وہ صالحہ کا ہاتھ چھوڑتا اپنی بہن کی جانب بڑھا۔ حیدر اسے تھام کر گاڑی میں بٹھا رہا تھا۔ وجدان نے وجیہہ کے سر پر ہاتھ رکھا اور حیدر کو دیکھا۔ حیدر نے اس کی التجائی نظریں دیکھیں جیسے وہ کہہ رہا ہو کہ اس کی بہن کا خیال رکھا جائے۔ وجدان کو دیکھ کر اسے اپنی بہن یاد آئی۔ اس نے اثبات میں سر ہلایا اور صالحہ کی جانب بڑھا۔ صالحہ کا چہرہ بھاری ڈوپٹہ اور چادر کی وجہ سے جھکا ہوا تھا۔ حیدر نے بڑھ کر اس کا گھونگھٹ اٹھایا۔ وہ بے خبر تھی حیدر کی موجودگی سے اس لیے بنا کچھ کہے نیچے ہی دیکھتی رہی۔

"صالحہ۔۔"۔ بے ساختہ اس کا نام لبوں سے نکلا تو صالحہ نے چونک کر سر اٹھایا۔ حیدر اس کانچ کی گڑیا کو دیکھ رہا تھا جو اس کی بہن تھی۔ جس کی کنچی آنکھیں حیرت کا مظاہرہ کر رہی تھیں۔ وہ اتنی خوبصورت لگ رہی تھی کہ حیدر کا دل چاہا اس کی پیشانی چوم لے۔ سب انتظار کر رہے تھے کہ وہ اب کچھ کہے گا۔ وجدان نے مڑ کر دونوں کو دیکھا تھا۔ وہ ابھی کچھ

کہتا ہی کہ صالحہ نے اپنا گھونگھٹ نیچے کرلیا۔ حیدر کا دل چاہا اپنا آپ زمین میں گاڑ دے۔ باہر سے اسے زبردستی گلے لگایا اور اس کا سر تھپکتا، آنکھوں میں آتے آنسو صاف کرتا گاڑی تک آیا۔ شمیلہ نے صالحہ کو وجدان کی گاڑی میں بٹھا دیا۔ وجدان بمشکل وجیہہ کو خود سے دور کرتا اپنی گاڑی کی جانب بڑھا جہاں صالحہ کو پہلے ہی بٹھا دیا تھا۔ دو گاڑیاں الگ الگ سمت بڑھی تھیں۔ وجدان نے گاڑی موڑلی تھی اور اپنے برابر بیٹھی صالحہ کی موجودگی محسوس کررہا تھا۔ شام کے سائے پھیل رہے تھے اور دل کی وحشتیں بڑھ رہی تھیں۔ دونوں کے دلوں میں ایک خوف تھا۔۔۔ کیا اس کا شریکِ حیات اسے دل سے قبول کرے گا؟۔

---★★---

زنجیر از قلم عینا بیگ

قسط ۱۳

"آجائیں"۔ اس نے گھر پہنچ کر اس کی طرف کا دروازہ کھول کر کہا۔ وہ اپنے بھاری شرارے کو بمشکل سنبھالتی باہر آئی۔

"مجھے ایک دو کام ہیں۔ ہوسکتا ہے انہیں مکمل کر کے ہی آؤں۔ میرا انتظار مت کیجیئے گا"۔ وہ نظریں چرا کر کہتا ہوا گاڑی کا دروازہ بند کرنے لگا۔ صالحہ خاموش ہی رہی۔

"آئیں میں کمرہ دکھا دوں آپ کا"۔ دن ڈھل رہا تھا۔ وہ بمشکل اسے دیکھ پا رہا تھا۔ اسے زینے نظر آسکیں اس لیے اس نے وہاں موجود تمام بلب روشن کر دیئے۔ ایک اپنائیت سی تھی کہ یہ لڑکی اس کی ہے۔ ایک احساس تھا جو بہت عجیب تھا۔ وہ جب زینے چڑھ گئی تو پیچھے آتے وجدان کے لیے رک گئی تاکہ وہ راستہ دکھا سکے۔ گھونگھٹ میں اسے مشکل پیش آرہی تھی۔

"اس طرف"۔ اس نے اشارے سے رخ بتایا لیکن وہ گھونگھٹ کے باعث دیکھ نہ پائی۔ جب وہ اپنی جگہ سے نہ ہلی تو وجدان نے اس کا گھونگھٹ آہستہ سے اٹھا کر دیکھا۔

"کیا ہوا؟"۔ اس نے صالحہ پوچھا تو صالحہ نے نگاہ اٹھا کر اسے دیکھا۔ آنکھیں ملیں اور وجدان ساکت ہوگیا۔ ایک سحر پیدا ہونے لگا۔ کنچی آنکھوں والی لڑکی۔۔۔ وہ اس کی آنکھوں میں دیکھ رہا تھا گویا اپنا آپ کھو رہا تھا۔ اس کی آنکھوں میں لگا کاجل وجدان کی کمزوری بن گیا تھا۔ تین بول نے اس لڑکی کو وجدان کا کر دیا تھا۔ وہ اسے دیکھنے کا حق رکھتا تھا۔ صالحہ کی سانسیں گہری ہونے لگیں۔ ایک گھبراہٹ دل کو گھیری ہوئی تھی۔ ایک سوال ابھر رہا تھا وجدان کے خیالوں میں۔۔۔ کیا وہ اسے قبول کرے گی؟ صالحہ نے

گھبراہٹ کے عالم میں کچھ کہنے کی کوشش کی تو آواز نکل سکی۔ اس کے سرخ عنابی ہونٹ کپکپانے لگے۔

"کک۔ کمرہ"۔ وہ ہکلاتے ہوئے بولی تو وہ چونکا۔

"جی؟"۔ اس کی آواز اتنی مدھم تھی کہ وہ سمجھ نہیں پایا تھا۔ وجدان نے "جی" کہتے ہوئے اپنے کان اس کے پاس کیے تھے تاکہ وہ آسانی سے سمجھ سکے۔ وہ اس کے اتنے قریب کھڑا تھا کہ وہ اس کی سانسوں کی آواز بھی محسوس کر سکتی تھی۔۔۔ صالحہ نے اپنا چہرہ اس کے کان کے قریب کیا اور بولنے کی کوشش کی

"کک۔ کمرہ"۔ مدھم سی آواز ایک بار پھر لبوں سے نکلی۔ وجدان نے اس پیاری لڑکی کو دیکھا اور اثبات میں سر ہلاتا سامنے سے ہٹ کر برابر میں آگیا۔

"وہ اس طرف ہے"۔ اس نے صالحہ کا گھونگھٹ اٹھا کر سیدھے ہاتھ کی جانب اشارہ کیا۔

اس کا ڈوپٹہ قدرے بھاری تھا اس لیے وجدان نے کمرے میں جانے تک اس کا گھونگھٹ اٹھائے رکھا۔ کمرے میں داخل ہو کر اسے بیڈ پر بٹھایا۔ کمرہ پھولوں کی خوشبو سے مہک رہا تھا گلاب کے پھولوں سے سجایا ہوا یہ کمرہ کسی بھی شخص کے دل میں آسانی سے اتر سکتا تھا۔ بیڈ کو پھولوں کی بیلیے لگا کر سجایا گیا تھا۔ وجدان نے اس کا سوٹ کیس زمین پر رکھا۔

"مجھے شاید تاخیر ہو جائے۔ میرا انتظار مت کیجیئے گا"۔ وہ زمین کر تکتے ہوئے کہتا ہوا مڑنے لگا۔

"اور اگر آپ کو کسی چیز کی ضرورت پیش آئے تو مجھے کال کر لے گا"۔ وہ رک کر کہتا پھر مڑنے لگا۔۔

"آپ کے پاس موبائل ہے؟"۔ وجدان پھر اس کے قریب آیا۔ صالحہ نے نفی میں سر ہلایا تو اس نے گہری سانس لی اور بیڈ پر بیٹھا۔

"تو آپ کیسے رابطہ کریں گی مجھ سے؟"۔ اس سے دو قدم دوری پر بیٹھے وجدان نے اس کی کنچی آنکھوں میں دیکھنے سے گریز کیا تھا۔ صالحہ کا دل چاہا کہہ دے کہ جن سے خود رابطہ کرنا پڑتا ہے وہ ان لوگوں سے رابطہ ہی نہیں رکھتی۔ کمرے کی مدھم روشنی میں بھی وہ ایک دوسرے کو دیکھنے سے پرہیز کر رہے تھے۔ وجدان نے نظریں اٹھا کر اسے دیکھا اور سوچنے لگا وہ اس کا ہی تو ہے۔ جسے جلد یا بدیر اسی کی جانب لوٹ کر آنا ہے۔

"مجھے آپ سے جواب نہیں مل پایا"۔ اس نے ٹھہرے ہوئے لہجے میں کہتے ہوئے اس کی جانب دیکھا۔ ناک میں پہنی چمکتی لونگ وجدان کو نا چاہتے ہوئے بھی اسے دیکھنے میں محو کر رہی تھی۔ صالحہ نے گھنی پلکوں کی بار اٹھا کر اسے دیکھا جس کے ڈمپل لب بھینچنے سے چہرے پر عیاں ہوئے تھے۔ وہ وجاہت سے مکمل مرد تھا۔ سامنے بند کھڑکی پر نگاہ ڈالی

جس سے وہ ہونے والی رات کا منظر دیکھ پائی تھی۔ وہ اس گھر میں اکیلی ہو جائے گی اگر وہ چلا گیا۔ وہ کیا کہے؟ اس کے جواب کے انتظار میں وہ اسے تک رہا تھا، مگر اس کی دھڑکنیں اپنے شوہر کو دیکھتے ہوئے بے ربط چل رہی تھیں۔

"جانا ضروری ہے؟"۔ اس نے پریشانی سے وجدان کو دیکھ کر پوچھا۔ وجدان نے اس کی آنکھوں میں جھانکا اور پھر اس کے لب دیکھے جسے وہ دانتوں سے کاٹ رہی تھی۔ کیا وہ اس کا ساتھ چاہتی تھی؟ کیا وہ چاہتی تھی کہ وہ اس کے ساتھ وقت گزارے۔ خوش فہمیاں دل میں جنم لینے لگیں۔

"مجھے اندھیرے اور تنہا ہونے سے ڈر لگتا ہے"۔ وہ یہ جانتے ہوئے بھی کہ حویلی میں اتنے لوگوں کے درمیان بھی وہ تنہا ہی تھی، اس نے یہ کہہ دیا۔

"بہتر"۔ وہ اٹھ کر وارڈروب کی جانب بڑھا اور اپنے کپڑے نکال کر چینج کر آیا۔

"میں نیچے لاؤنج میں جا رہا ہوں۔ آپ ایزی ہو جائیں"۔ وہ کہتا آپس میں ہاتھ رگڑتا نیچے چلا گیا۔ صالحہ نے اس کے جانے کے بعد گہری سانس لی۔ اپنی تمام تر جویلری اتار کر انہیں سنگھار میز پر رکھ دی۔ لونگ اتارنے کے لیے ہاتھ بڑھائے مگر روک لیے۔ وہ اسے اچھی لگی اس لیے اتارنا مناسب نہ سمجھا۔ اس کا عروسی لباس اتنا بھاری تھا کہ اب اسے چلنے میں دشواری محسوس ہو رہی تھی۔ جیسے تیسے چلتے ہوئے وہ سوٹ کیس تک آئی اور اسے اٹھا

کر بیڈ پر رکھا۔ اس کا ڈوپٹہ اس کے کام میں دخل اندازی کرنے لگا تو اس نے اتار کر بیڈ پر رکھ دیا۔ چادر وجدان نے کمرے میں آتے ہی اتار کر بیڈ پر رکھ دی تھی۔ دروازہ کھلا ہوا تھا اور وہ نیچے تھا۔ سوٹ کیس میں رکھے بہت سے کپڑوں کے درمیان اس نے ہلکے ہرے رنگ کا سوٹ نکالا اور مڑنے لگی کہ کسی سے ٹکرا گئی۔ مقابل شخص نے یہ سوچ کر اس کا بازو پکڑا کہ کہیں وہ گر نہ جائے۔ حواس ایک بار پھر منجمند ہوئے اور ٹکرانے والے کو ساکت نظروں اور بکھری دل کی دھڑکنوں سے دیکھنے۔ اپنے آنچل کے بغیر وہ اس کے بہت قریب کھڑی تھی۔ وجدان کی سانسیں گویا تھم گئیں اور وہ اس کانچ سی لڑکی کو دیکھنے لگا جسے دیکھ کر گمان ہوتا تھا کہ اگر اس کو ہاتھ بھی لگایا تو میلی ہو جائے گی۔ صالحہ بیڈ سے چادر لینے مڑی تو اس کے بازو اس کے گرفت میں تھا جس کی وجہ سے وہ وجدان سے ٹکرا گئی۔ اس نے پہلے وجدان کو دیکھا اور پھر اپنے بازو کو جو وجدان کے ہاتھوں کی قید میں تھا۔ وہ اس کی آنکھوں میں دیکھنے میں اتنا مصروف تھا کہ بھول گیا تھا کہ اس کے بازو پر اس کی گرفت مضبوط ہو چکی ہے۔ صالحہ کی دور ہٹنے کی کوشش اب تک جاری تھی۔ اسے احساس تب ہوا جب سحر ٹوٹا۔۔۔ وہ نظریں جھکا گئی تھی اور اس کے دیکھنے کا محور سامنے سے ہٹ گیا۔ وہ تیزی سے پیچھے ہوا۔

"مم۔میں وہ رر۔ریموٹ لینے آیا تھا۔۔۔لاؤنج کے ٹی وی کا ریموٹ"۔وہ نظریں زمین پر مرکوز کیے بات اس کے علم میں لاتا سائیڈ میز کی جانب بڑھا۔صالحہ نے بیڈ پر سے چادر اٹھائی اور اس میں خود کو گھیر لیا۔نیوی بلوٹی شرٹ پر وہ کالا ٹراؤزر پہنا تھا اور اس کے ہاتھ دراز کنگھال رہے تھے۔اسے وہاں ریموٹ نہ ملا تو وہ صالحہ کی پیچھے والی میز کی جانب آیا اور دراز کھول کر ریموٹ تلاش کرنے لگا۔وہ وہیں ساکت کھڑی اس لمحے کو یاد کر کے جھینپ رہی تھی۔اسے ریموٹ نہ ملا تو وہ سر کجھاتا شرمندہ ہوتا زید کو کال ملانے لگا۔

"تو نے ریموٹ کہاں رکھا ہے لاؤنج کے ٹی وی کا؟"۔اس کے کال اٹھاتے ہی اس نے پوچھا تھا۔نظریں ایک بار پھر صالحہ کی جانب اٹھیں۔وہ زمین کو تک رہی تھی۔

"اچھا ٹھیک"۔جواب پا کر وہ کال رکھتا الماری سے ریمورٹ نکال کر کمرے کی دہلیز عبور کر گیا۔تین چار قدم آگے چلا ہو گا کہ پیچھے سے دروازہ بند ہونے کی آواز آئی تو وہ بے جا شرمندہ ہوتا سر کجھاتے ہوئے نیچے چلا گیا۔اسے دیکھ کر وہ خود کو سنبھال نہیں پایا تھا۔کنچی آنکھیں اس کے حواسوں پر چھا چکی تھیں۔

---★★---

"دلہن کو کمرے تک چھوڑ آئے ؟" ۔ شمیلہ جو جائے نماز پر بیٹھی تھیں انہوں نے کچھ دیر کی خاموشی کے بعد پوچھا ۔ طلعت جو ابھی کپڑے تبدیل کر کے آئی تھیں صوفے پر بیٹھ کر اس کی پشت سے ٹیک لگا کر بیٹھ گئیں ۔

"ہاں " ۔ انہوں نے لمبی سانس ہوا کے حوالے کرتے ہوئے کہا ۔

"کل صبح حویلی کے لیے نکلنا ہے ۔ شہر میں آج ہماری آخری رات ہے " ۔ شمیلہ نے میز سے تسبیح اٹھائی ۔

"ابھی تک یہ آسرا ہے کہ صالحہ کے شہر میں ہیں ۔ دور ہیں مگر ایک شہر میں ہیں ۔ ۔ ۔ گاؤں کس دل سے جاؤں گی ؟ "طلعت چھت کو گھور رہی تھیں ۔

"یہ چھوڑیں کہ گاؤں کس دل سے جائیں گی ۔ ۔ یہ سوچیں افشاں کو کیا منہ دکھائیں گے ۔ ۔ ۔ ہر بار جھوٹ کا سہارا لیتے لیتے تو میں اب تھک چکی ہوں " ۔ انہوں نے کہتے ہوئے صالحہ کی دعا کے لیے ہاتھ اٹھائے ۔

"عجیب کشمکش سے دوچار ہوں میں ۔ اب نہیں سہے جاتے یہ حویلی کے اصول ۔ ۔ ۔ باخدا جب سے شہر آئی ہوں ایسا لگ رہا ہے حوالات سے چھوٹ کر آئی ہوں " ۔ وہ نڈھال لہجے میں بولیں ۔ "آج جانا میں نے کہ بیٹی کو رخصت کرتے ہوئے دل کیسے خون کے آنسو روتا ہے " ۔

"حوصلہ رکھیں بھابھی اور دعا کریں وہ خوش رہے۔ اس کا شوہر اسے خوش رکھے اور وہ اپنے شوہر کی خوشی کی وجہ بنے"۔ انہوں نے ان کی کمر تھپتھپائی تو وہ اثبات میں سر ہلانے لگیں۔

...★★...

وہ گھر کی چھت پر تنہا کھڑی تھی کہ کوئی زینے چڑھ کر اوپر آیا۔ قدموں کی چاپ محسوس کر کے اس نے گردن موڑ کر دیکھا تو شاہ زل کھڑا تھا۔

"آپ؟"۔ اس نے حیرانی سے پوچھا۔ رات کے تین بجے وہ چھت پر کیوں آیا تھا۔

"میں بھی یہی پوچھنے لگا تھا"۔ وہ کھسیانا ہوا۔ ثریا نے اس کی بات کو نظر انداز کر کے چھت کی منڈیر پر دونوں ہاتھ رکھے اور آسمان تکنے لگی۔

"اسلام آباد واقعی بہت خوبصورت شہر ہے"۔ وہ اس سے تھوڑا دور منڈیر پر کہنیاں جما کر بولا۔

"آپ نے دیکھا ہی کتنا ہے جو یہاں کے قصیدے پڑھ رہے ہیں"۔ اس نے آسمان دیکھتے ہوئے جواب دیا۔ وہ مبہم سا مسکرایا۔

"میں تعلیم کے لیے اسی شہر میں موجود یونیورسٹی آیا کرتا ہوں"۔ اس نے جیسے ثریا کے علم میں اضافہ کیا۔ محبت وقت تو مانگتی ہے مگر زیادہ تاخیر نہیں۔ اس نے جیب سے سیگریٹ نکالی اور لائٹر جلایا۔

"جی اچھا"۔ ثریا نے مختصراً جواب دیا۔ اندھیرے میں لائٹر کا شعلہ نظر آیا تو ثریا نے گردن موڑ کر اسے دیکھا۔

"آپ سیگریٹ پیتے ہیں؟"۔ اسے قدرے حیرانی ہوئی۔ شاہ زل کا ہاتھ جو سیگریٹ جلانے لبوں تک جا رہا تھا راستے میں رک گیا۔ وہ سٹپٹایا اور ہونٹوں میں دبی سیگریٹ نکالی۔

"پیتا تو نہیں ہوں مگر آج دل چاہ رہا ہے"۔ یہ کہہ کر اس کے جواب کا انتظار کرنے لگا۔

ثریا نے بھنویں اچکا کر اسے دیکھا۔

"آج ہی دل چاہ رہا ہے؟"۔ لہجے میں صاف سنجیدگی تھی۔ وہ اس کا چہرہ تکتا رہ گیا۔ وہ اسے لاجواب کر گئی تھی۔

"میں آج بہت خوش ہوں"۔ وہ کچھ دیر کے وقفے سے بولا۔ چہرے پر خوشی واضح تھی۔

"اس لیے سیگریٹ نوش فرما رہے تھے؟"۔ وہ طنز کر رہی تھی یا سادگی سے سوال! وہ سمجھ نہ پایا۔

"شاید"۔ وہ سر کجھاتا ہوا بولا۔ "خوشی کی وجہ نہیں پوچھی آپ نے؟"۔ اس نے ملگجی سی روشنی میں اس کا چہرہ بغور دیکھنے کی کوشش کی۔

"میں حق نہیں رکھتی"۔ اس نے ماتھے بل ڈال کر سنجیدگی سے جواب دیا۔

"حق چاہیے؟"۔ نگاہوں میں سرور تھا جو ثریا کی بھنویں اچکا کر دیکھنے سے ٹوٹ گیا۔

"میں سب سمجھ رہی ہوں"۔ ثریا نے اسے گھورا۔

"یعنی دشواری پیش نہیں آئے گی اظہار کرنے میں؟"۔ وہ منہ ہی منہ بڑبڑا کر ہنسا۔

"جی کچھ کہا آپ نے؟"۔ وہ اس کی بڑبڑاہٹ سن چکی تھی مگر انجان بنتے ہوئے پوچھنے لگی۔

"نہیں بس یونہی"۔ وہ زبردستی مسکرایا۔ "میں اس لیے خوش ہوں کیونکہ حیدر کی شادی ہوگئی ہے"۔ اس کے کہنے پر ثریا نے اسے دیکھا۔ چہرے نے رنگ بدلا۔ وہ سامنے دیکھ رہا تھا اور مسکرا رہا تھا۔

"اس سب میں آپ کو کیوں خوشی ہو رہی ہے؟"۔ دل دکھ سے بھرا تھا مگر انداز میں مضبوطی تھی۔

"بھائیوں کی طرح ہے۔ خوشی نہیں ہوگی بھلا؟"۔ وہ بات گول مول کر گیا۔ ثریا نے گہری سانس لے کر ہوا میں چھوڑی۔

"آپ کیوں آہیں بھر رہی ہیں؟"۔

"آپ اتنے سوال کیوں کر رہے ہیں؟"۔ اس نے اپنی نگاہیں اس کے چہرے پر گڑا کر پوچھا۔

"آپ اداس ہیں؟"۔ وہ باز نہ آیا۔

"آپ کیوں پوچھ رہے ہیں؟"۔

"میں نہیں پوچھ رہا"۔ اس نے نفی میں سر ہلایا۔

"ہاں آپ کے پھیپھڑے پوچھ رہے ہیں"۔ وہ طنزیہ بولی۔

"میرا دل پوچھ رہا ہے"۔ وہ اس کی آنکھوں میں دیکھ کر بولا۔

"کونسی پہیلی بوجھوانا چاہتے ہیں؟"۔ وہ جھنجھلا گئی۔

"آپ خود بوجھیں"۔ نگاہیں اس کے چہرے سے ہٹنے کا نام نہیں لے رہی تھی۔

"یہ بھی میں ہی بوجھوں؟"۔ اس نے بھنویں آپس میں ملائیں۔

"تو کیا میں بوجھوں؟"۔ کیا عجیب بحث تھی جو دونوں کے درمیان چل رہی تھی۔ وہ جس کو سوچنے کے لیے یہاں کھڑی تھی اسے وقتی طور پر بھول گئی تھی۔ چاند بادلوں میں چھپنے لگا۔

"تو کیا میں بوجھوں؟"۔

"یا اللہ کتنے سوال کرتی ہیں آپ"۔ اب کی بار جھنجھلانے کی باری شاہ زل کی تھی۔ وہ اس کا سوال وقت کی مناسبت دیکھ کر اسی پر پلٹا گیا تھا۔ وہ اس کی ہوشیاری پر دل ہی دل میں داد

دیتی رہ گئی۔ شاہ زل نے اپنی تازہ شیو پر ہاتھ پھیرا۔ وہ قد میں اس کے کندھے تک آتی تھی۔ اسے شاہ زل کو دیکھنے کے لیے چہرہ اونچا کرنا پڑ رہا تھا۔

"جتنی گردن اونچی ہو رہی ہے آپ کی اس حساب سے مجھے لگتا ہے کہ گردن ہی گر جائے گی"۔ وہ اپنی مسکراہٹ بمشکل ضبط کرتا ہوا بولا۔ ثریا نے اپنی لمبی سی چٹیا آگے کی اور ناک بھنویں چڑھا کر اسے گھورنے لگی۔

"آپ ہی اتنے لمبے ہیں"۔

"تو آپ کیوں ہے اتنی چھوٹی؟"۔ وہ اب اس کی بات کو انجوائے کر رہا تھا۔

"یہ میرے اختیار میں نہیں"۔ چاند کی ملگجی سی روشنی میں وہ سامنے کی جانب دیکھتے ہوئے بولی۔

"ڈنڈے سے لٹکا کریں قد بڑھتا جائے گا، مگر خیال رکھے گا کہ مجھ سے لمبی نہ ہو جائیں"۔

"آج ہم ساتھ کھڑے ہیں کل کو ساتھ بھی نہیں ہوں گے۔ وقت کے ساتھ ساتھ ذمہ داریاں بڑھ جاتی ہیں اور سب اپنی اپنی زندگیوں میں مشغول ہو جاتے ہیں"۔ اس نے اپنی کہنیاں دیوار پر ٹکائی اور اس پر ٹھوڑی رکھ دی۔

"ایسا ضروری نہیں"۔ وہ تیزی سے نفی میں سر ہلا کر بولا۔

"ظاہر ہے یہی ہونا ہے اور کیا ہوگا اس کے سوا"۔ اس نے کندھے اچکائے۔ ماحول میں خاموشی کا راج تھا۔ ہلکی سرد ہوا میں اس کی زلفیں اڑ رہی تھیں۔

"وقت بدلتے دیر نہیں لیتی۔ حویلی کے لوگوں نے بھی حیدر کے لیے آپ کو سوچا تھا مگر وقت نے سب کے ارادے بدل دیے"۔ وہ اپنے مخصوص سنجیدے لہجے میں بولا۔ ثریا نے تکلیف سے آنکھیں میچ لیں۔ وہ اپنے خیالوں سے جتنا حیدر کو دور رکھنا چاہتی تھی وہ اتنا ہی اس پر سوار ہو رہا تھا۔

"سچ کڑواہ ہوتا ہے نا؟"۔ وہ چاند کو تکتے ہوئے مدھم آواز میں پوچھنے لگی۔ شاہ زل نے اس کی پھیکے ہوتے چہرے کو دیکھا۔

"کسی کے آپ سے رخ موڑ جانے سے زندگی رک تو نہیں جاتی؟ وہ تو چلتی رہتی ہے۔ آپ کی زندگی کی کہانی میں لوگ آتے جاتے رہتے ہیں۔ زندگی کی کتاب کا وہ صفحہ پلٹ گیا ہے۔ اسے دوبارہ دہرانا کیوں چاہتی ہیں؟۔ جو ورق پلٹ گیا اسے پھر پلٹ کر دیکھنا کہاں کی بیوقوفی ہے؟۔ ایسے میں ہم اپنے سے قریب ہونے والوں کو بھی خود سے دور کر دیتے ہیں۔ یہ رسمِ دنیا ہے بدلنا، بچھڑنا! جو آ کر چلا جاتا ہے تو اس کے پیچھے اپنا آپ بے حال نہیں کرتے"۔ آنکھیں چھوٹی کر کے وہ سنجیدگی سے اپنی بات مکمل کر گیا۔ ثریا زرد پتوں کی مانند اس کی باتیں سمجھنے کی کوشش رہی تھی۔ وہ سوچ رہی تھی کہ وہ ٹھیک ہی تو کہہ رہا

ہے۔ زندگی بھلا کہاں رکتی ہے؟۔ زندگی منزل تو نہیں! یہ تو صرف راستہ ہے! کسی تک پہنچنے کا۔۔۔

"آپ کی باتیں مجھے متاثر کر رہی ہیں"۔ وہ دھیمی آواز میں مبہم سا مسکرا کر بولی۔

"مجھے اچھا لگا"۔ وہ نگاہیں اس کے چہرے پر جما کر بولا۔

"مگر میں یہ نہیں سمجھ پا رہی کہ یہ آپ کیوں سمجھا رہے ہیں مجھے؟"۔ اس نے نظروں کا رخ اس کی جانب موڑ کر الجھ کر پوچھا۔ اس کی بات پر وہ بے چارگی سے نفی میں سر ہلاتا ہوا ہلکا سا ہنسا۔

"اپنے دل کے حال سے نکل جائیں تو دوسروں کے دلوں میں بھی جھانک کر معلوم کیجیے گا کہ یہ بندہ کیوں آپ کو سمجھا رہا ہے اور یقین جانیے! جس دن آپ میرے دل کا حال جان گئیں! اس دن آپ سب سمجھ جائیں گی۔ یہ دل ہر جگہ نہیں پگھلتا ثریا جی"۔ وہ اپنے دل کی سمت اشارہ کرتے ہوئے پیچھے ہٹتا گیا۔ وہ چونکے اس کو پلٹ کر دیکھتی رہی۔ شاہ زل نے بات مکمل کی اور اسے چاند کے نیچے تنہا چھوڑ گیا۔ قدموں کی آواز اس سے دور ہوتی چلی گئی اور وہ اپنے آپ کو تنہا محسوس کرنے لگی۔ یہ تنہائی اندر سے کہیں مار رہی تھی۔ وہ گہری سانس ہوا میں خارج کرتی ایک بار پھر چاند تکنے لگی۔

---★★---

معمول کے مطابق صبح چھ بجے ہی اس کی آنکھ کھل گئی تھی۔ کسمسا کر پوری طرح سے ہوش میں آئی تو یاد آیا کہ وہ اب حویلی میں نہیں ہے۔ دل میں ہول اٹھنے لگا۔ اپنا ڈوپٹہ سرہانے سے اٹھا کر پہنتے ہوئے اٹھ بیٹھی۔ نظروں نے پورے کمرے کا طواف کیا۔ سامنے صوفے پر نگاہ پڑی تو دھڑکنیں گویا رک گئیں۔ وہ سامنے صوفے پر خود کو سمیٹتا سو رہا تھا۔ سخت سردی میں بنا کسی کمبل یا چادر کے وہ کروٹیں لینے پر مجبور تھا۔ دھڑکتے دل کے ساتھ وہ بستر سے اتر کر زمین پر کھڑی ہونے لگی۔ فرش ٹھنڈا تھا تو اس نے بچاؤ کے لیے چپل پہن لی۔ اپنے آپ کو چادر میں لپیٹتے ہوئے بنا کوئی آواز کیے واش روم چلی گئی۔ آذان ہوئے کافی وقت ہو چکا تھا۔ جائے نماز ڈھونڈ کر وہ کپکپاتی نماز کے لیے کھڑی ہو گئی۔ عشاء کی نماز پر وجدان سے قبلہ پوچھ لیا تھا۔ پرندوں کی چہچہاٹ وہ بند کھڑکی کے اندر سے بھی محسوس کر سکتی تھی۔ نماز پڑھتی صالحہ کے برابر صوفے پر ہی دنیا سے بیگانہ وہ سو رہا تھا۔ وہ اس کا سردی سے ٹھٹھرنا محسوس کر سکتی تھی۔ سلام پھیر کر اس نے اللہ کے سامنے ہاتھ پھیلائے اور دعا مانگنے لگی۔ اسے ہلکی ہلکی ٹھنڈی ہوا جو اسے کانپنے پر مجبور کر رہی تھی، کہیں سے داخل ہوتی محسوس ہو رہی تھی۔ اس نے نگاہیں دوڑائیں تو کھڑکی کو تھوڑا سا کھلا پایا۔ اس نے جائے نماز تہہ کر کے سنگھار میز پر رکھی اور کھڑکی بند کرنے لگی۔ روشنی آہستہ آہستہ کمرے میں پھیل رہی تھی۔ وجدان کے سردی سے ٹھٹھرنے پر اس نے گردن موڑ کر اسے

دیکھا۔ وہ رات سے یونہی ٹھٹھر رہا تھا۔ اسے نہیں معلوم وہ کب کمرے میں آیا اور صوفے پر سو گیا۔ صالحہ کا دل ایک دم کانپا۔ اس کو وجدان پر ترس آنے لگا۔ لب بھینچتی وہ تیزی سے بستر سے لحاف اٹھاتی اس کی جانب آئی۔ گہری نیند سوتے وجدان کے گھنے کالے بال اس کے منہ چھائے ہوئے تھے۔ ہلکی ہلکی شیو پر معصوم چہرہ صالحہ کو اچھا لگا۔ وہ اس کا شوہر تھا یہ احساس صالحہ کے لیے عجیب تھا۔ اس نے آہستگی سے بنا کوئی ہلچل مچائے اس کو لحاف اوڑھا دیا۔ وہ ویسے ہی سوتا رہا جیسے سو رہا تھا۔ صالحہ کو سردی محسوس ہوئی تو اس نے اپنی موٹی شال اپنے گرد پھیلا لی۔ نیند مکمل اڑ چکی تھی۔ بیڈ کے پشت سے ٹیک لگائے کمرے کا جائزہ لینے لگی۔ پھولوں سے بھرا کمرہ دیکھ کر اس کا دل گھبرانے لگا تھا۔ اسے پھولوں سے وحشت ہو رہی تھی۔ اس کی سانسوں کی رفتار بڑھنے لگی۔ یہ پھول اس کی اندر کی وحشت بڑھا رہے تھے۔ اس کا دل چاہا تمام پھول نوچ پھینکے مگر وہ اس وقت کسی نئے رشتے کے تحت کچھ نہیں کر سکتی تھی۔ عجیب دل سوز لمحے تھے۔ جب اس سے برداشت نہ ہوا تو وہ آہستہ آہستہ بنا آواز کیے پھول اتارنے لگی۔ بیڈ پھولوں کی لڑیوں سے گھرا ہوا تھا۔ اس نے تمام لڑیاں اور پھولوں کے بکے سمیٹ کر سنگھار میز کی دراز میں رکھے ایک بڑے شاپر میں ڈال دیے۔ یہ سب کرنے میں اسے آدھا گھنٹا لگا تھا۔ دل میں بڑھتی گھبراہٹ اب کم ہو گئی تھی۔ ساڑھے سات بجنے کو تھے جب وجدان کی آنکھ کھلی۔ وہ کبھی

نہ اٹھ پاتا اگر کھڑکی سے آنے والی سورج کی شعاعیں اس کی آنکھوں میں نہ پڑتیں۔ آنکھیں پوری طرح سے کھلیں تو اس نے خود پر لحاف محسوس کیا۔ اس نے چونک کر لحاف دیکھا اور پھر سامنے بیڈ سے ٹیک لگا کر بیٹھی ہوئی صالحہ کو۔ ایک دم اسے کمرہ بھی خالی خالی محسوس ہوا مگر وہ جان نہ پایا۔ صالحہ نے اسے دیکھ کر پھر سے نگاہیں جھکالی تھیں اور وجدان اسے دیکھ کر یہ سوچ رہا تھا کہ اسے یہ لحاف کس نے اوڑھایا۔ گھر میں صالحہ کے سوا کوئی نہ تھا اور یہ ثابت ہوگیا کہ لحاف اوڑھانے والی صالحہ ہی تھی۔ بے یقینی سے اسے دیکھتے ہوئے وہ اٹھ کھڑا ہوا۔ صالحہ اسے دیکھنے سے گریز کر رہی تھی۔ واش روم کی چپل پیر میں پہنتا وہ واش روم سے فریش ہو آیا۔ ابھی وہ خالی کمرے کو دیکھ کر سوچتا کہ اس نے پھولوں سے بھرا بندھا شاپر کونے میں لاوارثوں کی طرح پڑا دیکھا۔ حیرانی سے آنکھیں پھٹ گئیں اور نگاہیں فوراً صالحہ کی جانب اٹھیں۔ وہ اب بھی بیڈ کی چادر کو تک رہی تھی۔ یہ بات عام نہیں تھی! اتنی صبح کسی کو یہ خیال آتا ہے بھلا؟ وہ سمجھ گیا کوئی اسے اندر سے ستا رہا ہے۔ وہ دھیرے سے چلتا ہوا اس کی جانب آیا اور بیڈ سے نیچے ہی زمین پر جھک کر ٹانگوں کے بل بیٹھ گیا۔

"یہ پھول کیوں اتارے آپ نے؟"۔ بظاہر نرمی سے پوچھنے والے وجدان کا لہجہ صالحہ کو خفا خفا سا اور ہلکا سخت لگا۔ وہ تھوک نگل کر چادر کو آنکھیں پھاڑے خوف سے دیکھنے لگی۔ اس کی یہ حالت دیکھ کر وجدان جان گیا کہ وہ اندرونی طور پر ابھی ٹھیک نہیں ہے۔

"کیا اچھے نہیں لگتے آپ کو پھول؟"۔ اس کی کنچی آنکھوں میں جھانکنے کی کوشش کرتا وجدان بہت نرمی سے پوچھ رہا تھا۔

"مجھے پھول نہیں اچھے لگتے اس لیے میں نے اتار دیے"۔ صالحہ اسے دیکھنا نہیں چاہتی تھی کہ نظر ملی تو دل کی دھڑکنیں بڑھ جائیں گی۔

"کیوں"۔ اب کی بار بھی لہجے میں نرمی ہی تھی۔

"پھولوں سے میرے دل وحشتیں بڑھنے لگ گئی ہیں"۔ پھولوں سے محبت کرنے والی لڑکی آج انہیں پھولوں سے ناپسندیدگی کا اظہار کر رہی تھی۔ وجدان نے اس کے جملے پر غور کیا۔ اس کا مطلب تھا اسے پھولوں سے نفرت ہوئے کچھ ہی وقت ہوا ہے۔

"اسی لیے میں نے سب اتار دیے ورنہ میرا دم گھٹ جاتا۔ اب اچھے نہیں لگتے مجھے یہ پھول"۔ نگاہیں خود بہ خود وجدان کی جانب اٹھیں اور وجدان اس کی آنکھوں میں دیکھنے لگا۔ یہ کنچی آنکھوں والی لڑکی اب اس کی تھی! اس کی ذمہ داری تھی!۔ وہ اس کی باتوں کا مطلب سمجھ رہا تھا۔ اب وہ نہیں سمجھتا تو اور کون سمجھ سکتا تھا۔

"کوئی بات نہیں! ہوسکتا ہے پھولوں سے نفرت وقتی ہو؟"۔ کنجی آنکھوں کو تکتے ہوئے وہ بمشکل لفظ ادا کر پایا تھا۔ صالحہ نے نگاہیں جھکالی تھیں۔ ایک بار پھر سحر ٹوٹا اور وہ گڑبڑایا۔

"م۔ میں ناشتے کا انتظام کرتا ہوں"۔ وہ اٹھ کر کمرے سے باہر نکل گیا۔ پیچھے بیٹھی صالحہ نے بے چارگی سے سامنے سنگھار میز پر نگاہ دوڑا کر خود کو آئینے میں دیکھا اور پھر دروازے سے نکلتے وجدان کو۔ داستانیں مختلف تھیں مگر منزل ایک ہی!

۔۔۔★★۔۔۔

"حیدر اتنی صبح کیوں اٹھا رہے ہو؟"۔ وہ جھنجھلا کر آنکھیں بند کرتی بولی۔

"داجی ناشتے پر بلا رہے ہیں"۔ وہ نہا دھو کر تیار اب آئینے کے سامنے کھڑا بال بنا رہا تھا۔

"مگر اتنی صبح ابھی تو آٹھ بجے ہیں"۔ وہ کسمساتی ہوئی بولی۔

"ناشتہ اسی وقت پر ہوتا ہے جیا۔ اب جلدی سے اٹھ جاؤ ورنہ داجی کے چیخنے کی آواز آئے گی۔ بارہ بجے تک داجی اور باقی افراد کو حویلی کے لیے نکلنا ہے"۔ وہ مڑ کر اس کے کپڑے بیگ میں سے نکالتا ہوا بولا۔

"میں یونی جانے کے علاوہ کبھی اتنی جلدی نہیں اٹھی۔۔۔"۔ وہ اکتائے ہوئے لہجے میں بولی۔ "تم نے کیا داجی سے بات کرلی کہ میں اور تم دو دن بعد حویلی آئیں گے؟۔ یونیورسٹی ختم ہوگئی ہے باقی کاغذات کے مسائل نبٹانے کے لیے وقفے وقفے سے یونیورسٹی جانا

ہوگا"۔ اس نے پاؤں میں باتھ روم کے سلیپرز پہنے اور کپڑے پکڑتی واش روم کے دروازے پر کھڑی ہوکر پوچھنے لگی۔

"نہیں۔۔۔ابھی گفتگو کرنی ہے"۔ کلون خود پر چھڑکتا ہوا وہ اس بات پر پریشان ہوا تھا۔

وجیہہ سر ہلاتی واش روم میں چلی گئی جبکہ حیدر اپنے کپڑے سمیٹنے لگا۔

۔۔۔★★۔۔۔

کمرے میں ملگجی سی روشنی میں بیٹھی افشاں کے لب صالحہ کے لیے دعا مانگتے تھک چکے مگر دل نہیں۔۔۔آج تیسرا دن اس کے بغیر لگ چکا تھا۔ اب اسے کون سنبھالے گا؟ اب وہ کس کی سنے گی؟۔ جب تھک گئی تو کھڑکی کے پاس آکر نیچے باغ میں جھانکنے لگی۔ معمول کے مطابق آج وہی شخص جس کا چہرہ دیکھنے کی انہیں خواہش تھی ان کی طرف پشت کیے کھڑا گنگناتا ہوا پودوں کو پانی ڈال رہا تھا۔ کھڑکی بند ہونے کی وجہ سے وہ چاہتے ہوئے بھی ان کی آواز صاف نہیں سن پا رہی تھی۔

تمہاری یاد آتی ہے تو ہم آنسو بہاتے ہیں

گزرے تھے کبھی جو ساتھ دن وہ یاد آتے ہیں،

اسی امید پر ہم نے کھلا رکھا ہے دروازہ،

سنا ہے شام ہوتے ہی بچھڑے لوٹ آتے ہیں

حقارت سے نہ دیکھو اہلِ ساحل طوفان کو،

کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کنارے ڈوب جاتے ہیں

وہ ابھی بھی گنگنا رہے تھے، مگر افشاں انہیں واضح سننا چاہتی تھی۔ اس کے لیے دل نے اس شخص کے لیے اپنائیت محسوس کی تھی۔ کہیں وہ گنگنانا بند نہ کر دیں اس نے جلدی سے کھڑکی کے دونوں پٹ کھولے۔ ہوا کے باعث وہ دونوں دیوار سے جا کر ٹکرائے اور آواز پیدا ہوئی۔ پودوں کو پانی ڈالتا وہ وجود ساکت ہو گیا۔ تیز ہوا کے باعث ڈھیلے جوڑے میں قید وہ گھنے لمبے بال آزاد ہوئے اور لہرانے لگے۔ ایک امید لیے وہ شخص پلٹا اور ساکت رہ گیا۔ افشاں کی آنکھیں پھٹ گئیں اور ششدر رہ گئی وہ انہیں دیکھنے لگی۔ دھڑکنیں رکتی ہوئی محسوس ہو رہی تھیں۔ نیچے کھڑے اس شخص کے ہاتھ سے پودوں میں پانی ڈالنے والا کنستر چھوٹا اور گھانس پر گر گیا۔ دماغ میں جھماکہ ہوا اور جو یاد آیا وہ تھا پیلا جوڑا، لال چادر اس میں سے نکلتی آوارہ لٹیں۔۔۔ دماغ میں پھر جھماکہ ہوا اور اب لال جوڑا، گہرا کاجل، چمکتی ہوئیں کنچی آنکھیں۔۔۔ کتنے سالوں کی دوری تھی جواب وہ ایک دوسرے کو پھٹی پھٹی آنکھوں سے دیکھ کر پوری کر رہے تھے۔ عمر ڈھل رہی تھی مگر جذبات ویسے ہی تھے۔

"محبت کا چرچا میں سرِ بازار کرنے کے قائل نہیں بشارت حسین۔ اگر قائل ہوتی نا تو پورا گاؤں ہمارا نام ایک ساتھ پکارتا"۔ وہ الفاظ جو برسوں پہلے دشمنِ جاں نے دہرائے تھے

آج انہیں اپنے کانوں میں گونجتے محسوس ہو رہے تھے۔ وقت گویا رک چکا تھا۔ بالآخر کتنے ہی عرصے بعد اس نے اپنے محبوب پر نگاہ ڈال ہی لی تھی۔

"یہ ظالموں کی بستی ہے بشارت حسین"۔ آواز شاہ جی کے کانوں میں گونج رہی تھی۔۔۔ وہ دیکھتے رہے مگر کب تک دیکھتے رہتے؟۔ حیا نے آلیا اور انہوں نے نگاہیں نیچے کر لیں۔ وہ اب بھی نا محرم ہی تھے ایک دوسرے کے لیے۔ محرم بنانے کی خواہش میں کتنے سال گزر گئے مگر آج بھی دیکھا تو بھی نا محرم کی حیثیت سے۔۔ اوپری منزل پر کھڑی افشاں چیخ کر پیچھے ہوئی تھی۔ اس کی آواز حویلی میں کافی برسوں بعد گونجی تھی۔ زبان میں تکلیف ہوئی اور روتی بلکتی اپنی تکلیف کم کرنے لگی۔ دل کی دھڑکنیں تیزی سے دھڑک رہی تھیں۔ وہ شخص یہاں کیا کر رہا تھا۔ وہ اسے مار دیں گے۔۔۔ حویلی والے اسے مار دیں گے۔۔۔ وہ بھاگ کر کھڑکی کی جانب آئی اور نیچے جھانکنے لگی۔ باغ میں کوئی نہ تھا۔ شاہ جی حیا کے باعث بمشکل نظریں چراتے پہلے ہی اندر جا چکے تھے۔ نظریں اس شخص کو تلاشنے لگیں۔ وہ چیخ چیخ کر کہنا چاہتی تھی یہاں سے چلے جاؤ بشارت حسین۔۔۔ عشق کی وادی برباد ہو چکی ہے۔ یہ ظالموں کی بستی ہے۔۔۔ وہ دیا ان ظالموں کے ہاتھ لگ چکا تھا اور انہوں نے اسے پیروں تلے روند کر چکنا چور کر دیا تھا۔ مگر وہ کچھ بول نہ سکی۔۔۔ اس کی زبان کی تکلیف بے جا تھی مگر فکر صرف وادی عشق کے اس مسافر کی تھی۔۔۔ وہ اسے مار دیں

گے۔۔۔ وہ پھولتی سانسوں اور تیز دھڑکتی دھڑکنوں سے اس شخص کو سوچنے لگی۔۔۔ اس کی گئی وفا کو سوچنے لگی۔ وہ بھی اس کے بعد دھرا کا دھرا رہا اور وہ بھی نہ بدلی۔ وہ دونوں جیت گئے وفاداری نبھانے میں! دماغ میں جھماکہ ہوا اور وہ سن ہو گئی۔ وہ یہاں ابھی نہیں آیا تھا یقیناً۔۔۔ وہ یہاں پہلے سے تھا۔۔۔ یہ وہی تو تھا جو گنگناتا تھا صرف اس کے لیے۔۔۔ جس کی ہر صبح اس کی گنگناہٹ سے ہوتی تھی۔ یہ وہی شخص تھا جس کی آواز کا درد محسوس کر کے اسے اپنا ئیت سا محسوس ہوتا تھا۔ اسے حیرانی ہوئی۔۔۔ اس نے خط میں اسے گاؤں چھوڑ جانے کی تاکید کی تھی مگر وہ نہیں گیا۔۔۔ وہ کیوں نہیں گیا افشاں؟۔ وہ اب خود سے سوال کر رہی تھیں۔۔۔ کیونکہ۔۔۔ کیونکہ اس کے خون میں وفا ہے۔ کیونکہ اس نے پاک محبت کی ہے۔۔۔ ایک سچی اور پاک محبت!۔ جس کے لیے پہلے کبھی نگاہیں نہ اٹھیں اسے کتنے برسوں بعد دیکھ کر بھی اس شخص نے نگاہ جھکالی۔۔ وہ چاہتا تو اسے دیکھنے میں محو سے محو تر ہو جاتا۔۔۔ وہ کون ہے حویلی کا؟۔ اس کی شناخت؟۔ وہ دل پر ہاتھ رکھے بے یقین اور ساکت نظروں سے حیران بیٹھی یقین کرنے کی کوشش کر رہی تھی۔ کھڑکی اب بھی کھلی تھی اور ہوا تیزی سے اندر داخل ہو رہی تھی۔۔۔ بڑھتی عمر نے اسے بالوں کو کوئی فرق نہیں پڑنے دیا۔ وہ اب بھی اتنی ہی حسین تھی۔ جیسے پھولوں کے گھر سے آئی ہوئی شہزادی۔۔۔ مگر چہرہ جھریاں زدہ ہو رہا تھا۔ کنچی آنکھوں پر گھنی پلکوں کی باڑ بھی ویسی تھی۔

وقت کی بے رحمی نے اس کے سنہرے برس چھین لیے تھے۔۔۔ ناقابلِ یقین لمحوں میں شکست دیتی ہوئی زندگی۔۔۔

۔۔۔★★۔۔۔

وہ دونوں ساتھ کمرے سے باہر آئے تھے اور اب ڈائیننگ ٹیبل پر بیٹھنے لگے تھے۔

"آجاؤ بہو"۔ داجی نے اس کے سر پر ہاتھ رکھا اور حیدر کے برابر بیٹھنے کو کہا تو وہ لال ہوتے رخسار کے ساتھ حیدر کے برابر میں بیٹھ گئی۔ طلعت نے مسکرا کر اپنی بہو کو دیکھا جو شرماتے جھجھکتے لقمے منہ میں ڈال رہی تھی۔

"حویلی چل کر بہترین استقبال کریں گے"۔ داجی خوش تھے اور کبیر اپنی دھی کی کمی محسوس کر رہے تھے۔ ان کی بات پر وجیہہ نے حیدر کو دیکھا تو حیدر نے بمشکل داجی کو۔

"داجی میں چاہ رہا تھا کہ دو دن یہیں رہ لوں۔ یونیورسٹی کے کچھ مسائل حل کرنے ہیں"۔ آواز مدھم تھی۔ داجی نے ناک بھنویں چڑھائیں۔

"کون سے مسائل؟"۔ انہوں نے تڑخ کر پوچھا۔

"ان گنت ہیں۔۔ اور بعد میں بار بار آنا بھی ہوگا جب تک یونیورسٹی ہماری مکمل ختم نہیں ہوجاتی"۔ اس نے ناشتے کا لقمہ منہ میں ڈالتے ہوئے بتایا۔ داجی نے لب بھینچے اور کچھ نہ

کہا۔ وہ سمجھ گیا کہ اجازت مل چکی ہے اور پلیٹ کی طرف متوجہ ہو گیا۔ طلعت اور کبیر کو ذرہ برابر فرق نہ پڑا کیونکہ وہ اپنی اولاد کے فیصلے بھی خود کرنے کا اختیار نہیں رکھتے تھے۔۔۔

۔۔۔★★۔۔۔

وہ ناشتے کی اطلاع دینے کمرے میں داخل ہوا تو وہ بیڈ سے ٹیک لگائی آنکھیں موندے بیٹھی تھی۔

"ناشتہ لے آیا ہوں میں"۔ اسے اطلاع دے کر وہ نگاہیں جھکا تا کمرے سے نکل گیا۔

صالحہ نے گھڑی دیکھی تو نو بج رہے تھے۔ چپل پیروں میں پہن کر کمرے سے باہر آئی اور گھر کا جائزہ لینے لگی۔ وہ پہلی منزل پر کھڑی تھی۔ سامنے کی جانب ایک کمرہ تھا جو شاید وجیہہ کا تھا۔ دائیں جانب ایک اور کمرہ تھا جو شاید لاک تھا۔ الٹے ہاتھ پر سیڑھیاں تھیں۔ وہ ریلنگ کے سہارے سیڑھیاں اتر کر لاؤنج میں داخل ہوئی۔ لاؤنج بے حد کشادہ تھا اور سامنے بڑی ایل ای ڈی لگی تھی۔ خاکی صوفے پر وجدان بیٹھا ٹی وی دیکھ رہا تھا۔ اسے کچن میں جانا تھا مگر اسے رستہ معلوم نہیں تھا۔

"سنیں"۔ مدھم آواز میں اس نے وجدان کو پکارا تھا۔ وجدان نے اس کی آواز پر گردن موڑ کر دیکھا۔ وہ ٹی پنک جوڑے میں سیدھا اسے اپنے دل میں اترتی محسوس ہوئی۔

"جی کہیں"۔ اس نے لب بھینچے کھڑی صالحہ کو نرمی سے جواب دیا۔

"کچن کہاں ہے؟"۔ اپنی مخروطی انگلیاں مروڑتے ہوئے وہ پیشانی پر لکیریں ڈالتے ہوئے پوچھ رہی تھی۔ وجدان نے اس کے ہاتھ دیکھے اور پھر اس کا تاثرات! وہ نروس تھی۔

"آپ کے پیچھے دائیں طرف"۔ صوفے کی پشت پر ہاتھ پھیلاتے ہوئے وہ آنکھوں سے اشارہ کرتے ہوئے بولا۔ صالحہ نے اثبات میں سر ہلایا اور کچن میں جانے لگیں۔

"میں نے چائے چڑھائی ہوئی ہے اور فرائینگ پین بھی ہلکی آنچ پر رکھ دیا ہے۔ وہ گرم ہوجائے تو میں انڈے فرائی کردوں گا اور بریڈ بھی لے آیا ہوں۔ آپ کے لیے یہ ناشتہ مناسب ہے؟"۔ اس نے کچن کی جانب بڑھتی صالحہ کو روکا۔

"جی میں انڈا فرائی کردیتی ہوں"۔ وہ لب کاٹتے ہوئے کہتی مڑنے لگی کہ وجدان اٹھ کھڑا ہوا۔

"آپ کل ہی دلہن بن کر آئی ہیں۔ اچھا نہیں لگے گا کہ اگلے دن سے ہی کام شروع کردیں۔ میں بنا دیتا ہوں ناشتہ"۔ وہ کہتے ہوئے کچن میں آگیا اور فریج سے انڈے نکالنے لگا۔ صالحہ تھوک نگلتے کچن کے دروازے کی چوکھٹ پر کھڑی تھی۔ وہ اب انڈے تل رہا تھا اور بریڈ کو ٹرے میں سلیقے سے سجا رہا تھا۔ چائے میں دودھ وہ انڈہ فرائی پین میں ڈالنے سے پہلے ہی ڈال چکا تھا۔ اسے دروازے پر کھڑا دیکھ کر نا جانے کیوں وجدان کا دل چاہا کہ اس سے بات کرے۔ اب وہ کسی سوال کی تلاش میں تھا۔

"آپ کے بیگز میں جتنا سامان ہے وہ آپ وارڈروب میں رکھ لے گا۔ میں نے وارڈروب میں آپ کے لیے کافی اسپیس چھوڑی ہے"۔ وجدان نے ایک نظر اسے دیکھتے ہوئے انڈہ پلیٹ میں نکالا۔

صالحہ کو اس کے بتانے پر یاد آیا کہ اس کے بیگز میں کپڑوں اور دیگر اشیاء کے سوا اس کے اہم کاغزات بھی ہیں۔ ہر سر ٹیفکیٹ اور مارک شیٹس تھیں جو وہ حویلی سے کسی امید پر ساتھ لائی تھی۔

"میں اپنے اہم کاغزات جو میری تعلیم سے متعلق ہیں وہ کہاں رکھوں؟"۔ اسے سوائے اس بات کی کوئی پریشانی نہیں تھی۔ وجدان نے پلٹ کر اسے دیکھا جو اپنی تعلیمی کاغزات کے لیے پریشان ہو رہی تھی۔

"وارڈروب میں لاکر ہے آپ وہیں رکھ کر لاک لگا دے گا۔ آپ گاؤں میں کہاں تک پڑھی ہیں؟"۔ اس کا دل کیا یوں ہی سوال کرنے کا۔

"بارھوی تک"۔ صالحہ کے چہرے پر عجیب مسرت چھائی۔ لبوں پر مبہم سی مسکراہٹ عیاں ہوئی۔ وجدان کو حیرانی ہوئی۔ اسے لگا وہ میٹرک پاس ہوگی یقیناً اسے پڑھنے اشتیاق تھا۔

"آگے پڑھنے کا ارادہ رکھتی ہیں؟"۔ اس نے یہ سوال اس کی آنکھوں کو دیکھتے ہوئے کہا۔

صالحہ کا جھکا چہرہ جھٹکے سے اٹھا۔ آنکھوں میں بے یقینی تھی۔

"آپ پڑھائیں گے؟"۔ کھلے چہرے سے اس نے بہت امید سے اس سے پوچھا۔

"اگر آپ ارادہ رکھتی ہیں تو میں بھی یہی چاہتا ہوں کہ آپ پڑھیں"۔ وہ دم بخود مسکراتا ہوا بولا۔

"اور جاب؟۔ جاب کرنے دیں گے؟"۔ وہ اپنی خواہشات بلا جھجک آگے رکھنے لگی۔

وجدان الجھا۔

"پیسوں کی ضرورت تو نہیں۔۔۔ میں آپ کو ہر ماہ کے آغاز میں پیسے دیا کروں گا"۔ اسے لگا وہ پیسوں کی وجہ سے جاب کرنے کا کہہ رہی ہے۔ صالحہ کا چہرہ ہلکا پھیکا ہوا۔

"میں استانی بننا چاہتی ہوں"۔ زیرِ لب کہتے ہوئے اس نے بتایا۔

"آپ کو شوق ہے؟"۔ وہ اب انڈے تل چکا تھا اور ٹرے میں رکھ رہا تھا۔

"بچپن میں ڈاکٹر بننے کا شوق تھا مگر کبھی خواہش اظہار کرنے کا موقع نہ ملا۔ ایسے میں شوق ہی بدل دیا۔ میں استانی بننا چاہتی ہوں"۔ لہجہ قدرے دھیما تھا۔

"آپ کو یونیورسٹی میں داخلہ میں کراؤں گا صالحہ میرا یقین کریں! مگر کیا آپ اسکول اور یونیورسٹی دونوں ساتھ مینج کر پائیں گی؟"۔ وہ اب چائے چھان رہا تھا۔

"مم۔ ممم۔ میں سس۔ سب کرلوں گی۔۔۔ میں کرلوں گی پکا"۔ خوشی سے وہ پھولے نہ سما رہی تھی۔ بے یقینی سے وہ اچھل پڑی تھی مگر احساس ہونے پر اب حیا سے نظریں جھکا گئی تھی۔ شادی کے اگلے دن ہی اسے بہت خوبصورت تحفہ ملا تھا۔ وجدان اس کے یوں خوشی سے اچھلنے پر مسکرایا تھا۔ وہ کتنا اچھا تھا جو بنا کسی بحث کے اس کی بات مان گیا تھا۔

"ٹھیک ہے میں نے ویسے ہی دفتر سے چھٹی لی ہوئی ہے۔۔ دو تین دنوں کی چھٹی باقی ہے اور ہم اس چھٹی میں یہی کام انجام دینے والے ہیں۔ وہ مسکراتا ہوا اس کے برابر سے ٹرے لیتا ہوا نکلا۔ وہ اسے خود سے مانوس کرنا چاہتا تھا۔

"سچی؟"۔ وہ اب بھی بے یقین کھڑی تھی۔ وجدان نے اس کے انداز پر نگاہ اٹھا کر اسے دیکھا۔ وہ اسے مسکراتے ہوئے کسی جزبے کے تحت تکتا رہا۔ صالحہ کو احساس ہوا کہ وہ بہت زیادہ ایکسائیٹڈ ہوگئی ہے۔

"جی بلکل سچ! اب آپ میری ذمہ داری ہیں"۔ نظریں چراتا ہوا وہ ناشتہ میز پر رکھتا ہوا بولا۔ صالحہ کو اس کی بات ہر نئے رشتے کا احساس ہوا۔

"پرسوں جا کر ایڈمیشن کروائیں گے اور پھر آپ کچھ ہی دنوں میں کسی اسکول میں اپلائے کرلے گا"۔ وہ اب اس کے لیے کرسی آگے کر رہا تھا۔

"لال عمارت والا اسکول"۔ اس کے منہ سے جھٹ نکلا اور وہ لب بھینچ گئی۔ وجدان اس کی بات پر مڑا۔

"کونسی لال عمارت"۔ میٹھے لہجے میں پوچھتے ہوئے اس نے باورچی خانے کی چوکھٹ پر کھڑی صالحہ کو دیکھا۔

"میں ویر کے ساتھ آئی تھی شہر کچھ ہفتوں پہلے۔۔۔ اس کی یونیورسٹی دیکھی تھی اور گزرتے ہوئے اسکول کی لال عمارت"۔ وہ آنکھیں بڑی کر کے جوش سے بتا رہی تھی۔ "میں اپنے ویر کی یونیورسٹی میں پڑھنا چاہتی ہوں اور اس بڑی لال عمارت میں استانی بن کر پڑھانا چاہتی ہوں۔ وہ لال عمارت والا اسکول بہت بڑا تھا"۔ وہ معصومیت سے اپنی خواہشات کا اظہار کر رہی تھی۔

"کیا لال عمارت جس کے چھت پر بہت بڑا جھنڈا لگا ہے؟"۔ وہ اپنی مسکراہٹ دباتے ہوئے پوچھنے لگا۔ صالحہ نے تیزی سے اثبات میں سر ہلایا۔

"جی جی۔۔۔ وہ جھنڈا بہت بڑا ہے"۔ سر تیزی سے ہاں میں ہل رہا تھا۔

"جس کا دروازہ پیلا ہے؟"۔ وہ بمشکل مسکراہٹ ضبط کر رہا تھا۔

"جی۔ آپ جانتے ہیں؟"۔ اس کا جوش بڑھتا جا رہا تھا۔

"ہاں وہ ہمارے گھر کے پیچھے ہی مقیم ہے"۔ وہ کھل کر مسکراتا ہوا بولا۔ صالحہ نے آنکھیں پھاڑیں۔

"میں آپ کو کمرے کی کھڑکی سے دکھاؤں گا اور ہاں وہ واقعی بہت بڑا اسکول ہے"۔ اس نے ساتھ اسے ناشتے کی میز پر بیٹھنے کو کہا اور خود کھڑا رہا۔ صالحہ کے قدم بڑھے اور وہ آہستگی سے کرسی پر بیٹھ گئی۔ وہ اب بھی کھڑا تھا کیونکہ وہ جانتا تھا کہ اگر وہ اس کے ساتھ والی کرسی پر بیٹھ گیا تو یقیناً وہ ان کمفرٹیبل محسوس کرے گی اور ناشتہ بھی مکمل نہیں کر سکے گی۔ یہ میز صرف دو لوگوں کے لیے ہی تھی جس پر کبھی وجیہہ اور وجدان بیٹھتے تھے۔ صالحہ نے اس کی بات پر سر ہلایا اور جھجکتے ہوئے ناشتے کی پلیٹ میں جھکی۔ وہ اسے اچھا لگا تھا۔ چائے کے گھونٹ بھرتا وجدان اتنا تو جان گیا تھا کہ اسے خود سے مانوس کرنے میں زیادہ وقت نہیں لگے گا۔ اسے خوف تھا کہ اس لڑکی کی کنچی آنکھیں وقت کے ساتھ ساتھ اس کے جینے کی وجہ نہ بن جائیں۔

---★★---

زنجیر از قلم عینا بیگ

قسط ۱۴

وقت کا کام ہے گزرنا اور وہ یوں ہی گزرنے لگا۔ ایک دن گزرا، دو دن اور پھر پلک جھپکتے ایک ہفتہ گزر گیا۔ وہ نہیں جانتا تھا کہ یونیورسٹی میں داخلہ اس کی زندگی کی بڑی خواہش ہو گی۔ کوئی ذرا سی خواہش کی تکمیل ہونے پر اس قدر خوش رہ سکتا ہے۔ جب تک اس کا داخلہ وجیہہ کی یونیورسٹی میں نہ ہوا اس کے لبوں سے مسکراہٹ جدا ہونے کا نام ہی نہ لی اور جب اسے خبر ملی کہ اس کی یونیورسٹی کا پہلا دن بہت جلد آنے والا ہے وہ خوشی سے چیخ ہی پڑی۔ وجدان نے یہ کام انجام دے کر اسے اسکول میں جاب لگوادی تھی۔ وہ اس وقت لائبریری میں کتاب پڑھنے بیٹھا تھا مگر کتاب ہاتھ میں پکڑے گزرے وقت کو سوچ رہا تھا۔ اسے یاد آیا جب وہ اسکول میں انٹرویو دے کر آئی تھی تو کتنی نروس تھی۔ اس کی نازک مخروطی انگلیاں کانپ رہی تھی اور پھر وہ کتنی ہی دیر میں سجدے میں رہی تھی۔ دعائیں مانگتے مانگتے زبان تھکنے کا نام نہیں لے رہی تھی۔ اسے زیادہ انتظار نہیں کرنا پڑا تھا۔ اس سے اگلے ہی دن اسے اسکول سے کال آگئی تھی۔ رکتی سانسوں اور کانپتے ہاتھوں سے فون کان سے لگایا۔ اتفاق سے وجدان اس وقت گھر پر ہی تھا۔ جب صالحہ کی رنگت فق ہوتے دیکھا تو اسے لگا وہ بے ہوش ہو جائے گی۔۔۔ شاید اسکول کی مینجمنٹ اس سے مطمئن نہیں ہوئی اور یہ سن کر ہو سکتا ہے صالحہ برداشت نہ کر پائے۔ وہ لڑکھڑا کر گر نہ پڑے وہ یہ سوچ

کر بھاگتا ہوا اس کی جانب آیا مگر وہ یکدم ہی خوشی سے چلا اٹھی۔ پل دو پل کے لیے اسے محسوس ہوا کہ صدمے سے پاگل ہوگئی ہے مگر ایسا نہ تھا۔ وہ خوشی سے چیخ رہی تھی اور چلتے پھرتے دنیا کو بتا رہی تھی کہ اس لال عمارت والے اسکول نے اسے قبول کرلیا ہے۔ اب اسے استانی بننے سے کوئی نہیں روک سکتا تھا۔ گزرتے وقت میں وجدان کو اس سے انسیت ہونے لگی۔ اس نے دفتر پھر سے جوائن کرلیا تھا۔ شام ہوتے ہی لوٹ آتا اور سب سے پہلے اسے ڈھونڈتا۔ ہمیشہ کی طرح وہ جھجکتی اور نروس ہوتی اور وہ اس کی آنکھوں کو اپنے دل میں اتارتا واپس چلا جاتا۔ یہ انداز عادت میں تبدیل ہو رہا تھا۔ وہ جب بھی کہیں باہر سے آتا اس کی آنکھوں کو دل میں ضرور اتارتا اور پھر پلٹ جاتا۔ گویا یہ جینے کہ وجہ بن رہی ہوں۔ کام کے سوا ان دونوں کی اور کوئی نہ بات ہوتی۔ صالحہ نے آہستہ آہستہ کچن سنبھال لیا تھا مگر وجدان کی کوشش ہوتی کہ اس کی موجودگی میں صالحہ کو زیادہ تر کچن میں نہ جانا پڑے۔ اس عرصے میں وہ درشہوار کو گویا بھول ہی گیا تھا۔ دفتر میں بیٹھا ہوتا تو صالحہ کے لیے یہ سوچ کر پریشان ہوتا کہ وہ گھر میں اکیلی ہے۔ کوشش کرتا وقت سے پہلے گھر پہنچ جائے۔ اس کی یونیورسٹی شروع ہو چکی تھی جبکہ اسکول جانے کا دن بھی قریب تھا۔ پچھلی رات خوشی کے مارے اسے نیند ہی نہ آئی تھی۔ رہ رہ کر آنکھ لگتی تو خود کو اسکول میں دیکھتی۔ صوفے پر لیٹا وجدان روز کی طرح کروٹیں بدلتا۔۔۔ اسے اب تک

صوفوں کی عادت نہ ہوئی تھی۔ اسے یوں دیکھ کر صالحہ کو ترس آتا اور وہ سوچتی کہ وہ کب تک یوں صوفے پر سوئے گا۔ وہ اب بھی اس کے قریب آنے پر شرماتی اور نروس ہو جاتی تھی۔ وہ اس دوری کو ختم کرنا چاہتی تھی مگر اظہار اس کی جانب سے چاہنے لگی۔ اسے لگنے لگا کہ شاید اس نے مجبوری میں شادی کی ہے۔۔۔ مگر جب وہ اس کی آنکھوں میں عجیب احساس سے جھانکتا تو صالحہ کو لگتا ایسا کچھ نہیں ہے جیسا وہ سوچتی ہے۔ وہ شاید اس کا اسیر ہو رہا ہے۔ بہت بار صالحہ کو محسوس ہوا جیسے وہ کچھ کہنا چاہتا ہے۔۔۔ مگر کہہ نہیں پا رہا۔ الفاظ گویا حلق میں اٹک رہے ہوں۔ وہ خوش فہمی نہیں پالنا چاہتی تھی اس لیے چاہتی تھی کہ اظہار اس کی جانب سے ہو۔ دن بھر چپکے چپکے اس کے آنے کا انتظار کرتی، گاڑی کے ہارن بجتے ہی وہ جیسے جی اٹھتی اور جلدی سے خود کو جان بوجھ کر کسی ایسی جگہ پر مصروف کر لیتی جہاں وجدان اسے ڈھونڈتا پھرتا آتا۔ اس دورانیے میں وہ اس کی عادت جان گئی تھی۔ وہ جانتی تھی کہ وہ جب بھی آئے گا اسے ڈھونڈے گا پھر پاس کھڑے ہو کر اس کی آنکھوں کو تسلی سے دیکھے گا۔ وہ نظریں جھکانے کی کوشش کرے گی تو ٹھوڑی پکڑ کر چہرہ ہلکا سا اٹھائے گا اور پھر اس کی آنکھوں میں اپنا عکس دیکھے گا۔ وہ دل ہی دل میں یہ جذبہ چھپائے گی کہ اس کا یوں کرنا اسے آہستہ آہستہ بھا رہا ہے۔ اور وجدان؟ وجدان کوئی بھی بات سہہ سکتا ہے سوائے اس کے کہ صالحہ اس کے گھر آنے پر اسے نہ ملے۔۔۔

اس کی پہلی خواہش باہر سے آکر اسے دیکھنا بن گئی۔ گھر کے کسی بھی حصے میں وہ چھپی ہو مگر وہ اسے پندرہ سیکنڈ میں ڈھونڈ نکالتا۔ ایک ہفتہ اور گزر گیا تھا اور کل صالحہ کا اسکول میں پہلا دن تھا۔ ایک دن پہلے وجدان شہر کے اچھے بڑے مال سے اس کو ضرورت کا سامان دلا کر لایا تھا۔ پرفیومز، دو تین چادریں، کوٹ اور موبائل سمیت بہت سی ایسی چیزیں جسے دیکھ کر وہ پھولے نہ سما رہی تھی۔ اس نے دل سے اس کا شکریہ ادا کیا تھا جس پر اس نے ہلکی سی گھوری دیکھ کر اسے اپنی ذمہ داری کہا تھا اور بس اس کا یہ انداز بھی صالحہ کو بھا گیا تھا۔ وہ نگاہیں جھکا گئی تھی۔ اگلے دن اس کا اسکول تھا اور اس کا شدت سے دل چاہ رہا تھا کہ حویلی کی عورتوں کو اور افشاں کو چیخ چیخ کر بتائے کہ اس کی دلی مراد پوری ہو گئی ہے۔

افشاں کی یاد آنے لگی تو چہرے پر اداسی پھیل گیا۔ وجدان کا دل حلق میں آ گیا۔ وہ کھوجتا رہا کہ وہ کیوں پریشان ہے۔ آخر جب رہا نہ گیا تو رات کے کھانے کی میز پر ہچکچاتا بول اٹھا۔

صالحہ خاموش رہنا چاہتی تھی مگر کب تک؟۔ وجدان کو زیادہ انتظار نہیں کرنا پڑا تھا۔۔۔

صالحہ کی آنکھوں سے ٹپ ٹپ آنسو بہنے لگے اور یہاں وجدان کے منہ سے حلق میں جاتا نوالہ اٹک گیا۔ اس نے کھانے سے ہاتھ کھینچے اور اس کا ہاتھ اس کی آنکھوں سے دور کیا جو آنکھوں کو بے دردی سے رگڑ رہی تھی۔ یہاں وجدان نے وجہ پوچھی اور یہاں اس نے روتے روتے سب حال سنا دیا۔ اس کی داستان پر محض وہ مسکرا دیا تھا۔ جیب سے موبائل

www.urdunovelsmania.com

نکالا اور اس کے آگے کر دیا۔ وہ نہیں جانتا کہ کب تک وہ وجیہہ کے موبائل پر کال کر کے افشاں کو اپنا حال سناتی رہی۔ شمیلہ چچی سے بات ہوئی تو وہ بہت خوش تھیں۔ طلعت نے شمیلہ کے اسرار پر قرآن کا ترجمہ پڑھنے اور سمجھنے کی ہامی بھری تھی۔ وہ کوشش جو شمیلہ چچی اپنی جوانی سے کر رہی تھیں وہ اب رنگ لا رہی تھی۔ کبیر بٹ اپنی دھی کے لیے تڑپتے تھے۔ ایسے میں داجی کے خلاف کبیر کے دل میں بغاوت جنم لے رہی تھی۔ وہ اندر ہی اندر کڑھتے رہتے۔ یہ لاوا بہت جلد پھٹ جائے گا طلعت کو یقین تھا۔ سمیعہ تائی اب حویلی والوں سے اکتائی اکتائی گھومتی تھیں۔ رفاہ کو دیکھ کر کبھی کبھی غصہ جنم لیتا تو نماز کے لیے کھڑی ہو جاتیں۔ شرجیل کے دل میں رفاہ کے لیے بڑھتی الفت حویلی میں سب کو نظر آنے لگی۔ داجی کو محسوس ہوا کہ شرجیل جلد از جلد بغاوت کر جائے گا۔ سمیعہ تائی نے پچھلے دنوں رفاہ پر چیخنے کی کوشش کی تھی مگر شرجیل آڑے آ گیا تھا اور صاف کہہ گیا تھا کہ اس کی بیوی کو سنانے اور مارنے کا حق کسی کو حاصل نہیں۔ وہ تائی کا دکھ سمجھتا تھا اس لیے یہ بھی سمجھا گیا کہ اس میں رفاہ کا نہیں بلکہ قاتل کا قصور ہے۔ وہ نہیں جانتا تھا کہ تائی اتنی جلدی اس کی بات سمجھنے کی کوشش کریں گی۔ وہ سمجھ تو رہی تھیں مگر وقت ان کے لبوں کو خاموش اور خواہشوں کو معدوم کرتا جا رہا تھا۔ اب زیادہ تر وہ خاموش رہتیں۔ صالحہ کی شادی پر جو ارمان انہوں نے بیٹے کو سوچ کر نکالنے تھے وہ بیٹا نہیں رہا تھا اور وہ کسی اور کی

ہوگئی تھی۔ شمیلہ چچی جب افشاں کے پاس گئیں تو افشاں انہیں یک ٹک تکنے لگی۔ وہ سمجھ نہ سکیں اور کھانا پیش کیا، دوسرے کپڑے نکالے اور محبت سے اسے دیکھا۔ مگر وہ اب بھی انہیں تک رہی تھی۔۔۔ پوچھنے پر اس نے بمشکل ایک کاغذ پر کچھ لکھ کر آگے بڑھایا تو اس کو پڑھ کر شمیلہ کہ سٹی گم ہوگئی۔ بڑے بڑے الفاظوں میں بشارت حسین لکھا تھا۔ انہوں تھوک نگلا تو افشاں نے اشارے سے پوچھا کہ آپ جانتی تھیں وہ دشمنِ جاں اسی گھر میں ہے پھر بھی مجھے خبر نہ دی؟۔ اس کی بات سمجھ آنے پر وہ آنسوؤں سے رو دی اور اسے بتایا کہ وہ ہی شاہ جی ہے جس کا ذکر صالحہ اپنی باتوں میں کیا کرتی تھی۔ یہاں شاہ جی کو اسے محرم بنانے کی تڑپ بڑھ گئی۔ دل میں اتنے سالوں کا غبار تھا جو نکلنے کو تیار تھا مگر وہ خود کو دبا رہے تھے۔ اپنے لیے نہیں بلکہ اس لڑکی کے لیے جس کی آنکھیں کانچ کی مانند محسوس ہوتی تھیں۔ داجی کے لیے دل میں بڑھتی نفرت وقت کے ساتھ پورے دل پر قبضہ کر رہی تھیں، مگر وہ بہت جلد ہی بات حویلی میں کھولنے والے تھے۔ حیدر اور وجیہہ دو دن بعد ہی حویلی آگئے تھے۔ شمیلہ نے اسے افشاں سے بھی ملوایا تھا اور وجیہہ کو افشاں سے مل کر ان پر صالحہ کا گمان ہوا۔ بھائی کی یاد نے اس کے دل کو ہولا رکھا تھا۔ دن میں ایک دفعہ سہی مگر وہ وجدان سے بات ضرور کیا کرتی تھی۔ رفاہ کو اپنی تنہائی کا دوست تو نہ مل سکا مگر وجیہہ سے ہلکی پھلکی دوستی ہوگئی۔ وہ اب بھی کوارٹر میں رہتی تھی اور شرجیل جلد اسے اپنے

کمرے میں شفٹ کرنے ارادہ رکھتا تھا۔ حیدر کو صالحہ کی بے رخی اندر سے کھائی جا رہی تھی۔ اسے افسوس تھا اور یہ ساری عمر رہنے والا تھا۔ وہ شہر جا کر اس سے ملنا چاہتا تھا اور عنقریب ہی یونیورسٹی کے سلسلے میں وہ جلد اس سے ملنے والا تھا۔ وجیہہ کی روٹین پہلے سے یکدم بدل چکی تھی۔ وہ لڑکی جو بارہ بجے تک سونے کی عادی تھی اب اسے صبح سات بجے اٹھا دیا جاتا تھا۔ جس نے گھر کے برتنوں کو ہاتھ نہ لگایا ہو وہ اب بڑی بڑی پتیلیوں میں رات کے کھانے پر کھیر بناتی تھی۔ اس سب نے اسے وجدان اور اس کی محبت یاد دلا دی تھی۔ ایسا نہیں تھا کہ وہ کام کرنے سے اکتاتی تھی یا پھر تھک کر چور ہو جاتی تھی، مگر بھائی کی یاد فطری تھی۔ اتوار کی رات شرجیل اپنے ٹیرس پر کھڑا تھا جب اس نے درخت کے نیچے کھڑے شاہ جی کو افشاں کے کمرے کی طرف تکتے دیکھا تو ان پر بے جا ترس آیا۔ وہ فیصلہ کر چکا تھا کہ اب خاموش نہیں رہے گا۔ وہ شاہ جی کو ان کی محبت دلائے گا۔۔۔ مگر وہ یہ سب فوراً نہیں کرے گا۔ وہ پلان کر رہا تھا کہ کب کیسے حالات پیدا ہونے چاہیئے۔ جس دن وہ رفاہ کو اپنے کمرے میں لانے کا اعلان کرے گا تب شاہ جی اور افشاں کی داستان کھول دے گا۔ تمام راز سے پردہ اٹھا دے گا اور شاہ جی کی طرف سے ان کا رشتہ داجی کی بیٹی کے لیے مانگے گا۔ کیوں وادی عشق کے مسافر اپنے محبوب کو اپنا بنا نہیں پاتے؟۔ وہ ایک ساتھ سب کی رنجشیں ختم کر دے گا اسے یقین تھا۔ عنقریب وہ دن آنے والا تھا۔۔۔

---★★---

پانچ بجنے لگے تھے جب اس کی آنکھ کھلی۔ بڑھ کر موبائل پر وقت دیکھا تو اٹھ بیٹھی۔ آسمان گہرا نیلا ہو رہا تھا۔ یونیورسٹی اس کی شروع ہوئے دو دن ہو چکے تھے مگر اسکول میں آج پہلا دن تھا۔ یونیورسٹی کی ایوننگ شفٹ تھی تاکہ وہ صبح اسکول آرام سے جا سکے۔ اس نے نماز پڑھ کر بالوں کو جوڑا باندھا۔ حسبِ معمول صوفے پر آڑے ترچھے لیٹے وجدان کا لحاف ترتیب دیا اور نیچے چلی آئی۔ اس نے گزرے ہوئے دنوں میں لاؤنج میں بہت تبدیلی کر دی تھی۔ جب وہ گھر میں تنہا ہوتی تھی تو گھر کو سنوارنے کے بارے میں سوچا کرتی تھی۔ اپنے ڈوپٹے کو کمر سے باندھ کر فریج میں سے گوندھا آٹا نکالنے لگی۔ اکثر ایسے کام جو اسے کرنے میں پریشانی ہوتی تھی وہ ایک دن پہلے رات میں کر لیا کرتی۔ اس ایک ہفتے نے اسے اتنا مصروف کر دیا تھا اور اسی ایک ہفتے میں اسے اس گھر سے انسیت ہونے لگی تھی۔ اس نے سوچا تھا وہ حویلی جانے کی بات وجدان سے ضرور کرے گی۔ گزرتے وقت کے ساتھ افشاں کی یاد دماغ پر حاوی ہو رہی تھی۔ کبھی اس کے بغیر ایک پل گزارنے کا سوچا نہ تھا اور آج اتنا وقت گزار چکی تھی۔ اس نے روٹی بیل کر توے پر ڈالی اور چائے کا پانی چڑھانے لگی۔ وہ آج اتنی خوش تھی اس بات کا اندازہ اس کا کھلتا چہرہ بتا رہا تھا۔ پانی چڑھا کر اس نے توے پر روٹی پلٹی اور دوسری روٹی بیلنے لگی۔ اس نے وقت دیکھا تو ساڑھے پانچ ہو رہے

تھے۔ ہاتھوں میں تیزی آئی اور جلدی جلدی روٹیاں بنا کر ہاٹ پاٹ پر رکھیں اور انڈہ تل کر باہر آگئی۔ اسے آٹھ بجے تک اسکول کے لیے نکلنا تھا۔ تھوڑی دیر لاؤنج میں بیٹھ کر وہ وجدان کو اٹھانے کمرے میں چلی آئی۔ گہری نیند میں سوتا وجدان دنیا سے بیگانہ تھا۔ آنکھیں گھنے بالوں میں چھپی ہوئی تھیں۔ ایک نظر اسے دیکھ کر وہ کپڑے نکالتی واش روم میں چلی گئی۔ پرندوں کی چہچہاہٹ وقت کے ساتھ بڑھتی جا رہی تھیں۔ وہ شاور لے کر آئی تو وجدان اسے اب بھی سوتا ہی ملا۔ گزری ہوئی رات کو وہ بہت دیر تک باہر ہی رہے تھے۔ شاپنگ کرتے ہوئے گویا وقت کا اندازہ ہی نہ ہوسکا۔ اس نے بالوں کو تولیہ سے جھٹکا اور خود کو شال میں ڈھانپ کر کھڑکی کی جانب آئی۔ وہ اسے کیسے نیند سے اٹھائے؟ حیا آڑے آرہی تھی اور اس کی دل کی دھڑکنیں بہت تیزی سے چل رہی تھیں۔ اس سب کا حل صرف ایک ہی تھا۔۔۔ اس نے کھڑکی کے دونوں پردے کھینچ کر کنارے کیے۔ تیز آواز کے ساتھ وہ پردے سامنے سے ہٹے اور ہلکی ہلکی روشنی وجدان کے منہ پر پڑی۔ صالحہ نے ساتھ کمرے کے بلب جلا دیے۔ جب دیکھا اس سوتے شخص کو اب بھی فرق نہیں پڑا تو کمرے میں لگے دو چھوٹے فانوس بھی جلا دیے. بالآخر وجدان کی آنکھیں چندھیائیں اور وہ وہ آنکھیں مسلتا اپنی نیند میں خلل پیدا کرنے والے کو دیکھنے لگا۔ وہ نکھری نکھری گیلیے بالوں میں شال تھامی وہیں کھڑی اسے دیکھ رہی تھی۔ وجدان نے بڑھ کر اپنا موبائل اٹھایا

اوراس میں وقت دیکھا۔ چھ کا ہندسہ دیکھ کر اسے صالحہ کی دماغی حالت پر شک ہوا۔ اتنی صبح اٹھانے کی کیا تک تھی بھلا؟۔ اب وہ بھلا اسے کیسے پوچھے کہ اسے اتنی جلدی کیوں اٹھانے کی کوشش کی؟۔

"ابھی تو چھ بھی نہیں بجے اس لیے سوجاتا ہوں"۔ خود سے زور سے کہتا تاکہ صالحہ سن سکے پھر سے لیٹ گیا۔ صالحہ کے ماتھے پر بل آئے۔ وہ صوفے کے برابر کھڑے سنگھار میز کی جانب آئی اور برش بالوں میں پھیرنے لگی۔ گیلی بالوں میں برش تیزی سے چل رہا تھا اور اس میں سے گرتیں پانی کی بوندیں صوفے پر لیٹے وجدان کو تنگ کرنے لگیں۔ وہ جھٹکے سے اٹھ بیٹھا اور پلٹ کر اسے دیکھنے لگا۔ اردگرد سے بے نیاز صالحہ بال سلجھانے میں مصروف تھی۔ اس نے گہری سانس لی اور تکیہ اٹھا کر صوفے کے دوسری سائیڈ پر رکھا اور لیٹ گیا۔ اوپر جلتے بلب نے اس کا سونا محال کردیا۔ وجدان کا دل چاہا پھوٹ پھوٹ کر رو دے۔ باخدا وہ اتنا بے بس زندگی میں پہلی بار ہوا تھا۔

"کیا کمرے کی لائٹ بند نہیں ہو سکتی؟"۔ گھٹی گھٹی آواز میں اس نے بمشکل صالحہ سے پوچھا۔ صالحہ نے اسے دیکھا اور نگاہیں جھکا لیں۔

"اب تو جاگنے کا وقت ہے۔۔۔"مدھم آواز میں اس نے وجدان کو دیکھے بغیر کہا۔

وجدان یہ سوچ کر تڑپ اٹھا کہ صبح چھ بجے کونسا جاگنے کا وقت ہوتا ہے؟۔

"یعنی؟"۔

"یعنی آپ اٹھ جائیں۔ میں نے ناشتہ بھی بنا دیا ہے۔۔۔"

وجدان نے گویا آنکھیں پھاڑیں۔ یہ اسے چھ بجے اٹھنے کا کہہ رہی تھی؟۔ اور ناشتہ کون بناتا اتنی صبح؟۔ وہ حیرانی سے سر پکڑ کر بیٹھ گیا۔ اف کیا لڑکی تھی۔ بلآخر آنکھیں مسلتا اٹھ کھڑا ہوا۔ نیند سے آنکھیں بار بار بند ہو رہی تھیں۔ اپنے آپ کو گھسیٹتا ادھ کھلی آنکھوں سے واش روم کی جانب وہ قدم بڑھا رہا تھا۔ اسے سامنے بال بناتی صالحہ نظر نہ آئی اور وہ نیند میں ہی اس کے پیر پر چڑھ گیا۔ صالحہ کی تکلیف سے ہلکی چیخ نکلی اور آنکھیں گیلی ہو گئیں۔

"سس۔ سوری۔۔ وہ نن۔ نیند میں تھا میں"۔ ہڑبڑا کر اس سے دور ہوا تھا اور معذرت کی تھی۔ صالحہ نے اثبات میں سر ہلا کر تکلیف سے پاؤں سیدھا کیا۔ وجدان کو اس کے لیے برا لگا۔ اس نے وارڈروب سے کپڑے نکالے اور فریش ہو آیا۔ منہ پر پانی مارا تھا تو ہی اسے اپنی کی گئی حرکت سمجھ آئی تھی اس لیے بھاگا بھاگا باہر آیا اور بستر پر بیٹھی اپنا پاؤں تکلیف سے دیکھتی صالحہ کو دیکھنے لگا۔

"بہت زور سے تو نہیں لگی؟"۔ وجدان نے زمین پر گھٹنوں کے بل بیٹھتے ہوئے اس کا پاؤں پکڑتے ہوئے پوچھا۔ صالحہ نے اسے دیکھا جو اس کے پاؤں کو دیکھ رہا تھا اور ایک گھوری سے نوازا۔ اس کا دل چاہا اسے کچا چبا جائے جو اپنا پورا وزن لے کر اس کے پاؤں پر

چڑھ گیا تھا اور اب پوچھ رہا تھا کہ بہت زور سے تو نہیں لگی؟۔ وجدان نے اس کا جواب نہ پا کر نظریں اٹھائیں تو صالحہ نے نظریں جھکا لیں۔ اس نے دل ہی دل میں سوچا کہ وہ اپنی آنکھوں کو اس کے دیکھنے پر جھکا کیوں لیتی ہے۔

"جواب نہیں مل پایا مجھے"۔ لہجہ قدرے ٹھہرا ہوا تھا۔ وجدان نے اس کا پیر ہلکا سا موڑا جس سے صالحہ کو تکلیف ہوئی اور اس نے اپنے ناخن اس کی گردن پر بیچ کر گڑا دیے۔ وہ اس ظلم پر درد کے باعث پوری قوت سے چیخ اٹھا۔ صالحہ سہم کر پیچھے ہوئی اور بستر کی پشت سے لگ گئی۔ اپنی گردن کو تکلیف کے باعث وہ تیزی سے مسل رہا تھا۔ اس کا وہ حصہ لال ہو چکا جہاں صالحہ نے ناخن گڑائے تھے۔ لگتا تھا آج کا دن ہی برا تھا۔

"معافی چاہتی ہوں۔ آپ نے میرا پاؤں موڑا تو تکلیف سے مجھے کچھ سمجھ ہی نہ آیا اور۔۔۔"اس نے خوف سے بات ہی ادھوری چھوڑ دی۔ وجدان نے ڈری سہمی صالحہ کو دیکھا تو موم ہو گیا۔

"نہیں کوئی بات نہیں۔ میں بھی تو آپ کے پاؤں پر چڑھ گیا تھا"۔ وہ بے چارگی سے کہتا اس کا پاؤں دیکھنے لگا۔

"میرا پاؤں مت موڑیے گا"۔ صالحہ نے جلدی سے کہا۔ وجدان نے سر جھٹکا۔

"ہاں اب تو غلطی سے بھی نہیں موڑوں گا۔۔۔ میرے باپ ہی توبہ جو اب ایسی کوئی حرکت کی"۔ لاحولا کا ورد کرتا وہ اس کا پاؤں چیک کرنے لگا۔

"تکلیف کم ہوگئی ہے"۔ صالحہ نے مدھم آواز میں بتایا اور پاؤں پیچھے کرنے لگی۔

"ہاں اب تو کم ہی ہونی ہے"۔ وہ خود سے کہتا اپنی گردن پر ہاتھ رکھتا اٹھ کھڑا ہوا۔ "چلیں یہ تو اچھا ہوا"۔

صالحہ نے نگاہیں جھکالیں۔

"ناشتہ بن گیا کیا؟"۔ سنگھار میز کے آئینے میں خود کو بے بسی دیکھتے ہوئے وہ بہت آہستگی سے پوچھ رہا تھا۔

"جی"۔ وہ بستر سے اٹھ کر چپل پہنتی نیچے چلی گئی۔ اب نہ تو وہ کسی فیری ٹیل کی شہزادی تھی جو اتنی سی تکلیف پر رو رو کر اپنے شہزادے کو ہلکان کر دیتی اور شہزادے اس کے پاؤں میں مرہم لگا کر ایک ہفتہ اسے بستر سے نہ اتارتا اور نہ وجدان کسی اپنی ریاست کا شہزادہ تھا جس کی گردن پر خروچ آنے پر شہزادی روتے ہوئے اسے مرہم لگاتی۔

دونوں ہی اپنی تکلیف اور زخم کو یکدم بھول گئے تھے۔

---★★---

حسبِ معمول سب ہی عورتیں چھ بجے کے درمیان لاؤنج میں بیٹھی تھیں۔ کچھ تسبیح پڑھ رہی تھیں کچھ چائے پی رہی تھیں۔

"یہ لیں تائی"۔ رفاہ نے آگے بڑھا کر سمیعہ کو پیالی دی جسے انہوں نے پھیکا سا مسکرا کر تھام لی۔ انہیں افسوس تھا اپنے ہر اٹھائے گئے قدم پر۔۔۔

"میں نے کل قرآن پڑھا"۔ کچھ دیر خاموشی کے بعد طلعت نے شمیلہ کو دیکھ کر بتایا۔ چہرے پر مبہم سی مسکراہٹ تھی۔ شمیلہ کی آنکھوں سے خوشی چھلکنے لگی۔

"اور جب میں نے اللہ کا کلام کھولا اور پڑھنا چاہا تو مجھے یاد آیا کہ آخری بار قرآن میں نے انیس سال کی عمر میں پڑھا تھا۔ لفظوں کو پڑھنے کی کوشش کرنے لگی مگر۔۔۔ مگر ادا نہ ہو پائے۔ ایسی صورت میں سوائے اس کے کہ میں کلام پاک بھول چکی ہوں اور کچھ نہ یاد آیا۔ میں نے ترجمہ پڑھا شمیلہ اور۔۔۔بس۔۔۔ پڑھتی ہی چلی گئی۔ ہم دین سے کتنا دور ہوئے بیٹھے ہیں اندازہ ہو گیا ہے آج!"۔ انہوں نے اپنا سر پکڑا تھا۔ شمیلہ نے انہیں دکھ سے دیکھا۔

"تم تو اللہ سے بہت قریب ہو نا شمیلہ؟۔ تم مجھے سکھاؤ گی عربی؟"۔ انہوں نے بہت امید سے شمیلہ کی جانب دیکھا جنھوں نے اثبات میں مسکرا کر سر ہلایا تھا۔

"آپ لوگ جاگ گئے؟"۔ وجیہہ مسکرا کر رفاہ کے برابر میں بیٹھی تو سمیعہ نے اثبات میں سر ہلایا۔

"تم کب اٹھی؟"۔

"ابھی کچھ وقت ہی ہوا ہے تائی"۔ وہ ہر وقت لبوں پر مسکراہٹ سجائے رکھتی تھی۔

"اور حیدر؟"۔ طلعت نے تسبیح گھماتے ہوئے پوچھا۔

"آتے ہی ہوں گے"۔

رفاہ نے وجیہہ کو چائے پکڑائی۔

"آج میں بہت خوش ہوں"۔ طلعت کو کچھ یاد آیا تو وہ بول پڑیں۔

"کیوں بھئی؟"۔ شمیلہ نے الجھ کر پوچھا۔

"یاد نہیں؟ صالحہ کو آج استانی کا شرف حاصل ہونے والا ہے"۔ ان کی یاددہانی پر سب نے ہاں میں ہاں ملائی۔

"ارے میں کیسے بھول سکتی ہوں؟"۔ شمیلہ نے ماتھے پر ہاتھ مارا۔ وجیہہ مسکرائی۔ اسے اپنے بھائی پر ناز تھا۔۔۔ مگر کہیں نہ کہیں دل میں احساس شرمندگی بھی تھی کہ کیا پتا وہ یہ سب اپنا دل مار کر کر رہا ہو۔

"وجیہہ؟ تمہارے پاس موبائل ہے نا؟۔ تم بات کروا دینا ہماری صالحہ سے۔۔۔ مگر شام میں! کیونکہ وہ تو ابھی اسکول کے لیے نکلنے والی ہوگی۔۔۔"۔ سمیعہ تائی کی آنکھوں کی چمک واضح تھی۔

"جی تائی کیوں نہیں"۔ وجیہہ عاجزی سے بولی۔

"وہ کہہ رہی تھی کہ وہ کسی لال عمارت والے اسکول کی استانی بننے جا رہی ہے۔ کہنے لگی اماں وہ عمارت شہر کے سب سے بڑی اسکول کی عمارت ہے اور بہت خوبصورت ہے"۔ طلعت بہت ذوق سے بتا رہی تھیں۔ "اس نے بتایا تھا کہ حیدر کے ساتھ جب وہ شہر گئی تھی تب وہ عمارت دیکھی تھی۔ مجھے بہت خوشی ہے کہ وجدان ہماری امیدوں سے بھی اچھا نکلا ہے"۔ طلعت اپنی دھی کے لیے خوش تھیں۔ وجیہہ اپنی بھائی کی تعریف پر کھل کر مسکرائی۔ اسے یکدم وجدان کی یاد آئی تھی مگر یہ سوچ کر خود کو تسلی دی کہ اس ہفتے وہ اپنی یونیورسٹی کے سلسلے میں شہر جانے والی تھی۔ پیچھے سے لاؤنج میں آتے حیدر کی رنگت لال عمارت کا سن کر فق ہوگئی تھی۔ اسے صالحہ کا لال عمارت کو تکنا یاد آیا۔ وہ اپنے خوابوں کو آہستہ آہستہ پورا کر رہی تھی جیسے اس نے حیدر کی یونیورسٹی میں داخلے کے خواب کو پورا کیا تھا۔

"کیا وہ لال عمارت والے اسکول میں استانی بن رہی ہے؟"۔ اس کی آنکھوں میں خوشی کے ساتھ ساتھ حیرت بھی تھی۔

"ہاں تم نے تو دیکھا ہوگا"۔ سمیعہ نے ٹرے میں سے بسکٹ اٹھا کر منہ میں ڈالا۔

"ہاں وہ اسکول وجیہہ کے گھر کے پیچھے ہی تو ہے۔ بہت بڑا اسکول ہے اور سامنے سے دیکھنے میں تو گویا ایسا ہے کہ کسی اسکول ختم کیے بچے کو بھی واپس اسکول میں داخلہ لینے کا دل چاہے گا"۔ وہ پوری آنکھیں کھولے گویا جیسے راز کی بات بتا رہا تھا۔ "مجھے واقعی بہت زیادہ خوشی ہے"۔ حیدر نے وجیہہ کے پیچھے صوفے کی پشت پر ہاتھ پھیلائے۔

"ہائے اللہ میری دھی جیسی زندگی گزارنا چاہتی تھی ویسے ہی گزار رہی ہے۔ وجیہہ تیرا بھائی بہت اچھا ہے۔۔۔ بھلا ایسا کون کرتا ہے؟۔ شکر ہے وہ حویلی سے نکل گئی۔۔۔ اگر مجھے پتا ہوتا نا تو اسے مسکراتے ہوئے رخصت کرتی کیونکہ مجھے علم ہوتا کہ اس کی بعد کی زندگی پہلی والی زندگی سے لاکھ درجے بہتر ہے"۔ طلعت کا ہاتھ بار بار دعا کو اٹھ رہا تھا۔ "اللہ اسے سدا سہاگن رکھے۔۔۔"۔ انہوں دعا مانگ کر دونوں ہاتھ چہرے پر پھیرے تو سب نے گا ہے بگا ہے دلوں میں آمین کہا تھا۔

۔۔۔★★۔۔۔

"یہ انڈہ تو ٹھنڈا ہوگیا ہے؟"۔ اس بات سے انجان کہ وہ سن چکی ہے وہ خود پر بڑبڑایا تھا۔

"آپ کا انڈہ تل دیتی ہوں"۔ صالحہ نے دھیمی آواز میں کہا اور کچن میں پلٹنے لگی۔ وجدان کو بے جا شرمندگی محسوس ہوئی۔ وہ سوچنے لگا کہ اس نے اتنی صبح کچن میں کھڑے ہو کر محنت سے ناشتہ بنایا ہے اور وہ یوں ہی بڑبڑا اٹھا۔

"نن۔ نہیں میں یہ ہی کھا لیتا ہوں"۔ وہ جھینپ کر کہتا ہوا پراٹھے کا ٹکڑا توڑنے لگا۔

"مگر یہ انڈہ آپ کا تو نہیں"۔ صالحہ نے آج اسے شرمندہ کرنے کی گویا قسم کھائی ہوئی تھی۔ وجدان نے حیرت سے پلٹ کر اسے دیکھا تو صالحہ نے نگاہیں جھکا لیں۔

"تو یہ کس کا ہے؟"۔ وہ ہر ممکنا کوشش کر رہا تھا کہ اس بار اسے شرمندگی نہ اٹھانے پڑے۔

"یہ تو میرا ہے۔۔ میں انڈہ ٹھنڈا کر کے کھاتی ہوں اس لیے پہلے ہی اپنا تل لیا"۔ صالحہ نے اطلاع دی۔ وجدان ایک بار پھر بے جا شرمندہ ہوا۔ اب کی بار اس کا چہرہ سرخ ہو چکا تھا۔

"میں آپ کے اٹھنے کا انتظار کر رہی تھی تاکہ انڈہ تل سکوں"۔ وہ کہتی کچن میں چلی گئی جہاں اس نے پہلے ہی فرائی پین گرم کرنے رکھا ہوا تھا۔ وہاں انڈہ تلا جا رہا تھا اور یہاں وجدان کا دل۔۔۔

www.urdunovelsmania.com

"ایک تو اتنی صبح چھ بجے اٹھا دیا اس پر سے اتنا شرمندہ کروادیا"۔ وہ دونوں ہاتھوں کو چہرے پر رکھ کر رہ رہ کے خود کو بھی کوس رہا تھا۔

"یہ لیں"۔ صالحہ نے پلیٹ اس کے آگے رکھی اور سامنے والی کرسی کو پیچھے کر کے بیٹھ گئی۔ وجدان کی نگاہ اس پر پڑی تو اس کے گیلے بال دیکھ کر رک گیا۔

"آپ نے شاور لیا ہے؟"۔ اس نے اب نوٹس کیا تھا۔

"جی"۔ صالحہ جھکی نگاہیں اٹھا کر بولی۔

"پانی تو ٹھنڈا تھا؟"۔ وہ اسے ماتھے پر بل ڈالے غور سے دیکھ رہا تھا۔

"جی میں نے ٹھنڈے پانی سے ہی شاور لے لیا تھا"۔ اس نے کہتے ہوئے لقمہ منہ میں ڈالا۔

"اتنی سخت سردی میں آپ ٹھنڈے پانی سے نہائیں؟"۔ اس کا لہجہ سخت نہ تھا مگر وہ پریشان ہو گیا تھا۔ صالحہ کا دل زور سے دھڑکا۔

"جج۔ جی"۔

"کیوں؟ اتنی صبح سخت سردی میں بال واش کیے ہیں آپ نے اور پھر پورے گھر میں بنا بال سکھائے آرام سے گھوم رہی ہیں۔ کیا بیماری کو دعوت دینے کا ارادہ ہے؟"۔ اس

کے تیور نا چاہتے ہوئے بھی چڑھ گئے تھے۔ صالحہ کی جیسے سانسیں رک گئی ہوں۔ اس کی پلکیں تک کانپ رہی تھیں۔

"بال سکھائیے جا کر"۔ آواز میں اب سختی نہ تھی۔ ہاں مگر یہ حکم تھا جسے صالحہ سن کر گڑبڑا گئی تھی۔

"میں نے تولیہ سے بال جھٹکے ہیں"۔ اس نے صفائی پیش کی۔

"ہیئر ڈرائیر کا استعمال کریں"۔ وہ چھوٹے چھوٹے لقمے لیتا ہوا بولا۔ صالحہ نے نا سمجھنے والے تاثرات سے اسے دیکھا۔ وہ پانی حلق میں اتارتا رک گیا۔

"ہم نے کل ایک مشین خریدی تھی بالوں کے لیے"۔ اس نے صالحہ کو یاد دلانا چاہا مگر وہ ویسے ہی الجھی نظروں سے اسے دیکھ رہی تھی۔ وہ اب بھی نہ سمجھی تھی۔ وجدان اٹھ کر اس کے قریب آیا۔

"آئیں میرے ساتھ اوپر"۔ ہاتھ کے اشارے سے پیچھے آنے کا کہتا زینوں کی جانب بڑھ گیا۔ وہ ناشتے کو پلیٹ سے ڈھانپتی اس کے پیچھے پیچھے بڑھنے لگی۔ وجدان نے وارڈروب میں سے ہیئر ڈرائیر نکالا اور سوئچ بورڈ پر لگا کر بٹن دبایا۔ ایک آواز کے ساتھ گرم ہوا اس میں سے نکلی جو صالحہ کو یکدم ڈرا گئی۔ اس کے تاثرات بہت عجیب سے تھے۔ اسے وجدان کی ذہنی حالت پر شک ہوا۔۔۔ بھلا ایسی مشین اس کے بالوں کو جلد کیسے سکھا سکتی ہے؟۔

"ادھر آئیے صالحہ"۔ اس نے مشین سیٹ کرتے ہوئے صالحہ کو پکارا تو سہمتے ڈرتے وہ اس کے قریب آئی۔ وجدان نے اس کے سر سے ڈوپٹہ گرایا۔ اس کی اس حرکت پر صالحہ نے زور سے آنکھیں میچ لیں۔ اسے اندیشہ تھا کہ کہیں وجدان اس کے لمبے گھنے بال نہ کاٹ دے۔ وجدان نے ڈرائیر اس کے بالوں کی سمت کیا اور ساتھ ساتھ اس کے بالوں کو بھی ہاتھ سے ہلانے لگا۔ بال اس قدر گھنے تھے کہ وجدان کے قابو میں نہیں آرہے تھے۔ وہ بمشکل انہیں قابو کرتا بال ڈرائے کرنے لگا۔ صالحہ دل میں ورد کرتی دعا کررہی تھی کہ وہ اس کے بال نہ کاٹ دے۔

"یہ بال۔۔۔"وہ گویا اس کے بالوں کو دیکھ کر حیران تھا۔ بال اتنے گھنے اور خوبصورت تھے کہ ان پر سے نگاہ ہٹانا اس کے لیے محال ہورہا تھا۔

"بہت خوبصورت ہیں آپ کے بال"۔ وہ انہیں دیکھنے میں محو سے محو تر ہونے لگا۔

"کیا ڈرائی ہوگئے ہیں بال؟"۔ وہ ڈرتے ڈرتے پوچھنے لگی۔ وجدان کے دیکھنے کا تسلسل ٹوٹا اور تیزی سے اثبات سر ہلانے لگا۔

"ہاں بال گھنے ہیں تو وقت لگا تھوڑا"۔ وہ دور ہٹ کر تار لپیٹنے لگا۔ صالحہ نے سر پر ڈوپٹہ پہن لیا۔ گھڑی پر نظر پڑی تو سات بج رہے تھے۔

"میں تیار ہونے جا رہی ہوں۔ آپ اپنا ناشتہ مکمل کر لیں جب تک"۔ وہ وارڈروب کی جانب بھاگی۔

وجدان نے وقت دیکھا تو گہری سانس لے کر رہ گیا۔

"ابھی وقت ہے صالحہ۔۔۔ ناشتہ کر لیں آپ"۔ وہ اس کے پیچھے سے ہی وارڈروب میں مشین رکھتا دور ہوا۔

"میں اسکول میں کر لوں گی"۔ وہ ہڑبڑی میں کہتی جلدی سے اپنے وہ کپڑے نکالنے لگی جو وجدان نے اسے کل دلائے تھے۔

"مجھے لگا تھا آپ اچھی لڑکی ہوں گی"۔ وہ بے چارگی سے سر ہلاتا مڑنے لگا۔ اس کے جملے پر وہ تڑپ کر رہ گئی۔

"میں اچھی لڑکی ہوں"۔ وہ جیسے اسے یقین دلا رہی تھی۔ وجدان پلٹا اور اس کی پریشان کنچی آنکھوں میں دیکھنے لگا۔

"دسترخوان بھرا ہوا تھا اس لیے آپ لاپرواہی میں ناشتہ چھوڑ رہی ہیں۔ اگر میز ہر لوازمات سے خالی ہوتی تو آپ رزق کا ایک ذرہ بھی ضائع نہ کرتیں"۔ وہ بات بہت گہری کر گیا تھا۔

"مطلب؟"۔ وہ سمجھ نہ سکی۔

"مطلب یہ کہ اللہ کا دیا رزق چھوڑ کر جا رہی ہیں۔ رزق کو انتظار کروانا بھی منع ہے۔ ہم مجبوری میں اوپر آئے تھے"۔ وہ جیسے بچوں کی طرح اسے سمجھا رہا تھا۔

"ہاں آپ ٹھیک کہہ رہے ہیں۔ اسی رزق کے لیے تو آپ اتنی محنت کرتے ہیں"۔ وہ جلد ہی بات کو سمجھ گئی تھی اور اب اپنے آپ کو کوس رہی تھی۔ "پھر مجھے جلدی کھانا کھا لینا چاہئیے کیونکہ وقت کم رہ گیا ہے"۔ وہ کہتی دروازے کی جانب بڑھ گئی اور وجدان پیچھے مسکراہٹ چھپاتا رہ گیا۔ وہ بھولی اور معصوم ضرور تھی مگر کم عقل اور بے وقوف نہیں۔۔۔

---★★---

سورج آہستہ آہستہ طلوع ہو رہا تھا۔ ہوائیں خنکی تھی اور مزاجوں میں بہار۔۔۔!

بارش کی برستی بوندوں نے

جب دستک دی دروازے پر

محسوس ہوا تم آئے ہو

انداز تمہارے جیسا تھا

ہوا کی ہلکی جھونکے کی

جب آہٹ پائی کھڑکی پر

محسوس ہوا تم گزرے ہو

احساس تمہارے جیسا تھا

گنگناہٹ کی آواز پر وہ سجدے میں موندی آنکھیں بے اختیار کھلیں۔ جائے نماز پر گھنٹے سے سجدہ کیا وجود ایک دم اٹھ بیٹھا۔ جیسے وہ روز کی طرح اسی گنگناہٹ کا انتظار کر رہا ہو۔ پودوں کو پانی ڈالتے شاہ جی جانتے تھے کہ وہ ان کی آواز سننے کھڑکی کی جانب ضرور آئے گی۔

افشاں نے کھڑکی کھولی اور چہرہ پلو میں چھپا لیا۔

میں نے گرتی بوندوں کو

روکنا چاہا ہاتھوں پر

ایک سرد سا پھر احساس ہوا

وہ احساس تمہارے جیسا تھا

وہ گنگنانے میں اتنا محو تھے جتنا افشاں انہیں سننے میں تھی۔ ان کی پشت کو اپنی کنچی آنکھوں سے تکتی ان کے لفظوں پر غور کرتی رہی۔

تنہا میں چلا پھر بارش میں

تب ایک جھونکے نے ساتھ دیا

میں سمجھا تم ہو ساتھ میرے

وہ ساتھ تمہارے جیسا تھا

پھر رک گئی وہ بارش بھی

رہی نہ باقی آہٹ بھی

میں سمجھا مجھے تم چھوڑ گئے

انداز تمہارے جیسا تھا

گنگناہٹ ختم ہونے پر جیسے شاہ جی نے پلٹ کر کھڑکی کی جانب دیکھا تو کالی چادر سے مکمل چہرے کو ڈھانپے اس وجود کی کنجی آنکھیں ہی تو قیامت تھیں۔ وہ دونوں اب کی بار بھی ساکت رہ گئے تھے۔ بلاشبہ وہ دونوں ایک خوبصورت مرد اور عورت تھے مگر وقت نے چہرہ جھریاں زدہ کر دیا تھا۔ دل میں وہ ہی ایک دوسرے کو پا لینے کی تڑپ۔۔۔ مگر اب شاہ جی کے دل میں یہ تڑپ بڑھ گئی تھی۔ ان سے اب مزید برداشت نہیں ہو رہا تھا۔ محبوب کو اپنے سامنے دیکھنے کے بعد نظریں پھیر کر اندر چلے جانا یہ کہاں محبت اصول تھا؟ ہاں مگر یہ انداز انہیں نبھانا تھا۔ کم از کم جب تک وہ ان کی نامحرم تھیں۔ نا چاہتے ہوئے انہوں نے نگاہیں نیچی کیں اور کنستر اٹھاتے اندر کی جانب بڑھ گئے۔

---★★---

"بس یہیں روک دیں آپ! میں چلی جاؤں گی اندر تک"۔ وجدان نے گاڑی اسکول کے سامنے روکی تھی۔

"بہتر"۔ مختصر سا جواب دینے کے بعد وہ اسے دیکھنے لگا۔ صالحہ نے اپنا بیگ پکڑا اور چادر سنبھالتی باہر نکلنے لگی۔ وہ انتظار کرتا رہا وہ کب اس کی آنکھوں میں دیکھے گی اور وہ کب اس کی کنچی آنکھیں دل میں اتارے گا۔ مگر ایسا نہیں ہوا۔ وہ فائلز پکڑتی گاڑی سے اترنے ہی لگی تھی کہ وجدان سے رہا نہ گیا اور وہ اسے پکار بیٹھا۔

"سنیں صالحہ"۔ اس کی آواز پر اترتی صالحہ نے مڑ کر اسے دیکھا۔ وجدان نے تیزی سے اس کی کنچی آنکھیں دیکھیں۔

"جی؟"۔ صالحہ نے اس سے جواب نہ پایا تو حیا نے آلیا۔ وہ اس کی آنکھیں گویا اپنے دل اتار رہا تھا۔ جب لگا کہ اسے ابھی جی بھر کر دیکھ لیا تو چہرے پر مسکراہٹ پھیلا کر سامنے دیکھنے لگا۔

"نہیں کچھ نہیں"۔ مبہم سی مسکراہٹ چھپائے نہیں چھپ رہی تھی۔ صالحہ کو لگا وہ ہار گئی اور وہ پھر سے جیت گیا۔ وہ اس سے نظریں نہ ملاتی تو وہ اسے نہ دیکھ پاتا۔۔ وہ کامیاب ہو گیا اس کی کنچی آنکھوں کو دیکھنے میں!۔ اس کے گال دہکنے لگے۔ مگر اب وہ اسے جیتنے کی کوشش نہیں کرنے دے گی۔ وہ گاڑی سے چہرے پر مسکان لیے اتری اور چھوٹے

چھوٹے قدم بڑھاتے اندر بڑھ گئی۔ وجدان نے اسے گیٹ سے اندر جاتے دیکھا اور آنکھوں پر چشمہ لگا لیا۔ وہ جتنی نگاہیں چرائے گی وہ اتنی بار ایسے موقع پیدا کرے گا کہ اسے دیکھنا ہی پڑے گا۔ مسکراہٹ کے باعث اس کے دونوں گالوں کے ڈمپل گہرے ہو گئے تھے۔ اگر وہ اس کی آنکھوں پر جان دیتا تھا تو وہ اس کے ڈمپل کو تکتی رہتی تھی۔ وہ یہ بات جانتا تھا وہ اسے بہت غور سے دیکھتی ہے۔ خاص طور پر وہ جب سو رہا ہوتا۔ اپنی آنکھوں کا اسیر صالحہ نے اسے خود بنایا تھا۔ اب تو ہر بازی ہی وجدان کے نام کرنی تھی، مگر دل ایک دعا کثرت سے کر رہا تھا۔۔۔۔ کہ خدا بس کبھی برا وقت نہ لائے۔

۔۔۔★★۔۔۔

شمیلہ دروازہ بجا کر اندر داخل ہوئیں اور افشاں کے سامنے ناشتہ رکھا۔ افشاں جو کھڑکی کی جانب کھڑی تھی پلٹ کر انہیں دیکھنے لگی۔

"کیا دیکھ رہی ہو گڑیا؟"۔ آج شمیلہ نے اسے اس کے پرانے لقب سے پکارا تھا۔ افشاں نے سرعت سے اپنا چہرہ سنگھار میز کے آئینے پر دیکھا تھا۔ اب بھلا وہ کہاں گڑیا رہی تھی؟۔ گوری رنگت اور کنچی آنکھیں بھلا اب بھی خوبصورت ہوتی ہیں؟۔ جھریاں زدہ چہرہ اس کی عمر سے باخبر ضرور کر رہا تھا مگر اس کی خوبصورتی نہ چھین سکا۔ ہاں مگر وہ گڑیا نہیں رہی۔ شوخ چنچل، قہقہے، ہنسی، وہ پوری حویلی میں بھاگنا۔۔۔ ہر کام میں سب کا افشاں

پکارنا۔۔۔ سب ختم ہوگیا۔ اب تو ان گنت لوگوں کے سوا سب بھول گئے ہوں گے کہ افشاں اس حویلی میں ہی ہے۔ اس کے بھائیوں کو وہ یاد نہیں تھی جن بھائیوں سے خواہشوں کا اظہار کرتے کرتے نہ تھکتی تھی اور وہ پوری کرتے کرتے نہ تھکتے تھے۔۔۔

۔۔۔★★۔۔۔

زندگی میں وقت ایک سا نہیں رہتا۔ جہاں کل ذہن میں یہ خواب پورے نہ ہونے کی امید بڑھ گئی تھی وہاں نصیب نے کام دکھایا۔ اس لال عمارت کے اسٹاف روم میں بیٹھی صالحہ کبھی لال عمارت کو صرف اندر سے دیکھنے کی خواہش رکھتی تھی۔ وقت ایک سا نہیں رہتا۔ کبھی وہ تمنائیں جنہیں لاحاصل سمجھ کر وہ سوچا کرتی تھی آج اپنی خواہشوں کی پوری ہونے پر اللہ کا شکرادا کرتے کرتے نہ تھکتی تھی۔ ہاتھ میں اٹینڈینس رجسٹر تھا جس پر وہ اپنی جماعت کے بچوں کے نام درج کررہی تھی۔ اللہ نے اس کی قربانی رائیگاں نہیں جانے دی تھی۔ اسے ایسا شوہر ملا تھا جو اپنی عورت کو زندگی میں اپنے ساتھ دیکھنا چاہتا تھا۔ اس نے گاؤں میں ہمیشہ مردوں کو عورتوں پر وہ پابندیاں لگاتے دیکھا جو قرآن کے خلاف تھیں۔ حویلی کے مردوں کا موازنہ وہ وجدان سے کرنے کا سوچ بھی نہیں سکتی تھی۔ وہ بیوی تھی اس کی۔۔۔ اس کی ناموجودگی میں خود کو غیر محفوظ سمجھتی تھی۔ باہر کے دروازے کا لاک بار بار دیکھتی تھی اور جب وہ گھر میں موجود ہوتا تو وہ بھٹک کر بھی دروازے کی جانب نہ جاتی۔

لب اپنے خواب کے مکمل ہونے پر مسکرائے جا رہے تھے۔ آج وہ کلاس ٹیچر تھی اور گود میں رکھا رجسٹر اس بات کا گواہ تھا۔ ہرا رنگ کا گاؤن تھا جو وہ پہنی ہوئی تھی۔ یہ فی میل ٹیچرز کا اسٹاف روم تھا۔ سر پر سفید رنگ کا ڈوپٹہ پہنا ہوا تھا اور نیچے ہرا گاؤن بلکل اس کی چادر کی کثر پوری کر رہا تھا۔

"اسلام علیکم "۔ وہ اپنی ہی سوچوں میں گم تھی کہ کسی نے اسے سلام کیا۔ اس نے نگاہ اٹھا کر اوپر دیکھا تو کسی کی آنکھیں اس کی کنچی آنکھوں سے ٹکرائیں۔

"وعلیکم سلام "۔ اس کی عمر کی ہی کوئی لڑکی ٹیچر تھی۔ صالحہ مسکرائی۔

"آپ نئی استانی ہیں نا؟ "۔ وہ لڑکی بھی سر پر ڈوپٹہ لپیٹے ہوئی تھی۔

"جی "۔ اس نے نرمی اور مدھم لہجے میں مسکرا کر بتایا۔ وہ لڑکی اس کے برابر چئیر بیٹھ گئی۔ اسٹاف روم میں بیٹھیں تمام ٹیچرز اب اسے جاننے کی خواہش کرنے لگیں۔

"آپ کا نام کیا ہے؟ "۔ اس لڑکی نے اشتیاق سے پوچھا تو صالحہ نے چاروں طرف نگاہ ڈالی جہاں سب اسے دیکھ رہے تھے۔ یہاں بیٹھیں تمام ٹیچرز ہرا گاؤن پہنی ہوئی تھیں۔

"میرا نام صالحہ ہے۔ آپ کا نام؟ "۔ صالحہ نے مسکرا کر جواب دیا اور رجسٹر ایک ہاتھ سے بند کر دیا۔

"لیٹ می انٹروڈیوس مائی سیلف۔۔۔"۔ دور سے ایک لڑکی کھڑی ہوئی اور چلتے ہوئے درمیان میں آگئی۔

"میرا نام الماس ہے۔ میں آٹھویں جماعت کی کلاس ٹیچر ہوں۔ ایک بہت اچھی لڑکی ہوں جس کی ایک بیٹی ہے اور ایک عدد شوہر بھی"۔ وہ کوئی چوبیں پچیس سال کی لڑکی تھی جو اپنا انٹرو بہت خوشی سے دے رہی تھی۔ وہاں سب کے قہقے ساتھ گونج رہے تھے۔

"میری ایک عدد بیٹی اسی اسکول میں پڑھتی ہے۔ تم اسے مونٹیسری میں دیکھ سکتی ہو اور میرے شوہر کے قصے تو پورے اسکول میں مشہور ہیں"۔ اس کی بات پر صالحہ ہنس پڑی۔

اب باری باری سب اپنا اپنا انٹروڈکشن دینے لگے۔

اس کے برابر میں بیٹھی لڑکی نے اپنا نام عروج بتایا تھا۔

"ہم یہاں پر بلکل ایک فیملی کی طرح ہیں۔ روز گھر سے کوئی ایسی ڈش بنا کر لاتے ہیں جو سب کو پورا پڑ سکے اور پھر سب مل کر بھی کھاتے ہیں جیسے ابھی کھا رہے ہیں"۔ الماس نے ایک میز پر سجے سب کے ٹفن باکس کی جانب اشارہ کیا۔

"کیا تم لائی ہو لنچ؟ اگر نہیں لائی تو ہمیں جوائن کر سکتی ہو کیونکہ لنچ ٹائم کبھی بھی ختم ہونے والا ہے"۔ وہ بے تکلفی سے بولی۔

"نہیں نہیں میں لائی ہوں لنچ"۔ اس نے اپنے بیگ کو تھپتھپا کر بتایا۔

"اوہو پھر جلدی سے نکالو لنچ باکس"۔ اس کے یوں کہنے پر دوسری ٹیچرز نے اس کی ہمت کو داد دی۔

"نہیں نہیں صالحہ۔۔۔ تم مت نکالو۔ اور آؤ ہمارے ساتھ لنچ کرو"۔ عروج نے الماس کو آنکھیں دکھائیں۔

"ارے ارے مجھے اچھا لگے گا اگر کوئی میرا ہاتھ کا بنایا لنچ چکھے گا۔ ویسے بھی یہ میں نے بنایا ہے"۔ وہ خوش تھی اور جلدی جلدی لنچ نکال کر آگے بڑھانے لگی۔

"چھکیں گے نہیں بھئی۔۔۔ ہم تو کھائیں گے۔۔ آجاؤ تم بھی ہمیں جوائن کرو۔ ویسے بھی کارڈینیٹر نے تمہیں صبح سے کام میں پھنسایا ہوا ہے۔ لنچ ٹائم کے بعد تمہاری پہلی کلاس ہے نا؟ آجاؤ فریش ہوجاؤ"۔ الماس اس کے لنچ باکس پر نظر کیے بڑی والی میز تک لے آئی۔ صالحہ کو وہ اچھی لگی۔ ہر دکھ درد سے عاری چہرہ اور مہکتا مزاج تھا اس کا۔ سب نے ساتھ میں لنچ کیا۔ کوئی مٹھائی لایا تھا، تو کوئی آلو کے پراٹھے۔ بہت سے لوازمات کے ساتھ رکھا صالحہ کا لنچ باکس اب خالی ہوچکا تھا۔ وہ تمام ٹیچرز ہی بہت اچھی تھیں۔ کسی نہ کسی بات پر کوئی ہنسی مذاق شروع ہوجاتا۔ اچانک بیل بجی اور ان میں سے آدھے لوگ کلاس میں جانے کے لیے اٹھ کھڑے ہوئے تھے۔ صالحہ کو نویں جماعت کا راستہ نہیں معلوم تھا۔ وہ بوکھلائی ادھر سے ادھر پھرنے لگی تھی کہ اتنے میں پیچھے سے الماس نے اس کا ہاتھ پکڑا۔

"ارے صالحہ تمہیں چاہیئے تھا کہ مجھ سے پوچھ لو راستہ۔ میں بھی اپنی جماعت میں جا رہی ہوں۔ جس جماعت کی تم کلاس ٹیچر ہو اس کے برابر والی جماعت کی میں کلاس ٹیچر ہوں۔ لیکن اپنی کلاس میں صبح ہی پیریڈ لے چکی ہوں اور اب مجھے دسویں جانا ہے"۔ وہ اس کا ہاتھ تھامتی جلدی جلدی چلنے لگی اور صالحہ بوکھلائی اس کے پیچھے پیچھے۔ الماس نے اسے اس کی جماعت کے باہر چھوڑا اور ہاتھ ہلاتی بازو والی جماعت میں گھس گئی۔ صالحہ نے تھوک نگلا اور قدم اندر بڑھائے۔

---★★---

تقریباً گیارہ بجے کا وقت تھا جب زید نے اس کے آفس روم میں داخل ہو کر کارڈ وجدان کی جانب اچھالا تھا جسے وجدان نے جھٹکے سے پکڑا تھا۔

"کیا ہے یہ؟"۔ وجدان نے الجھی نگاہیں اس کارڈ پر ماریں۔

"تیرے بھائی کے ویاہ کا کارڈ ہے"۔ وہ کالر جھاڑتا ہوا چیئر پر بیٹھا۔

"تو کارڈ کیوں دیا؟۔ مجھے معلوم ہے تیری شادی پرسوں ہے۔ وقت بھی اتنی جلدی گزر گیا نا؟"۔ وہ پرانے دن یاد کر کے مسکرایا۔

"پہلی بات شادی کا کارڈ اپنی بھابھی کے لیے لایا ہوں"۔ اس نے بھنویں اچکا کر اسے دیکھا۔

"چلو ٹھیک ہے میں دیدوں گا اسے"۔ وجدان نے کچھ سوچ کر جلدی سے اس کارڈ کو اپنی دراز میں رکھنے لگا کہ زید نے جھپٹ کر پکڑا۔

"ایسے کیسے ؟۔ خود آؤں گا میں گھر بھابھی کو کارڈ دینے"۔ وہ اسے گھورتا ہوا بولا۔

"ارے ارے اس تکلف کی ضرورت نہیں میں کہہ دوں گا انہیں تم پریشان نہ ہو۔ شادی میں دو دن رہتے ہیں تم گھر میں رہ کر آرام کرو"۔ وہ تھوک نگل کر اس سے کارڈ لینے کی کوشش کر رہا تھا۔ زید نے اسے مشکوک نظروں سے دیکھا۔

"بھابھی کی کاسٹ بٹ ہیں نا؟"۔ اسے اب کوئی شرارت سوجی تھی۔ وجدان اسے اچھی طرح سے جانتا تھا۔

"وہ اب صالحہ وجدان ہے.بس تو اتنا ہی یاد رکھ سمجھا؟"۔ اسے گھورتے ہوئے کہا تھا۔

"وہ بٹ ہیں نا تو میں گھر میں داخل ہوتے ہیں بھابھی تھواڈے ویر دا ویاہ اے والا نعرہ لگادوں گا"۔

وجدان اس کی بات پر زور سے قہقہہ لگانے پر مجبور ہوا۔

"سدھر جا کل کو تیری بھی شادی ہے"۔ وجدان نے ہنستے ہوئے کہا۔

"ایکچوئلی پرسوں!"۔ وہ تصیح کرتے ہوئے بولا۔

"ہاں ہاں۔۔ خیر تو دیدے کارڈ مجھے میں دیدوں گا"۔

"کیوں بھائی؟ گھر آؤں گا میں۔۔۔ لیکن تو ٹینشن نہ لے۔۔۔ تیرے کرتوت نہیں کھولوں گا"۔

"اچھا ایک بات تو بتاؤ۔۔۔ کوئی اور تو نہیں آ رہا نا"۔ یہ بات پوچھتے ہوئے اس کا چہرہ عجیب ہوا تھا۔ زید چونکا۔

"کون؟"۔ اس کے ذو معنی لہجے کو سمجھنے کی کوشش کرنے لگا۔ وجدان نے گہری سانس لی۔

"شہوار"۔ نگاہیں بمشکل اس کی جانب اٹھی تھیں۔ زید نے گہری سانس لی۔

"اگر وہ آئی تو؟"۔ زید نے بھنویں اچکائیں۔

"اگر میں کسی کا شوہر نہ ہوتا تو ضرور آتا۔۔۔ مگر اب میں کسی کا ہو چکا ہوں۔ اور جس کا ہوں اس نے بھی خود کو نکاح کے تین بولوں سے میرے نام کر دیا ہے۔۔۔ میں زیادتی نہیں کر سکتا"۔ چہرہ مرجھایا ہوا نہیں تھا! زید کو حیرت ہوئی۔۔۔ وہ اب کی بار شہوار کا ذکر کرتے ہوئے مرجھایا نہیں تھا بس چپ ہو گیا تھا۔ صالحہ کا اثر واضح دکھ رہا تھا۔

"تجھے کیا لگتا ہے میں نے بلایا ہو گا؟"۔ ایک ہاتھ سے گاڑی کی چابی اچھال کر پکڑتے ہوئے وہ اس کا چہرہ بہت غور سے دیکھ رہا تھا۔ وجدان نے نفی میں سر ہلایا۔

"نہیں بلایا ہو گا"۔

"تو پھر؟۔ اور شہوار نہیں در شہوار بولو۔۔۔ بہت شوق ہو رہا ہے ہر ایرے غیرے کو اپنے انداز سے بلانے کا"۔ زید نے سر جھٹکا۔ وجدان ہنس پڑا۔

"ٹھیک ہے تو کارڈ دینے آجانا لیکن اگر میری زوجہ نے یہ کہا کہ "میرے ویاہ دا تحفہ کتھے اے" "تو مجھے کچھ نہ کہنا بھائی"۔ وہ گویا ہاتھ جھاڑ کر پیچھے ہوا تھا۔ زید کی رنگت فق ہوئی۔

"بھابھی کو میرا تحفہ نہ دینا یاد ہے؟"۔ وہ چونکا تھا۔

"یہ خبر تو نہیں مگر تمہاری منحوس شکل دیکھ کر انہیں تحفہ ہی یاد آنا ہے"۔ وہ اس کی گفتگو کو انجوائے کر رہا تھا۔

"کوئی بات نہیں یار۔۔۔ لے آؤں گا کچھ"۔ وہ لاحولا کا ورد کرتا اٹھ کھڑا ہوا۔

"چل پھر رات میں آتا ہوں"۔ وہ ہاتھ آگے بڑھاتا اس کے ہاتھ میں دیتا ہلانے لگا۔ "ابھی ویسے ہی بہت کام ہیں گھر پر"۔

وجدان نے ہنستے ہوئے سر ہاں میں ہلایا تو زید اس کی کمر پر تھپ سے مارتا باہر نکل گیا۔

وجدان ضبط کرتا رہ گیا۔ اس نے گھڑی دیکھی اور اٹھ کھڑا ہوا۔ صالحہ کو لینے وقت ہونے والا تھا۔

---★★---

زنجیر از عینا بیگ

قسط ۱۵

اس نے گاڑی اسکول کے گیٹ پر روکی اور ہارن بجایا۔ چوکیدار نے اسے دیکھ کر پوچھا تو اس نے "مس صالحہ کو بھجوادیں"۔ کہہ کر اسے بلانے کا کہا اور خود گاڑی میں بیٹھ کر انتظار کرنے لگا۔ تھوڑی دیر میں صالحہ کسی استانی کے ساتھ باہر آئی۔ اس نے دوسری لڑکی کو خدا حافظ کہا اور مسکراتی وجدان کی طرف بڑھی۔

"اسلام علیکم"۔ اس نے مسکراتے ہوئے گاڑی کا دروازہ بند کیا۔

"وعلیکم سلام۔ کیسا گزرا دن؟"۔

"بہت اچھا۔ پتا ہے سب مجھے مس صالحہ کہہ رہے تھے حتیٰ کہ دوسری ٹیچرز بھی"۔ وہ اتنی خوش تھی کہ آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر اپنی خوشی کا اظہار کر رہی تھی۔

"ظاہر ہے اب آپ ٹیچر ہیں"۔ وجدان ہنس دیا۔

"ہاں"۔ وہ اس کی بات کو محسوس کر کے دل سے مسکرائی۔ اچانک موبائل پر بپ ہوئی تو اس نے اپنا فون چیک کیا۔

"ابھی گھر جانا ہے یا پھر یونیورسٹی؟"۔ وجدان نے اسے موبائل میں غرق دیکھا تو خود کو پوچھنے سے روک نہ پایا۔

"یونیورسٹی جانا ہوگا۔۔ کلاس شروع ہونے والی ہے میسج آیا کلاس کے گروپ میں"۔

اس نے جھٹکے سے سر اٹھا کر اس کا جواب دیا۔

"اور پھر دوپہر کا کھانا رہ جائے گا آپ کا؟"۔ اس نے بھنویں اٹھا کر پوچھا۔ صالحہ کی پل بھر میں رونے والی حالت ہوئی۔

"میں دوپہر کا کھانا بنا کر آنا بھول گئی۔۔۔ مجھے لگا تھا آج کلاس نہیں ہوگی مگر گروپ پر گیارہ بجے کا میسج آیا ہوا ہے جو کہ میں نے اب دیکھا"۔ وہ روہانسی ہوئی۔ وہ اپنے بستے میں یونیورسٹی کی کتابیں ساتھ رکھتی تھی۔

"کوئی بات نہیں! میں آپ کو راستے میں سے کچھ دلا دیتا ہوں۔۔۔"۔ اس نے گاڑی کی رفتار تھوڑی آہستہ کی۔

"مجھے بھوک نہیں ہے۔۔ میں آپ کی بات کر رہی ہوں۔ آپ کیا کھائیں گے دوپہر میں"۔

وہ پریشان نظروں سے اپنی انگلیوں کو دیکھتے ہوئے پوچھ رہی تھی۔ وجدان نے گردن پھیر کر اسے دیکھا جو اس کے لیے پریشان ہو رہی تھی۔

"آپ پریشان ہو رہی ہیں؟"۔ اس کے لبوں پر مبہم سی مسکراہٹ پھیلی۔ صالحہ نے نگاہیں اٹھائیں اور اسے دیکھ کر پھر جھکا لیں۔

"آپ کو بھوک لگی ہوگی"۔ اسے محسوس ہوا جیسے وہ مسکرایا ہو۔

"خیر تو بھوک تو لگی ہے لیکن میں گھر جا کر سینڈوچ کھا لوں گا۔ ابھی آپ کی کلاس شروع ہونے والی ہے"۔ اس نے بیک مرر دیکھتے ہوئے گاڑی سیدھے راستے موڑی۔ صالحہ خاموش ہو گئی۔ اس نے گاڑی کا شیشہ نیچے کیا اور باہر کے منظر سے لطف اندوز ہونے لگی۔

وجدان نے گاڑی یونیورسٹی کے آگے روکی۔

"آپ کی کلاس کب آف ہو گی؟"۔ وہ اپنا ہرا گاؤن اتار رہی تھی کہ وجدان نے اس سے پوچھا۔

"پانچ بجے تک"۔ اس نے گاؤن تہہ کیا اور بیگ میں رکھنے لگی۔ وہ بستہ پہلے ہی کتابوں اور فائلوں سے بھرا ہوا تھا۔ وجدان نے ہرے گاؤن پر ہاتھ جمایا اور اسے اٹھا کر پیچھے والی سیٹ پر رکھ دیا۔

"مس صالحہ آپ کا بستہ ہرا گاؤن برداشت نہیں کر سکتا اس لیے اسے یہیں رہنے دیں"۔ شریر انداز میں کہتے ہوئے وہ اس کی آنکھوں میں جھانکنے کی کوشش کرنے لگا۔ مگر صالحہ نے سوچا تھا کہ وہ اسے یہ موقع نہیں دے گی۔ چہرے پر ہلکا تبسم پھیلا۔

"آپ کی بس کب تک آئے گی؟"۔ وجدان نے وقت دیکھا۔

"وہ پانچ بجے تک آجائے گی۔۔۔"

"مجھ سے رابطے میں رہیے گا۔ موبائل آن رکھیے گا اور ضرورت پڑنے ہر بلا جھجک کال کرے گا۔ بس نہ آئے تو پریشان مت ہوئے گا بلکہ مجھے اطلاع دے گا اور بس آجائے تو میسج کر کے ضرور آگاہ کریے گا"۔ وہ اسے تاکید کر رہا تھا اور وہ چوں کی طرح اس کی باتیں نگاہیں نیچے کیے سن رہی تھی۔

"جی ضرور"۔ اس نے اثبات میں سر ہلایا۔

"میں تقریباً چھ بجے تک آفس سے گھر کے لیے نکل جاؤں گا"۔ وجدان نے جیب سے چابی نکالی اور اس کی جانب بڑھائی۔ یہ چابی اس نے کچھ دن پہلے ہی صالحہ کے لیے بنوائی تھی۔ "گھر میں داخل ہو جائیں تو بھی میسج کر کے اطلاع دیجیے گا۔ دروازہ اچھے طریقے سے لاک رکھے گا"۔ وہ اسے سنجیدگی سے سمجھا رہا تھا اور وہ بار بار ہاں میں سر ہلا رہی تھی۔

"جاؤں میں؟"۔ اسے خاموش ہوتے دیکھا تو پوچھ بیٹھی۔ وجدان نے اس کے معصوم چہرے کو ایک نظر دیکھا اور اثبات میں سر ہلا دیا۔ وہ گاڑی سے اتر کر چادر لپیٹتی اور بیگ تھامتی اندر چلی گئی۔ وہ جب تک اس کی نگاہوں سے اوجھل نہ ہوئی وہ اسے دیکھتا رہا۔ جب محسوس ہوا کہ وہ جا چکی ہے تو اس نے گاڑی میں چابی گھمائی۔ اب اسے گاڑی گھر کی جانب موڑنی تھی۔

---★★---

وہ گھر پہنچ کر فریج کنگھالنے لگا مگر اسے بریڈ نہ ملی۔ بھوک کی شدت سے اب پیٹ آوازیں دے رہا تھا۔ صبح چھ بجے کا کیا ناشتہ صبح ہی ہضم ہو گیا تھا۔ کباب تلتے ہوئے تیل کے ہلکے ہلکے چھینٹے اچھل کر اسے تڑپانے کا کام کر رہے تھے۔ اس نے ہاٹ پاٹ کنگھالا تو وہ خالی تھا۔ اب وہ کوئی ایسی چیز تلاش کر رہا تھا جس کے ساتھ کباب کو کھا سکے۔ اسے جلد سے جلد آفس پہنچنا تھا۔ تمام کوششیں بیکار گئیں تو وہ دو سکے ہوئے کباب جو فریج میں رکھے تھے اور اب فرائینگ پین میں قریب جلنے والے تھے انہیں نکال کر اخبار میں لپیٹتا گھر لاک کرتا گاڑی میں بیٹھ گیا۔ گاڑی اسٹارٹ کی اور سڑک پر لے آیا۔ اب وہ ساتھ ساتھ برابر والی سیٹ پر رکھے کباب بھی وقفے وقفے سے کھا رہا تھا۔ بھوک ناقابلِ برداشت ہو رہی تھی ورنہ وہ آفس پہنچ کر ہی پیٹ بھرتا۔ وہ کباب بھی بقول اس کے خیال کے بہت جلدی ختم ہو گئے تھے۔ بھوک اب بھی بے حد لگی تھی مگر اب رات کا انتظار کرنا تھا۔ خالی اخبار فولڈ کرتا وہ آفس کے سامنے گاڑی روک کر اترا۔ بڑھ کر گارڈ کو چابی دی تاکہ وہ گاڑی پارک کر سکے اور عمارت میں داخل ہو گیا۔ اب وہ آفس میں ہی کچھ منگوا کر کھانے والا تھا۔۔۔

---★★---

"تم کہاں جا رہے ہو؟"۔ وہ کمرے میں داخل ہوئی تھی اور اب حیدر کو تیار ہوتا دیکھ رہی تھی۔

"زینوں پر"۔ اس نے کالا واسٹ کوٹ پہنا ہوا تھا۔

"اور کب لوٹو گے؟"۔ اس کے قریب آکر اس کے کندھے کو نرمی سے جھاڑتے ہوئے پوچھنے لگی۔ حیدر نے اس کی طرف رخ موڑا۔

"تم جب کہو گی"۔ ہاتھوں کی انگلیوں سے جیا کے چہرے پر آئے بال پیچھے کرتا ہوا وہ مسکرا کر بولا۔

وجیہہ کے چہرے پر تبسم پھیلا۔

"شام سے پہلے پہلے"۔ وہ جھٹ سے بولی۔

حیدر نے ٹھہر کر اسے دیکھا۔

"میرا وعدہ رہا"۔ کہتا ساتھ اس کے گال چھوتا سنگھار میز سے اپنا موبائل اٹھانے بڑھا۔

"ہم شہر کب جائیں گے؟"۔ وجیہہ کے چہرے کے تاثرات بتا رہے تھے کہ وہ شہر جانے کا کتنی شدت سے انتظار کر رہی ہے۔ اس کے سوال پر وہ خود کو رک کر آئینے میں دیکھنے لگا۔

"اسی ہفتے جائیں گے تم پریشان مت ہو"۔ اسی شہر میں کسی اپنے کا چہرہ یاد آیا تو دل بوجھل ہو گیا۔

"میں شرمندہ ہوں حیدر۔۔۔میں نے اپنے بھائی کا استعمال کیا تھا"۔ وہ دکھ سے ٹوٹ کر بولی۔ حیدر کا چہرہ اس کی جانب اٹھا۔

"اور میں نے اپنی پوری بہن قربان کر دی"۔ اس نے گہری سانس لی۔ "مگر وہ خوش ہے اس سے بڑی اور کیا بات ہو گی۔۔مجھے اور کیا چاہیے محض ایک معافی کے۔۔۔وہ میری ہے بہن ہے جیا۔ جن لڑکیوں کے اپنے بھائی ہوتے ہیں وہ لڑکیاں مشکل وقت اور پریشانی میں اپنے بھائیوں کو پکارتی ہیں۔۔۔مگر وہ تو مجھ سے خفا ہے۔ میں اس کی یہ ناراضگی بہت جلد مٹا دوں گا"۔ وہ پھیکا سا مسکراتے ہوئے باہر نکل گیا۔ وجیہہ نے اپنی گیلی آنکھیں رگڑیں اور چہرے پر پانی مارنے واش روم کی سمت بڑھ گئی۔

---★★---

بال اوپر کو اٹھے ہوئے تھے۔ ہاتھ میں گھڑی اور کندھوں پر خاکی شال تھی۔ ہلکی ہلکی داڑھی جو اسے پروقار بناتی تھی، چہرے پر سج رہی تھی۔ اس نے گھڑی میں وقت دیکھا تو اسے اندازہ ہوا کہ اسے پندرہ منٹ میں حویلی کی زمینوں کے لیے نکلنا ہے۔ وہ باغ سے ہوتا ہوا حویلی کے دروازے تک جانے لگا کہ باغ کے جھولے پر بیٹھی گم سم سی رفاہ کو دیکھ کر رک گیا۔ اس کی نگاہیں گھانس کو تک رہی تھیں اور ذہن الجھا ہوا تھا۔ جھولا آہستہ آگے پیچھے

urdu novels mania www.urdunovelsmania.com

ہو رہا تھا۔ کچھ دیر وہ یوں ہی اس کی حالت پر غور کرنے لگا۔ وہ اتنی سن ہوئی بیٹھی تھی کہ اس کی موجودگی سے لاعلم تھی۔ وہ خود کو اس کی جانب بڑھنے پر روک نہ پایا۔

"کیا ہوا رفاہ؟"۔ اس نے اس کی ٹھوڑی پکڑ کر چہرہ اونچا کیا۔ اس کی یوں اچانک آمد کو دیکھ کر وہ یکدم پیچھے ہوئی۔ رفاہ کے یوں پیچھے ہٹ کر خوف سے دیکھنے پر شرجیل اسے دیکھتا رہ گیا۔ اب اسے کوارٹر سے اپنے کمرے میں شفٹ کرنا کافی حد تک ضروری ہو گیا تھا۔

"ایسے کیوں بیٹھی ہو تم؟"۔ وہ اس کے برابر میں آ بیٹھا۔

"نن۔ نہیں تو۔۔۔ بس یونہی"۔ وہ نگاہیں اب بھی گھانس پر ٹکی تھیں۔

"وجہ بتاؤ رفاہ شرجیل؟"۔ چادر کے اندر سے نکلتی اس کی زلفوں کو دیکھ کر لہجہ نرم کر کے پوچھ رہا تھا۔

"بابا کی یاد آ رہی ہے۔۔۔ مگر ملنے کا دل نہیں ان سے"۔ وہ آبدیدہ ہو گئی تو کہتے کہتے رک گئی۔ شرجیل نے گردن پھیر کر اسے بہت غور سے دیکھا۔ اس کی آنکھیں سرخ ہو رہی تھیں جس سے محسوس ہوتا تھا کہ یہ پہلے بھی روتی رہی ہے۔ اس کا دل کسی نے اپنی مٹھی میں جکڑا اور وہ اس کا ہاتھ پکڑتا اسے کھڑا کرنے لگا۔ رفاہ کچھ نہ سمجھتے ہوئے آنکھیں پھاڑے اسے دیکھ رہی۔ شرجیل اس بات کی پرواہ نہ کرتے ہوئے کہ اسے باقی مردوں

کے ساتھ زینوں کے لیے نکلنا ہے، اس کا ہاتھ پکڑتا حویلی کے دروازے تک آگیا۔ باغ میں داخل ہوتا حیدر شرجیل کو رفاہ کا ہاتھ تھامتے ہوئے اسے گاڑی میں بٹھاتا دیکھ سکتا تھا۔

"آپ کہاں لے کر جا رہے ہیں"۔ وہ خوف سے سفید ہو رہی تھی۔ اس کے سفید چہرے کو دیکھ کر وہ ٹھٹھکا۔ تو کیا وہ اس پر اب بھی اعتبار کرنے سے ڈرتی تھی۔

"شوہر ہوں تمہارا۔۔۔ کہیں ایسی جگہ نہیں لے کر جاؤں گا جہاں تم غیر محفوظ ہو"۔ اس کی آنکھوں میں دیکھتا ہوا وہ ڈرائیونگ سیٹ پر آ بیٹھا۔ چوکیدار نے دروازہ کھولا اور وہ گاڑی نکالتا زن سے بھگا گیا۔

---★★---

وہ کلاس لے کر باہر ہی نکلی تھی کہ کسی نے اس کے کندھے پر ہاتھ رکھا۔

"اسلام علیکم رابعہ"۔ اس نے خوش دلی سے سلام کے لیے ہاتھ آگے بڑھایا۔ جب سے یونیورسٹی کی شروعات ہوئی تھی اس کی رابعہ سے سرسری ملاقات ہوتی تھی۔ وہ اس کے ڈپارٹمنٹ میں اس کے ساتھ ہوا کرتی تھی۔

"وعلیکم سلام کہاں جا رہی ہو؟"۔ رابعہ نے اس کے ہاتھ میں فائلز دیکھیں۔

"جی بس میں ذرا جلدی میں ہوں۔ بس آگئی ہے میری اور اگر وہ میرے بغیر چلی گئی تو میں وقت پر گھر نہیں جا پاؤں گی"۔ وہ دور کھڑی بس کو دیکھتے ہوئے پریشانی سے بولی۔

www.urdunovelsmania.com

"او اچھا چلو تم جلدی سے چلے جاؤ پھر۔۔۔ تم سے کل ملاقات ہوتی ہے"۔ اس کی بات پر صالحہ نے اثبات میں سر ہلایا اور بس میں بیٹھنے کے لیے بس کی جانب بڑھنے لگی۔ پانچ بج کر دس منٹ ہو چکے تھے۔ وہ اس قدر تھک چکی تھی کہ اس سے اب چلا نہیں جارہا تھا۔ پانچ منٹ بعد ڈرائیور نے بس آگے بڑھائی تو اس کی جان میں جان آئی۔

۔۔۔★★۔۔۔

"کہاں لے کر جارہے ہیں؟"۔ رفاہ نے لب کاٹتے ہوئے پوچھا۔ شرجیل کو محسوس ہوا وہ اپنے آپ کو غیر محفوظ محسوس کررہی ہے۔

"کیا تم مجھ سے اجنبیت محسوس کررہی ہو؟ یا میری موجودگی تمہیں غیر محفوظ سی لگ رہی ہے؟"۔ گاڑی کی رفتار زیادہ تیز نہیں تھی۔ رفاہ نے نظریں موڑ کر اسے دیکھا۔ وہ محسوس کرسکتا تھا کہ وہ اسے دیکھ رہی ہے۔

"ایسی بات نہیں ہے مگر۔۔۔"۔ اس نے جان بوجھ کر بات ادھوری چھوڑ دی۔ شرجیل کے دل میں ہول اٹھا۔

"مگر کیا رفاہ؟ باتیں ادھوری مت چھوڑا کرو"۔ اپنے برابر میں بیٹھی اس چھوٹی سی لڑکی کو وہ گاڑی چلاتے ہوئے بمشکل دیکھ پایا تھا۔

"مگر داجی کو پتا چلا تو۔۔۔"۔ اب کی بار شرجیل نے اس کی بات کاٹی۔

"میں "تمہارا" لگتا ہوں یا داجی؟"۔ وہ برہم ہوا تو وہ لب کاٹنے لگی۔

"مگر پوچھ تو سکتی ہوں نا کہ کہاں لے کر جا رہے ہیں؟"۔ کچھ دیر کے وقفے سے اس نے پھر پوچھا۔

"میں جہاں لے کر آنا چاہتا تھا تمہیں وہاں لے کر آگیا ہوں"۔ اس نے گاڑی گاؤں کے ایک بڑے گھر کے سامنے روکی۔ رفاہ نے نا سمجھی میں کھڑکی سے باہر جھانکا تو ٹھٹھک گئی۔ دل کی دھڑکنیں بے ربط چلنے لگیں۔ اس نے جھٹکے سے مڑ کر اسے دیکھا۔ آنکھیں حیرت اور بے یقینی سے پھٹنے کو تھیں۔ شرجیل ماتھے پر بل ڈالے اس کے تاثرات کا اندازہ کرنے لگا۔ پل بھر میں رفاہ کی رنگت پیلی ہوئی تھی۔ وہ اس سب کی توقع کم از کم شرجیل سے نہیں کر سکتی تھی۔۔۔

۔۔۔★★۔۔۔

"حیدر؟ شرجیل کہاں ہے؟"۔ داجی اپنا کرتا جھاڑ کر کھڑے ہوئے تھے۔

"ش۔ شرجیل"۔ حیدر ہچکچایا۔ اب وہ انہیں کیا بتائے وہ اپنے بیوی کے ساتھ کہیں باہر گیا ہے۔

"ایسے ہکلا کیوں رہے ہو؟ ہمیں زمینوں کے لیے نکلنا ہے حیدر! شرجیل کہاں ہے بتاؤ"۔ وہ برہم ہوئے۔

"وہ باہر گیا ہوا ہے داجی رفاہ۔۔۔۔۔" وہ کہتے کہتے زبان دانتوں میں دبا گیا۔ داجی کی بھنویں ماتھے پر چڑھیں۔

"رفاہ کے ساتھ"۔ وہ یکدم چیخے۔ حیدر کی سانسیں اکھڑنے لگیں۔

"نہیں داجی۔ رفاہ تو اپنے کوارٹر میں ہے۔ بس وہ یونہی میری زبان پھسل گئی"۔ وہ بات چھپاتا ہوا دل ہی دل میں شرجیل کو کوسنے لگا۔

"اچھا؟۔ تو جاؤ! رفاہ کو بلا کر لاؤ فوراً"۔ وہ سرد لہجے میں بولے تھے اور اس حکم پر حیدر کی گویا جان نکل گئی تھی۔

"جج۔ جی داجی ابھی بلا کر لایا"۔ وہ الٹے قدموں واپس آیا اور باغ میں آکر سکھ کا سانس لینے لگا۔ اب صرف ایک ہی راستہ تھا۔ اس نے شرجیل کو کال ملائی۔

"ہیلو ہاں؟؟"۔ اس نے کال اٹھاتے ہی پوچھا تھا۔

"جلدی گھر پہنچو! داجی کو خبر ہو گئی ہے کہ تم رفاہ کو لے کر گئے ہوئے ہو"۔ حیدر پھولی سانسوں سے باغ میں ٹہلتے ساتھ بولا۔

"داجی کو کیسے علم ہوا؟"۔ دوسری طرف وہ زیادہ حیران نہیں ہوا تھا۔

"میری ہی زبان پھسل گئی"۔ وہ بالوں کو اپنی مٹھی میں کرتا ہوا بولا۔

"اچھا ہوا۔۔۔ میں بھی کوئی ایسا موقع پیدا کرنا چاہتا تھا"۔ وہ بلا کا مطمئن معلوم ہوتا تھا۔

"غضب ہو جائے گا شرجیل! گھر پہنچو جلدی!"۔ حیدر کو اس کی دماغی حالت پر شک ہوا جو ایسی بہکی بہکی باتیں کر رہا تھا۔

"اصل غضب تو میرے آنے پر شروع ہو گا"۔ شرجیل دوسری جانب ہنسا تھا۔ "فوراً نہیں آ رہا میں! اپنا کام کر کے آؤں گا۔ ایسا کرو جب تک تم داجی کا پارا چڑھاؤ۔۔۔"۔ ایک شاطر مسکراہٹ سے سامنے دیکھتا ہوا وہ اسے تاکید کر رہا تھا۔

"تو پاگل ہو گیا ہے کیا؟"۔ حیدر چیخ اٹھا۔

"یہی سمجھ لو!"۔ اس نے برابر بیٹھی رفاہ پر نگاہ ڈالی جو اب بھی پیلی ہوئی رنگت سے اسے دیکھ رہی تھی۔ "کال رکھ رہا ہوں کیونکہ ابھی اپنے۔۔۔ سسرال آیا ہوں"۔ اس نے نگاہ اس بڑی عمارت پر دوڑائی جس کے باہر بنی کیاری کے اوپر ایک بلب جلا ہوا تھا۔ "اور ہاں! حویلی کے ملازم شاہ جی کو کہہ دو کہ تیاری پکڑ لیں اور ہو سکے تو پھولوں کا انتظام کر لیں!"۔ وہ معنی خیز لہجے بولا۔ حیدر یہ باتیں سمجھنے سے قاصر تھا۔

"پھول؟ اور شاہ جی کیوں؟"۔ وہ الجھا۔

"شاہ جی کیوں؟ اس کا جواب جاننے کے لیے میرے آنے کا انتظار کرو۔۔۔ پھول یا تو شادی کے لیے اور اگر بات نہ مانی گئی تو کسی نہ کسی کی قبر پر تو چڑھیں گے۔۔۔"۔ وہ استہزائیہ ہنسا اور کال رکھ دی۔

"آپ مجھے یہاں کیوں لائے ہیں شرجیل؟"۔ وہ اب تک یوں ہی ساکت بیٹھی تھی۔
شرجیل نے گردن پھیر کر اسے دیکھا تو تکتا رہ گیا۔
"میرے ساتھ چلو"۔ لمحے گزرنے لگے تو وہ چونک کر بولا اور گاڑی کا دروازہ کھولتا باہر نکل گیا۔ آج تو لگتا تھا حویلی میں قیامت آنے والی ہے۔

---★★---

صالحہ نے اپنے گیلے بالوں کو تولیہ سے جھٹک کر کھڑکی کے پردے برابر کیے۔ اس نے گھر پہنچتے ہی وجدان کو اپنے گھر پہنچنے کا میسج کر دیا تھا۔ وقت دیکھا تو ساڑھے چھ ہونے کو تھے۔ وہ کبھی بھی آنے والا تھا۔ اس نے بال سکھائے اور اپنا بڑا سا ڈوپٹہ سر پر رکھ کر اپنے آپ کو بھی اس میں چھپا دیا۔ سائے لمبے ہو رہے تھے۔ آج معمول سے کچھ کم سردی تھی۔ صالحہ نے آگے بڑھ کر کھڑکی کے دونوں پٹ کھول دیے اور جھولنے والی کرسی کو کھڑکی تک گھسیٹ کر لے آئی۔ دن کی تھکن اس نے کرسی پر جھولتے جھولتے نکال دی۔ اس کے خوابوں کو وجدان نے آج مکمل کر دیا تھا۔ وہ اب وجدان کو سوچنے لگی۔ یقیناً وہ اس کی بن مانگی دعا تھا۔ وہ یوں ہی وجدان کو سوچنے میں محو تھی کہ گاڑی کے ہارن کی آواز آئی۔ اس آواز کو وہ ہزار شور کے درمیان میں بھی پہچانتی تھی۔ اس نے پیروں میں چپل پہنی اور

تیزی سے نیچے بھاگنے لگی۔ وہ آج کہاں خود کو گم کرلے وہ سوچنے لگی۔ گھر کا دروازہ کھلنے کی آواز آئی اور صالحہ اپنی انگلیوں کے ناخنوں کو دانتوں کے بیچ رکھتی اپنا دماغ چلانے لگی۔ وہ آج پھر اسے ڈھونڈے گا وہ جانتی تھی۔ اس نے ایک کمرہ دیکھا جو اسٹور روم تھا اور اندر گھس گئی۔ آہستہ سے دروازہ بند کیا تاکہ آواز نہ پیدا ہو۔ وہ اسٹور روم اندر سے بہت بڑا تھا۔ اس نے بلب دیکھا تو اس کا بٹن ڈھونڈنے لگی۔ دروازے کے برابر میں ہی وہ بٹن موجود تھا جسے اس نے کھول دیا تھا۔ روشنی ہوئی اور اسے وہاں موجود سامان دیکھنے میں آسانی پیدا ہوگئی۔ اس نے وہ نیلا تھیلا دیکھا جس میں بہت سے پھول تھے۔ آرٹیفیشل پھولوں کو دیکھ کر وہ جان گئی تھی کہ یہ وہ ہی پھول تھے جو اس نے اپنے کمرے سے اتار کر تھیلے میں رکھے تھے۔ وہ تھیلا کھول کر آہستہ آہستہ انہیں دیکھنے لگی۔ اچانک قدموں کی چاپ اسے بہت قریب سے محسوس ہوئی تو اس نے اپنے ہاتھ تھیلی سے دور کرلیے تاکہ تھیلی سے آواز پیدا نہ ہو۔ اچانک دروازہ کھلا تو وہ سامنے کھڑا تھا۔ وجدان اسے دو منٹ میں تلاش کرچکا تھا۔ صالحہ ایک بار پھر ہار گئی تھی اور نگاہیں جھکا کر زمین کو تک رہی تھی۔ وہ اسے دیکھنے قریب آیا۔ نگاہیں زمین کو اب بھی سجدہ کررہی تھیں۔ وجدان کا دل چاہا کہ اس کی ٹھوڑی پکڑ کر اس کا چہرہ اوپر کرے مگر وہ یہ نہیں کرسکتا تھا۔

"آپ یہاں؟"۔ اس نے کہتے ساتھ اسٹور روم پر نظر دوڑائی۔

"میں وہ سوچ رہی تھی کہ رات کے لیے آٹا گوندھ لوں اس لیے آ گئی"۔ اسے کوئی جواب نہ سوجا تو یہی کہہ بیٹھی مگر پھر زبان دانتوں میں دبالی۔ اس کے جواب پر وہ کھلکھلا اٹھا۔

"اسٹور روم میں آٹا کہاں سے آیا؟"۔ اس کی جھکیں پلکوں پر نظریں ٹکاتے ہوئے اس نے مسکرا کر پوچھا تھا۔ وہ جانتا وہ جھوٹ کیوں بول رہی ہے۔۔۔ مگر وہ یہ نہیں جانتی تھی کہ اس کے سامنے وجدان قریشی کھڑا تھا۔

"مجھے دیکھ کر جتنا مرضی خود کو چھپا لو صالحہ وجدان! مگر تمہارا وجدان تمہیں آج کی طرح ہمیشہ ڈھونڈ نکالے گا"۔ وہ یکدم خود سے دل میں کہتا بظاہر مسکرایا۔ صالحہ نے لب کاٹے۔

"کیا آپ اپنا چہرہ اوپر کریں گی"۔ اس نے اپنی تڑپ ظاہر کرنی چاہی۔ صالحہ کا دل زور سے دھڑکنے لگا۔

"کک۔ کیوں؟"۔ اس نے ہکلاتے ہوئے جھکی نظروں سے پوچھا۔ وہ اس کی آنکھوں کو دل میں اتارنا چاہتا تھا۔ وجدان اس کے سوال کا جواب سوچنے لگا۔ وہ کیا بہانہ کرے؟۔

"آپ سے کوئی بات کرنی ہے"۔ کم وقت میں اسے یہی جواب سوجا۔ صالحہ نے نگاہیں بے اختیار اٹھائیں اور یہ وہی لمحہ تھا جب وہ اس کی آنکھوں کو دیکھ پھر سے ساکت ہو گیا

تھا۔ صالحہ کو حیا نے آلیا تو نگاہیں جھکا گئی۔ اپنی دھڑکنوں کی آواز صالحہ کو اپنے کانوں میں بجتی محسوس ہو رہی تھی۔ گھبراہٹ کا یہ عالم تھا کہ اس کی پلکیں مسلسل کانپ رہی تھیں۔

"مم۔ میں جاؤں"۔ بمشکل اس نے الفاظ ادا کیے تو وجدان اس کی گھبراہٹ کا لطف لینے لگا۔

"آپ نے آٹا تو گوند ہی لیا ہوگا۔۔۔ کہاں ہے؟"۔ وہ مسکراہٹ چھپاتا ارد گرد ایسے دیکھنے لگا جیسے واقعی آٹے کی بالٹی دیکھ رہا ہو۔ صالحہ نے گھبراہٹ کے عالم میں اسے دیکھنے سے گریز کیا۔

"مجھے جانے دیں"۔ اس کی آواز وجدان کے کانوں میں پڑی تو وہ مسکرادیا۔

"جی میں نے آپ کو کب روکا ہے"۔ کہتا ساتھ راستے سے ہٹ گیا۔ اس سے پہلے وہ تیزی سے نکل کر بھاگتی وہ ایک دم پھر سامنے آگیا۔ وہ جو دروازے کی جانب بڑھ رہی تھی اس کے سامنے آجانے کی وجہ سے اس سے ٹکراتی ٹکراتی بچی۔

"وہ باہر زید آیا ہوا ہے میرا دوست۔۔۔ کچھ تحفے بھی لایا ہے آپ کے لیے"۔ اس نے میٹھے لہجے میں بتایا۔ صالحہ نے اثبات میں سر ہلایا اور اپنی سر کی چادر ٹھیک کرتی وجدان کے پیچھے باہر آئی۔

"میں چائے بنا کر لے آتی ہوں"۔ اس نے وجدان کی نگاہوں سے اوجھل ہونا چاہا مگر وہ بھی وجدان تھا۔

"نہیں اس کی ضرورت نہیں! وہ میری جیب ہلکی کروا کر ہی گھر تک آیا ہے۔ آپ آجائیں میرے ساتھ"۔ وہ اسے کچن میں جانے سے روکتا، اسے اپنے پیچھے آنے کا کہہ کر ڈرائینگ روم کی طرف بڑھ گیا۔ صالحہ نے گہری سانس ہوا کے حوالے کی اور اس کی پیچھے ڈرائینگ روم میں داخل ہوئی۔

"اسلام علیکم بھابھی"۔ زید احترام میں کھڑا ہوا۔ صالحہ نے اپنا چہرہ چادر میں چھپایا ہوا تھا۔

"وعلیکم سلام زید بھائی"۔ وہ جواب دیتے ہوئے وجدان کے بازو میں بیٹھی۔

"مزاج کیسے ہیں آپ کے؟ سنا ہے استانی بن گئی ہیں؟ بہت خوشی ہوئی"۔ زید نے اپنی خوشی کا اظہار کیا۔

صالحہ مسکرائی۔

"الحمداللہ۔۔۔"۔ اسے دونوں سوالات کے جواب ایک ہی لفظ میں دکھے۔ وجدان نے بیٹھے بیٹھے ہی سامنے میز سے پانی کے جگ سے پانی گلاس میں انڈیلا اور صوفے سے ٹیک لگا کر پینے لگا۔

"میں بھی بس وہی کہہ رہا تھا وجدان سے کہ اب ایسی کوئی الٹی سیدھی حرکت نہ کرنا کیونکہ بھابھی تو اب استانی بن گئی ہیں تمہیں اپنے شاگردوں کی طرح دھو ڈالیں گی"۔ اس کی بات پر جہاں پانی پیتے وجدان کو اچھو لگا وہیں صالحہ کی ہنسی نکل گئی۔

"بے غیرت انسان"۔ وجدان نے دانت پیس کر دل ہی دل میں اسے گالیوں سے نوازا۔

"ہاں تو بھابھی جان یہ ایک تحفہ میری طرف سے۔۔۔"کہتے ساتھ زید نے خوبصورت گفٹ پیپر میں لپٹی کوئی چیز اس کی جانب بڑھائی۔

"زید بھائی مگر اس کی ضرورت نہیں تھی"۔ وہ ہچکچانے لگی تو زید مسکرایا۔

"یہ آپ کی شادی کا تحفہ جو مجھ پر ادھار تھا"۔ اس نے تحفہ آگے بڑھایا تو صالحہ نے "جزاک اللہ" کہہ کر اسے تھاما۔

"آپ کے لیے چائے بنا کر لاتی ہوں"۔ وہ مسکرا کر کھڑی ہونے لگی۔

"نہیں بھابھی اس تکلف کی ضرورت نہیں۔۔ آپ کے شوہر کی جیبیں خالی کروا چکا ہوں"۔ وہ دانت باہر نکالتا، تیز نظروں سے گھورتے وجدان کو دیکھنے لگا۔

"چلیں جیسے آپ کی مرضی"۔ وہ تحفہ میز پر رکھتے ہوئے بولی۔

www.urdunovelsmania.com اردو ناولز مینیا

"ایک اور چیز جو میں لایا تھا۔۔ خاص طور پر آپ کے لیے! بھلے آپ وجدان کو نہ لے کر آئیں مگر آپ کا آنا ضروری ہے"۔ اس نے ایک کارڈ آگے کیا جسے وجدان نے تھام کر صالحہ کو پکڑایا۔

"بڑی مشکل سے شادی ہو رہی ہے اس کی"۔ وجدان نے ہنس کر زید کو دیکھا تو اس نے اثبات میں سر ہلایا۔

"کہہ تو صحیح رہے ہو"۔ وہ کھسیانا ہوا۔ صالحہ جو کارڈ پر جھکی ہوئی تھی، اس نے جھٹکے سے سر اٹھایا۔

"مبارک ہو زید بھائی۔۔۔ پرسوں ہے شادی؟؟"۔ اس کی باچھیں خوشی سے کھل اٹھیں۔

"جی بھابھی اور پرسوں آپ کو ہر حالت میں آنا ہے"۔ اس نے سنجیدگی سے تاکید کی تو صالحہ نے مبہم سا مسکرا کر اثبات میں سر ہلایا۔

۔۔۔★★۔۔۔

"کون آیا ہے خالد؟"۔ ایک کمزور وجود بستر پر لیٹا تھا۔

"تمہاری بیٹی آئی ہے صائمہ"۔ ان کی آنکھوں میں آنسو تھے اور ہاتھ رفاہ کے کندھے پر تھا۔

"میری بیٹی؟"۔ وہ عورت تیزی سے اٹھی اور رفاہ کو دیکھ کر ساکت ہوگئی۔ شرجیل باہر لاؤنج میں ہی بیٹھا تھا۔

"رفاہ میری بیٹی"۔ انہوں نے جھٹکے سے اسے گلے لگایا تو رفاہ نے ان کے سینے میں منہ چھپالیا اور گھٹ گھٹ کر رونے لگی۔ باہر بیٹھا شرجیل انہیں دیکھ تو نہیں سکتا تھا مگر محسوس ضرور کر سکتا تھا۔ ایک گھنٹے اس کا یونہی گزر گیا۔ جاتے وقت صائمہ خاتون نے شرجیل کو پیار کیا تھا اور رفاہ کا خیال رکھنے پر دعا دی تھی۔ اصل کہانی تو تب شروع ہوئی تھی جب رفاہ کے بھائی فرہاد نے اسے گلے لگایا تھا اور اس کا ماتھا چوما تھا۔ وہ رفاہ کے سامنے گڑگڑایا تھا۔ اس نے وعدہ کیا تھا کہ وہ اسے حویلی سے نکال لے گا اور یہ سن کر شرجیل کے قدموں کے نیچے سے زمین نکل گئی تھی۔ اس نے تھوک نگل کر بے اختیار رفاہ کو دیکھا تھا مگر وہ اسے نہیں دیکھ رہی تھی۔ وہ اپنے بھائی کو نم آنکھوں سے دیکھ رہی تھی۔ وہ اتنا سب کچھ ہرگز اس لیے نہیں کر رہا تھا کہ رفاہ کو خود سے دور کر سکے۔۔۔ واپسی پر اس کا مزاج نہ چاہتے ہوئے بھی برا ہو رہا تھا۔

"ہیلو؟"۔ موبائل پر آتی کال اس نے ریسیو کی۔

"کہاں ہو بچے؟۔ یہاں ہنگامہ مچا ہوا ہے"۔ مقابل شخص کی آواز سن کر ہی اس کا خراب موڈ بحال ہوگیا تھا۔

"شاہ جی آرہا ہوں میں"۔ وہ بے حد نرمی سے بولا۔

"کیا کہو گے داجی سے؟"۔ وہ بے چارگی سی پوچھ رہے تھے۔

"سب کچھ۔ وہ سمجھتے ہیں میں نہیں جانتا کہ ارحم کی موت کیسے ہوئی؟ مگر یہ بات ان کے لیے ناقابل یقین ہو گی کہ میں سب کچھ جانتا ہوں"۔ وہ تھک چکا تھا اب راز رکھتے رکھتے۔

رفاہ اس کی بات پر چونکی۔

"اگر انہوں نے غصے میں آکر افشاں کے ساتھ کچھ کر دیا تو میں بے قابو ہو جاؤں گا میرے بچے۔ میں افشاں پر اب کوئی ظلم برداشت نہیں کر سکتا"۔ وہ اب بھی شاید درخت کے نیچے ہی کھڑے تھے۔

"میں چاہتا ہوں آپ بے قابو ہو جائیں۔ اپنے دل کی بھڑاس نکالیں۔ میں آرہا ہوں آپ کی طرف سے افشاں پھپھو کو مانگنے"۔ اس نے کہہ کر کال رکھی اور گاڑی کی رفتار تیز کی۔

"داجی کو علم ہو گیا؟"۔ اس نے رفاہ کی آواز پر اسے گردن پھیر کر دیکھا تو ششدر رہ گیا۔ وہ زرد ہو چکی تھی۔

"تم کیوں اتنا پریشان ہو رہی ہو؟"۔ اس نے ماتھے پر بل ڈال کر پوچھا۔

"اب کیا ہو گا؟ وہ کیا کریں گے اب؟"۔ اس کے لب لرزنے لگے۔

"کچھ نہیں ہوگا"۔ وہ سختی سے دانت پیس کر بولا۔ "تسلی رکھو اور حالت درست کرو۔ جب تک میں ہوں تمہیں کسی چیز کے لیے پریشان ہونے کی ضرورت نہیں"۔ اس کے لہجے میں بلا کی سختی تھی۔ رفاہ سیدھی ہو کر سامنے دیکھنے لگی۔ اس کے دل میں طرح طرح کے اندیشے جنم لینے لگے۔ شرجیل خود کو آنے والے وقت کے لیے تیار کر رہا تھا۔ دل میں کہیں نہ کہیں شکست کھانے کر اندیشہ تھا۔

---★★---

"کہاں ہے شرجیل"۔ داجی کی غصے میں رگیں پھول رہی تھیں۔ ان کی چیخیں حویلی والوں کو ہولا رہی تھیں۔

"یہاں ہے شرجیل"۔ وہ پیچھے سے اپنی بیوی کا ہاتھ پکڑے لاؤنج میں داخل ہوا۔ رفاہ کانپتے ہوئے اپنا ہاتھ جو اس کے ہاتھ میں تھا اسے دیکھ رہی تھی۔

"کہاں تھے اس ونی کو لے کر تم کمبخت؟۔ کہاں گئے تھے بے شرم"۔ وہ پوری قوت سے چلائے تھے۔

"ونی آپ کے لیے ہوگی! میرے لیے بیوی ہے میری"۔ وہ ان سے زیادہ چیخ کر ان کی تصحیح کر گیا تھا۔ داجی نے آنکھیں پھاڑ کر اسے دیکھا۔ وہ ان کی زندگی میں پہلا شخص تھا جس

نے ان سے زیادہ اونچی آواز میں بات کی تھی۔ وہاں موجود تمام مرد اور عورتیں ششدر اور ساکت کھڑے تھے۔

"وہ ارحم کے بدلے میں آئی ہے۔ وہ ونی ہے"۔ انہوں نے اپنی لاٹھی زور سے زمین پر پٹخی۔

"ارحم کے بدلے میں اس کے بھائی کو آنا چاہیے تھا!۔ یہ میری بیوی بن کر آئی ہے"۔ اس کے تاثرات خطرناک حد تک پھیل چکے تھے۔ وہ کسی پر رحم کرنے کی حالت میں نہیں تھا۔

"کہاں گل چھڑے اڑا رہے تھ۔۔۔" وہ ابھی کہہ ہی رہے تھے کہ شرجیل نے ان کی بات کاٹی۔

"داجی بس! بس کر دیں میں اور برداشت نہیں کر پاؤں گا"۔ اس نے اتنی بلند آواز میں کہا تھا کہ باہر درختوں سے پرندوں کی اڑنے کی آواز آئی تھی۔ "اور کتنا کریں گے ظلم داجی؟۔ یہ سب مرد حضرات اور ان کی بیویاں خاموش رہ سکتی ہیں مگر میں اتنی سکت نہیں رکھتا۔۔۔"۔

"کون سا ظلم کر دیا تم لوگوں پر کم بختوں جو یوں منہ پر آ کھڑے ہو؟"۔ وہ بے یقینی سے پوچھنے لگے۔ آواز میں اب بھی بلا کی سختی تھی۔

"کیا چاہتے ہیں انگلیوں پر گن کر بتاؤں ؟" ۔ شرجیل کی نظروں میں حقارت تھی ۔

"صالحہ کی شادی کیا کردی تم لوگ تو اسے میرا کیا گیا ظلم ہی سمجھ بیٹھے" ۔ وہ کھانسنے لگے تو شمیلہ نے ان کی طرف پانی بڑھایا ۔ وہ اسے ناچیخ نہیں پا رہے تھے ۔ ان کی کھانسی ان کے چلانے میں دخل دے رہی تھی ۔ ان کا جی چاہا شرجیل کا منہ نوچ لیں ۔

"افشاں کون تھی داجی ؟ ؟ فضیلہ کون تھی ؟ ۔ بشارت حیسن کون تھا ؟ ۔ ارحم کون تھا ؟" ۔ شرجیل نے خود کو مضبوط کرتے ہوئے سب کے نام گنوائے ۔ وہ ارحم کے نام پر سٹپٹائے ۔

"ارحم کا نام کہاں سے آیا ؟" ۔ ان کا بوکھلانا واجبی تھا ۔ شرجیل حقارت سے ہنسا ۔

"آپ کو کیا لگتا ہے میں نہیں جانتا کہ ارحم کیسے مرا ؟" ۔ وہ رفاہ کا ہاتھ چھوڑتا ایک شان سے چلتا ہوا ان کے قریب آیا ۔ سمیعہ تائی اور شبیر کا دل منہ کو آیا ۔ وہ حیرت سے دونوں کو دیکھنے لگے ۔

"اس کا قتل ہوا تھا اس ونی کے بھائی کے ہاتھوں" ۔ وہ چیخے ۔

"چیخنے کی ضرورت نہیں ہے داجی ۔ اپنی بات منوانے کے لیے چیخ میں بھی سکتا ہوں" ۔ اس نے معنی خیز لہجے میں انہیں بہت غور سے دیکھا ۔

"کیا آپ کو لگتا ہے میں نہیں جانتا کہ اس کے قتل کا آپ کو پہلے سے علم تھا. آپ پہلے سے جانتے تھے کہ وہ ہماری حویلی میں سے کسی نہ کسی کو تو موت کی گھاٹ اتاریں گے۔ جب آپ اپنے ملازم سے اس بات کا ذکر کر رہے تھے اس وقت میں آپ کے کمرے کی کھڑکی کے باہر ہی کھڑا تھا داجی۔ آپ نے ارحم کو پہلے ہی بھیج دیا یہ کہہ کر کہ آج زمینوں کو ذرا جلدی دیکھ آؤ۔ آپ جانتے تھے کہ کسی نہ کسی کا قتل ہو گا اور سچ تو یہ ہے کہ آپ نے پہلے سے ہی تہیہ کر لیا تھا کہ قاتل کی بہن سے شادی کس کی کروانی ہے۔ میں جانتا ہوں آپ نے مجھے کیوں چنا۔ اس لیے کیونکہ آپ یہ جانتے تھے کہ میں ایک وہ خاموش طبع انسان ہوں جو آپ کے ہر فیصلے پر سر جھکا لیتا ہے۔ اب نہیں رہوں گا میں خاموش۔ کیوں کی تھی فضیلہ باجی کی اس مخصوص بڑی عمر کے شخص سے شادی؟۔ اس لیے کیونکہ آپ کو لالچ تھا ان کے شوہر کی زمین کا! اس نے ایک زمین کے کاغزات آپ کے آگے رکھے نہیں اور آپ نے فضیلہ کا رشتہ طے کر دیا۔ کیا کریں گے اتنی دھن دولت کا جب جانا ہی دو گز کی زمین میں ہے؟۔ وہ مر گئی تڑپ تڑپ کے اس شخص کے ہاتھوں داجی"۔ فضیلہ کے ذکر پر شرجیل کے آنسو بہہ نکلے۔ شمیلہ چچی اپنی مری ہوئی بیٹی کے ذکر پر زمین پر ڈھ گئیں۔ "کتنا مارتا تھا وہ شخص انہیں آپ سوچ بھی نہیں سکتے۔ اس حویلی میں وہ صرف مجھے فون کال کر کے اپنے ساتھ ہونے والے تشدد کی اطلاع دیتی تھیں۔ اپنی ماں کو یہ سوچ کر ایک فون

نہیں کیا کہ چچی یہ سن کر مر جائیں گی۔ آپ کو کیا لگتا ہے داجی مجھے ہر دو ہفتے بعد شہر جانے کا شوق ہے؟۔ میں کیوں جاتا ہوں کبھی سوچا ہے؟ کبھی سوچا آپ نے جب میں شہر سے پلٹتا ہوں تو دو دن تک اپنے کمرے سے کیوں نہیں نکلتا؟ میں ان کی قبر ڈھونڈنے جاتا ہوں داجی۔ کہاں کہاں ڈھونڈا انہیں مگر نہیں مل پائی وہ لڑکی مجھے۔۔۔ اپنی جان دے بیٹھی آپ کی لالچ میں۔۔۔ اس ماں پر رحم نہ آیا آپ کو جو اس ظلم ہر بھی فقط آپ کا چہرہ دیکھتی رہ گئی۔ افشاں کو جانتے ہیں کون ہے وہ عورت؟"۔ داجی کو لگا وہ اور سہہ نہیں پائیں گے۔

شجر اپنی بہن کا سوچ کر نڈھال ہو رہی تھی۔ سمیعہ ہچکیاں لے رہی تھیں اور تمام مرد اپنے باپ، دادا کو نفرت سے دیکھ رہے تھے۔ "وہ عورت کون ہے جو اوپر منزل میں تنہا رہتی ہے؟ وہ شخص جس کا نام بشارت حسین ہے وہ کون ہے جانتے ہیں آپ!؟۔ آپ جتنا جانتے ہیں مجھے اس کا علم ہے مگر جتنا میں جانتا ہوں اس کا آپ کو علم نہیں"۔ وہ شاہ جی کو پکڑ کر آگے لایا تو شاہ جی نے تیز نظروں سے داجی کو دیکھا۔

"کون ہے یہ شخص؟۔ ایک وفادار ملازم کے اوٹ میں کون ہے یہ شخص جانتے ہیں آپ؟"۔ وہ پوری قوت سے چیخا تو سب نے شاہ جی کو دیکھا۔ جو جانتے تھے وہ نظریں جھکا گئے اور جو لاعلم تھے وہ حیرت سے دیکھنے لگے۔

"اسے بشارت حسین کہتے ہیں داجی"۔ اس نے ایک ایک لفظ چبا کر ادا کیا۔ داجی کی سٹی گم ہوگئی۔ موجود لوگوں نے آنکھیں پھاڑ کر اس شخص کو دیکھا۔ حویلی میں سکوت کا عالم چھا گیا۔ شرجیل یہ کیا کہہ رہا تھا؟۔

"کون ہے بشارت حسین؟؟ افشاں کا ذکر پر یاد آیا؟۔ جو اپنی محبت کے لیے اپنی زندگی داؤ پر لگا گیا اس کا مقابلہ آپ سے کہاں داجی۔ آپ کو یہ محبت کی باتیں سمجھ نہیں آتیں کیونکہ آپ کے لیے دولت ہی سب کچھ ہے۔ کیا جرم تھا اس معصوم عورت کا جس کو آپ نے بے زبان کردیا؟ جس کی زندگی چھین لی؟"۔ اس نے بشارت حسین کا ہاتھ اٹھایا۔ "یہ شخص صرف انتقام کے لیے کھڑا ہے داجی۔ بس کچھ کر نہیں پاتا بیچارا کیونکہ بے بس ہے نا! افشاں پھپھو کے لیے خود کو برباد کرنے کو بھی تیار ہے۔ اپنی عیاشیوں کی زندگی چھوڑ کر یہ شخص برسوں سے غلامی کی زندگی جی رہا ہے سوچا ہے کیوں؟۔ مگر اب اور نہیں داجی! آپ کو لگتا ہے یہ آپ کے سب بیٹے اور پوتے آپ سے ہمدردی رکھتے ہیں مگر ایسا نہیں ہے۔ بے انتہا نفرت کا نام سنا ہے؟۔ وہ کرتے ہیں آپ سے یہ سب! لاوا سمجھتے ہیں؟۔ لاوا بھرا ہے سینے میں انتقام کا۔ حیرت تو یہ ہے کہ کسی بھی بھائی نے اپنی بہن کے حق میں ایک لفظ نہ منہ سے نکالا۔۔۔ اس کی طرفداری نہیں کی۔ میں آپ سے بہت نرمی سے!

بہت محبت سے بشارت حسین کا رشتہ افشاں بٹ کے لیے مانگتا ہوں۔۔۔کیا آپ کو قبول ہے یہ رشتہ؟"۔اس نے صوفے پر ڈھے داجی سے پوچھا۔

"یہ وہ گھٹیا شخص ہے؟"۔داجی کی سانسیں گہری ہونے لگیں۔ان کے لبوں سے الفاظ کٹ کٹ کر ادا ہو پا رہے تھے۔

"کون سا گھٹیا پن دکھا دیا اس شخص نے؟ وفا کرنا گھٹیا پن تو نہیں۔میں پھر سوال دہراتا ہوں!۔کیا آپ کو یہ رشتہ قبول ہے"۔اس نے پھر سختی سے پوچھا۔

"میں یو۔۔۔۔"انھوں نے کچھ کہنا چاہا مگر لفظوں نے ساتھ نہ دیا۔

"کیا آپ کو رشتہ قبول ہے؟ ہاں یا ناں؟"۔شرجیل نے بات کاٹی۔

"میری بیٹی افشاں"۔داجی نے یہ کہتے ہوئے رونا شروع کر دیا۔

"یہ کیا کیا آپ نے ابا؟"۔کبیر نے غم سے نڈھال ہوتے ہوئے پوچھا۔

"میری بیٹی افشاں کو بلاؤ خدارا"۔وہ چیخنے لگے۔

"وہ اسی صورت میں آئے گی جب آپ رشتہ قبول کریں گے"۔شبیر ٹوٹے لہجے میں کہتے ہوئے آگے آئے۔

شرجیل نے مڑ کر کانپتی رفاہ کو دیکھا۔

"مجھ سے سب نے غداری کی ہے"۔وہ چیخنے لگے۔

"ابا جی آپ رشتہ قبول کرتے ہیں یا نہیں؟"۔ مسرور اپنی بیوی شمیلہ کی حالت دیکھتے ہوئے آگے آئے۔

"میری بیٹی کو بلاؤ"۔ ان کی حالت بگڑنے لگی۔

"ہمیں یہ رشتہ قبول ہے"۔ کبیر نے بلند آواز میں کہہ کر شاہ جی کو دیکھا۔ شاہ جی کا سفید پڑتا چہرہ نہال ہوا۔ انہیں یقین ہی نہ آیا اور وہ ششدر رہ گئے۔ جس کا کب سے سوچا تھا وہ خواب اب پورا ہو ہی گیا۔ دا جی کی حالت بگڑنے لگی تو ان کے بیٹے ان کی جانب بڑھے۔ انہیں دیکھ کر محسوس ہو رہا تھا کہ انہیں فالج کا دورہ پڑ رہا ہے۔ شرجیل نے رفاہ کا ہاتھ تھاما اور اسے اپنی طرف کرتے ہوئے ایک نظر شاہ جی کو دیکھ کر کمرے کی جانب بڑھ گیا۔ وہ بات رفاہ سے شروع ہوئی تھی اور ختم بشارت حسین پر ہوئی تھی۔ شاہ جی اشارے سے اسے اوپر جانے کو کہا اور کہا کہ وہ دا جی کی طبیعت سنبھال لیں گے۔ شرجیل نے اثبات میں سر ہلایا تھا۔ دور دور کھڑے ثریا اور شاہ زل نے بلا ارادہ ایک دوسرے کو دیکھا۔ لب دونوں کے خاموش تھے۔ اس نے شاہ زل کو آنکھوں کے اشارے سے دا جی کی طرف بڑھنے کو کہا تو شاہ زل اثبات میں سر ہلاتا ان کے قریب بڑھا۔ اس کہانی کا خاتمہ کیسے ہوگا اس حویلی کے مکین یہ جاننا چاہتے تھے۔

---★★---

دو دن اور بیت گئے۔ آج زید کی شادی تھی اور وجدان نے پورا دن زید کے ساتھ گزارا تھا۔ وہ تیار ہو رہی تھی اور وجدان شاور لے رہا تھا۔ صالحہ نے گھڑی پر نگاہیں اٹھا کر دیکھا۔ آٹھ بجنے کو تھے اور اب اسے تیاری میں تیزی پکڑنی تھی۔ اس نے ٹی پنک رنگ کی کرتی اور پاجامہ پہنا ہوا تھا۔ اس پر ہلکا پھلکا میک اپ کر کے وہ خود کو آئینے میں دیکھنے لگی۔ جھمکیاں نکال کر کان میں پہنی اور وہ اب مکمل تیار ہو چکی تھی۔ یہ جوڑا اور جیولری وجدان نے اسے ایک دن پہلے ہی جا کر دلائے تھے۔ اس کی پسند دیکھ کر صالحہ عش عش کر اٹھی تھی۔ وہ بواش روم سے شاور لے کر نکلا۔

"میری کالی شال کہاں ہے؟"۔ تولیہ سے بال رگڑتے ہوئے اس نے صالحہ سے پوچھا تھا۔

"یہ بیڈ پر ہے"۔ اس نے واڈروب سے اپنی سینڈل نکال کر پہنی۔ وجدان سفید کرتے پر کالی شال پہنتا آئینے کے سامنے کھڑا ہوا۔ اب وہ تیزی سے کنگھے کو بالوں پر چلا رہا تھا۔

"آپ تیار ہیں؟"۔ اسے بنا دیکھے پوچھا۔

"جی بس چادر لیلوں"۔ وہ اس کے برابر آئینے کے سامنے کھڑی ہوئی تو وجدان کا بالوں پر چلتا ہاتھ رک گیا۔ آنکھوں پر مسکارا لگانے پر اس کی گھنی پلکیں اور گھنی ہو گئیں۔

"کیا یہ مسکارا زیادہ لگ رہا ہے؟"۔ صالحہ نے اپنا آپ جب آئینے میں دیکھا تو اسے مسکارا بہت زیادہ محسوس ہوا۔

"یہ بہت خوبصورت ہے"۔ وجدان نے آئینے کے عکس میں آتی صالحہ کی آنکھوں کو دیکھتا ہوا بولا۔ صالحہ نے بھی اس کا عکس آئینے میں دیکھا۔ کالی شال اس پر بہت سوٹ کر رہی تھی۔

"ہم لیٹ ہو رہے ہیں"۔ اس نے نگاہیں جھکا کر بتایا اور پیچھے ہٹ گئی۔ وجدان کا اس کا "ہم" کہنا بے حد اچھا لگا۔ وہ مسکراتا ہوا پلٹا تو صالحہ کی نظر اس کے گہرے ڈمپل پر پڑیں۔

"آپ نے تحفہ رکھ لیا"۔ اس کی نگاہیں بار بار صالحہ کی جانب اٹھ رہی تھیں۔

"جی"۔

"چلیں؟"۔ وجدان نے اسے گہری نگاہوں سے دیکھا۔ صالحہ نے اثبات میں سر ہلایا اور ساتھ اپنی چادر اوڑھی۔ وجدان نے چابی میز سے اٹھائی اور دونوں نیچے بڑھ گئے۔

---★★---

صالحہ کو ہال اور یہاں کے انتظامات اچھے لگ رہے تھے۔ وہ دونوں اسٹیج پر بیٹھے زید اور اس کی بیوی امرحہ سے مل آئے تھے۔ پورے فنکشن میں وجدان کی نظریں صالحہ کو تکنے میں مصروف تھیں۔ جب آنکھوں سے آنکھیں ملتی تو صالحہ تیزی سے نگاہیں چرا لیتی۔

ایسے میں اس کے گال اور زیادہ دہکنے لگتے۔ ان اداؤں سے وجدان لطف اندوز ہو رہا تھا۔

زیدان دونوں کے پاس اسٹیج سے اتر کر ملنے آیا۔

" ٹھیک ہیں بھابھی آپ ؟"۔ اس نے وجدان کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر صالحہ سے پوچھا۔

صالحہ نے مسکرا کر اثبات میں سر ہلایا۔

"آپ کو بہت مبارک ہوئی بھائی"۔ وہ اس کے لیے سچ میں خوش تھی۔

"جزاک اللہ بھابھی اور بتائیں"۔ زید نے ایک نظر اپنی دلہن کو اسٹیج پر دیکھا جو گھونگھٹ ڈالے بیٹھی تھی۔ صالحہ اور وہ دونوں اب آپس میں بات کر رہے تھے۔ وجدان سامنے ہال میں داخلے کی جانب دیکھتے ہوئے ان کی باتیں ساتھ ساتھ سن کر مسکرا رہا تھا۔ تقریباً نو بجے کا وقت تھا جب ہال کے دروازے سے ایک ایسی شخصیت داخل ہوئی جسے دیکھ کر وجدان کا رنگ اڑا۔ اس نے سرعت سے زید کو دیکھا۔

"زید تو نے یہ کیا کیا"۔ وہ زید کو کندھے سے پکڑ کر دھکیل کر کہا۔

"کیا ہوا بھائی ؟"۔ زید نے حیرانی سے اسے دیکھا۔

"تو نے اسے بلایا ہے ؟"۔ وجدان کی آنکھیں تیزی سے سرخ ہوئی تھیں۔

"کسے ؟"۔ اس نے حیرانی سے باہر دروازے کی جانب دیکھا تو خود بھی کھٹک گیا۔

www.urdunovelsmania.com

"مم۔میں نے اسے نہیں بلایا! بھلا میں کیوں بلانے لگا"۔اس نے آنکھیں پھاڑ کر ان کی طرف چل کر آتی لڑکی کو دیکھا۔

"تو پھر؟"۔وجدان سیدھا ہوا۔

"یہ تو اسی سے معلوم پڑے گا۔ویسے تمہیں پگھلنے کی ذرا ضرورت نہیں ہے! اپنی بیوی کے پاس جاؤ جو حالات سمجھنے کی کوشش کر رہی ہے"۔زید نے صالحہ کی جانب جانے کا اشارہ کر کے اسے

حکم دیا۔

"تو ساتھ چل میرے! میں جانتا ہوں وہ میرے پاس ضرور آئے گی جب صالحہ کو میرے برابر میں کھڑا دیکھے گی"۔وجدان زید کے ساتھ صالحہ کے قریب آیا۔

"کیا ہوا؟"۔صالحہ نے پریشانی سے پوچھا۔

"کک۔کچھ نہیں"۔وجدان ہکلایا۔

"ہیلو"۔اس نے زید کی جانب ہاتھ بڑھایا۔زید نے اس سے ہاتھ ملایا۔

"تم؟"۔زید کے لہجے میں سنجیدگی چھائی۔

"ہاں میں! سوچا تم نے تو بتایا نہیں تو خود ہی مل آؤں"۔وہ ہرے رنگ کے سوٹ میں گہرہ کاجل لگائے ہوئی تھی۔

"ہیلو مسٹر وجدان"۔ نگاہیں اس پر اٹھیں تو ہاتھ بھی آگے بڑھایا۔ وجدان کا دل گویا بند ہو گیا تھا۔ کیا اسے بھی ہاتھ بڑھانا چاہیے؟ وجدان نے یک ٹک اس کی طرف بڑھے اس کے ہاتھ کو دیکھا اور خود صالحہ کا ہاتھ اپنے ہاتھوں میں لے لیا۔ کندھے سے پکڑ کر اسے خود سے قریب لگایا۔ صالحہ کی کچھ سمجھ نہ آئی تھی اور وہ شرم سے چور سر بھی نہیں اٹھا پا رہی تھی۔

"میٹ مائی وائف! صالحہ وجدان"۔ اس نے مسکرا کر صالحہ کو آگے کیا۔ درشہوار نے پھیکی سی مسکراہٹ کے ساتھ ہاتھ پیچھے کیا۔

"او تو یہ ہے تمہاری بیوی"۔ اس نے صالحہ کو سر تا پیر دیکھا۔ "پتا چلا تھا مجھے کہ تمہاری شادی ہو گئی۔ سوچا تم سے بھی مل لوں"۔ صاف ظاہر تھا کہ وہ زبردستی مسکرا رہی تھی۔ زید کو پیچھے سے کسی نے آواز دی تو وہ اس کا کندھا دباتا اسٹیج پر چلا گیا۔ صالحہ کو اس لڑکی کا اپنے شوہر کے ساتھ اتنا بے تکلف ہونا ذرا نہیں بھا رہا تھا۔

"کیسی ہو صالحہ؟ میں تمہارے شوہر کی کبھی یونیورسٹی فیلو تھی!"۔ وہ مسکرا کر خود ہی اپنا تعارف کرنے لگی۔

"اوہ۔۔۔ اچھا اچھا"۔ اس نے وجدان کو دیکھ کر درشہوار کا جواب دیا۔

"اور بتاؤ وجدان؟ کیسے ہو کیا کر رہے ہو آج کل؟"۔ وہ اب اس سے مکمل باتیں کر رہی تھی۔ صالحہ کو وہ حد سے زیادہ بری لگی۔ اس نے یہ سوچ کر پانی کا بہانہ بنایا کہ وجدان اس

کے جانے پر درشہوار سے بات ختم کر دے گا مگر ایسا نہیں ہوا۔ وہ پانی پی کر وہیں واٹر کولر کے پاس کھڑی رہی۔ درشہوار اس سے باتوں میں مگن تھی اور وجدان سنجیدہ لہجے میں اس کی باتوں کا جواب دے رہا تھا۔ دس منٹ گزر گئے مگر وجدان نے پلٹ کر نہیں دیکھا کہ صالحہ کہاں ہے۔ صالحہ کا خیال خیال ہی رہ گیا۔ اس کا دل چاہا درشہوار کا منہ نوچ لے مگر ضبط بھی کوئی چیز ہوتی ہے۔ وہ بھلا ایسا کیسے کر سکتی تھی؟۔ وہ وہیں کھڑی رہی۔ نگاہیں بھٹک بھٹک کر دونوں پر جاتیں اور پھر وہ نظریں چرا لیتی۔ وجدان نے خود پر نگاہوں کی تپش محسوس کی تو گردن پھیر کر سامنے صالحہ کو اپنی جانب دیکھتا پایا۔ آنکھیں ملیں اور صالحہ ادھر ادھر دیکھنے لگی جیسے اسے کوئی فرق نہ پڑتا ہو۔ وہ پہچان گیا کہ وہ جیلس ہو رہی ہے۔ نا چاہتے ہوئے بھی اس کے لبوں پر مسکراہٹ گہری ہوئی۔ وہ درشہوار کی پوری بات سنے بغیر ہی چلتا ہوا اس کی جانب آیا۔ پیچھے کھڑی درشہوار نے اسے روکنا چاہا مگر وہ روک نہ پائی۔ وہ حق نہیں رکھتی تھی اسے روکنے کا۔۔۔ بے اختیار دکھ سے اس نے وجدان کو دیکھا اور ایک بار پھر پچھتانے لگی۔

وہ صالحہ کے پاس جا چکا تھا۔

"کیا مزہ نہیں آ رہا آپ کو یہاں؟"۔ وہ شریر مگر بظاہر سنجیدہ لہجے میں پوچھنے لگا۔ صالحہ ادھر ادھر دیکھنے لگی جیسے اسے کچھ ہوا ہی نہ ہو۔

"آپ کیوں آ گئے؟"۔ اس نے دور کھڑی درشہوار کو ایک نظر دیکھتے ہوئے پوچھا۔

"کیونکہ بیوی آپ ہیں! آپ کے پاس ہی تو آنا تھا"۔ وہ بھی ادھر ادھر دیکھتے ہوئے جواب دے رہا تھا۔ لبوں پر مسکراہٹ اب بھی قائم تھی۔

"کوئی ضرورت نہیں آپ کو میری پاس آنے کی۔۔۔ لگتا ہے درشہوار آپ کو بلانا چاہتی ہے۔ اسے باتیں کر آئیں"۔ مدھم آواز میں وہ نروٹھے پن سے کہتی اسٹیج کی طرف بڑھ گئی اور اسے تنہا کر گئی۔ اس نے وجدان سے ناراضگی مول لی تھی۔ وجدان نے نچلا لب دانتوں میں دبایا۔ اس نے پلٹ کر دیکھا تو درشہوار اب بھی اسے ہی دیکھ رہی تھی مگر وہ اب صرف صالحہ کو ہی دیکھنا چاہتا تھا۔ جو ماضی تھا اسے ماضی ہی رہنے دینا چاہتا تھا۔ اب وہ وقت نہیں تھا کہ وجدان شہوار کے لیے تڑپے۔ صالحہ کی یہ باتیں معمولی نہیں تھی۔ وہ دل میں اس کے لیے سچے جذبات رکھتی تھی وہ یہ جانتا تھا۔ بس اب آگے کی راہیں اتنی دشوار نہیں تھیں۔ وہ کھل کر ایک بار پھر مسکرایا تھا۔ تو کیا وہ اسے اس طرح چاہنے لگی ہے جیسے وہ چاہنے لگا ہے؟۔ دل کے رستے گزرتے دنوں کے ساتھ آسان ہوتے جا رہے تھے۔ عنقریب اسے اپنی منزل ملنے والی تھی۔

---★★---

زنجیر از قلم عینا بیگ

قسط ۱۶

سورج طلوع ہوا مگر حویلی میں آج نہ کوئی دھاڑا اور نہ لبوں کی حرکت پائی گئی۔

"ہم نے تمہارا رشتہ طے کر دیا ہے"۔ وہ تینوں خواتین آج ایک ساتھ پہلی بار افشاں کے کمرے میں موجود تھیں۔ افشاں نے عجیب طریقے سے بھنویں آپس میں ملا کر انہیں دیکھا۔ مطلب اب اس عمر میں؟ ایسا کیسا ہو سکتا تھا بھلا؟۔ سمیعہ نے اسے دو دن پہلے کا قصہ سنا دیا تھا۔ وہ خوش تھیں اور چاہتی تھیں کہ افشاں بھی خوش ہو مگر اس کا کہنا تھا کہ اب اس عمر میں وہ اپنی زندگی شروع کرے گی؟ جبکہ اسے تنہائی کی عادت ہو چکی ہے۔ اب وہ اپنے دل کی تمام خواہشات کو مار چکی ہے۔ طلعت نے اسے سمجھانا چاہا مگر اس کا دماغ صالحہ، شرجیل اور ان سب کی شادی پر تھا۔ وہ اس کے بھتیجے بھتیجیاں تھے۔ اس کا کہنا تھا کہ جہاں اس کے بھتیجوں کی شادی ہو گئی وہاں اب میرا شادی کرنا اچھا نہیں لگے گا۔

"وہ شخص تمہارے لیے آدھی زندگی حویلی میں گزار گیا افشاں۔ تمہارا جواب سن کر اسے بہت دکھ ہو گا افشاں۔۔۔ اپنا نہیں مگر اس کا تو سوچو! مر جائے گا وہ"۔ شمیلہ نے اس کے دونوں ہاتھوں کو تھام کر اس کی کنچی آنکھوں میں دیکھا۔ "جو لڑکی کبھی نہیں ڈری وہ یوں معاشرے میں بدنامی ہونے کا سن کر کیسے ڈر سکتی ہے؟ اور کونسی بدنامی؟۔ کیا نکاح کی

کوئی عمر بھی ہوتی ہے؟ ۔ اور تم تو اب بھی اتنی ہی خوبصورت ہو جتنی پہلے تھی ۔ عمر تمہاری اکیلے کی نہیں بڑھی! اس شخص کی بھی بڑھی ہے افشاں!"۔ انہیں بہت دکھ ہوا تھا ۔ وہ اٹھ کھڑی ہوئیں ۔

"مجھے بہت دکھ ہوا ہے! وہ وفا نبھاتا رہا اور تم اس کی وفاداری کا مان نہیں رکھ سکتی؟ ۔ ایسا نہ ہو ایک وقت آئے اور وہ یہ سوچنے پر مجبور ہو جائے کہ اس کی وفا رائیگا چلی گئی ہے ۔ تمہارے انکار کے بعد سب اپنی زندگیوں میں مگن ہو جائیں گے افشاں! ہو سکتا ہے بشارت بھی مایوس ہو کر اپنے گھر لوٹ جائے ۔ کیا کرو گی پھر؟ ۔ تمہارے انکار کے بعد تم سے کوئی پوچھنے والا نہیں ہو گا کہ تم کیا چاہتی ہو"۔

افشاں ان کی آنکھوں میں ہی دیکھ رہی تھی جیسے آنے والی صورت کا منظر دیکھ رہی ہو ۔ جب شمیلہ بھابھی کو اس کی طرف سے کوئی جواب نہ ملا تو کھڑی ہو گئیں ۔

"آ جائیں سمیعہ اور طلعت بھابھی! ہم نیچے چلتے ہیں ۔ لگتا ہے یہ محبت بھول چکی ہے یا پھر شاید اسے محبت نبھانا اور کرنا نہیں آتی ۔ بھلا ایسا ادھورا کون چھوڑتا ہے محبت کو؟ ۔ ایک عاشق کے پاس سچی محبت کو دل سے نکالنے کے لیے بس ایک ہی راستہ ہوتا ہے ۔ وہ صرف موت ہے ۔ مگر اسے ایک موقع دیا جا رہا ہے لیکن وہ پھر بھی ۔ ۔ ۔ "۔ وہ خفا خفا سی نگاہیں اس پر ڈال کر بات ادھوری چھوڑ کر سمیعہ بھابھی اور طعت کے ساتھ نیچے چل

دیں۔ افشاں ساکت رہ گئی۔ وہ جو اس عشق کا ذکر ابھی کر کے گئی ہیں وہ اس عشق کی قلندر ہے، ایک رقاصہ ہے۔ وہ یہ کیسے کہہ گئیں کہ اسے محبت کرنا نہیں آتی۔ جس کے نام پر آج تک بیٹھی ہے کیا یہ وفا نہیں؟۔ وہ اٹھی اور کھڑکی کھول کر باہر دیکھنے لگی۔ پھر وہی کنستر، پھر وہی شخص، پھر وہی پودے وہی گنگناہٹ۔ اس آواز میں آج بلا کی خوشی تھی۔ گویا لگتا تھا کہ پو سے بھی اس کے ساتھ جھوم رہے ہوں۔ وہ گہری سانس ہوا کے حوالے کرتی کسی کے بارے میں تفصیلی سوچنے لگی۔ فیصلہ کس کے حق میں کرے؟۔

---★★---

"آپ نے آج صبح مجھے اٹھایا نہیں؟"۔ وہ وقت دیکھتا ہوا بولا تھا۔ دس بج رہے تھے اور وہ کچن میں کھڑی ناشتہ بنا رہی تھی۔

"نہیں آپ میری وجہ سے روز تھک جاتے ہوں گے۔ اس لیے آج میں گھر پر ہی ہوں اور صبح اس لیے نہیں اٹھایا کیونکہ آپ آفس اکثر گیارہ بجے تک جاتے ہیں بس میری وجہ سے آج کل جلدی جانے لگے تھے"۔ وہ اسے دیکھ نہیں رہی تھی اور دیکھنا بھی نہیں چاہتی تھی۔ وجدان نے حیرانی سے بھنویں اچکائیں۔

"آپ نے میری وجہ سے آج اپنے اسکول اور یونیورسٹی کا ناغہ کرلیا؟ بھلا ایسا بھی کون کرتا ہے صالحہ۔ کبھی میں نے ایسے کہا کیا؟۔ نہیں نا؟ تو پھر خود سے تھوڑا کم اخذ کیا کیجیے"۔

وہ ناچاہتے ہوئے بھی تھوڑا بلند آواز میں بول گیا تھا۔ صالحہ یکدم پلٹی۔

"آپ سمجھتے ہیں میں جانتی نہیں! اور اچھی بات ہے نا آج آپ کو میری وجہ سے جلدی اٹھنا بھی نہیں پڑا"۔ اس کا لہجہ کچھ عجیب تھا۔

"مجھے کبھی آپ کی وجہ سے کوئی پریشانی نہیں ہوئی ہے۔ آپ کو ایسا کیوں محسوس ہوا؟"۔

وہ ماتھے پر بل ڈال کر بولا۔

"کیونکہ ایسا ہی ہے مسٹر وجدان"۔ اس کے ماتھے پر بھی بل نمودار ہوئے۔

"لگتا ہے مسز وجدان آپ صبح صبح مجھ سے لڑنا چاہتی ہیں"۔ اسے یکدم غصہ آیا تو دل کی بات زبان پر لانے سے خود کو روک نہ پایا۔

"میں لڑنا چاہتی ہوں؟۔ یا آپ نے صبح صبح آکر میرے سامنے بات شروع کی؟"۔ اس کی آواز بلند نہیں تھی مگر لہجہ سخت تھا۔

"کیا ہوتا جارہا ہے صالحہ آپ کو؟"۔ وہ حیران تھا۔

"یہی میں کل رات آپ سے پوچھنے والی تھی"۔ وہ اس کا در شہوار سے بات کرنا بھولی نہیں تھی۔

"آپ کو کب سے میرے معاملات میں اتنی دلچسپی ہونے لگی؟"۔ اگر یہ کوئی اور وقت ہوتا تو وہ ضرور اس کی اس بات پر مسکراتا۔

"مجھے کسی چیز میں دلچسپی نہیں ہے مسٹر وجدان"۔ اس کی آنکھیں نم ہونے لگیں۔

"بلکل! یہ آپ اور میں دونوں جانتے ہیں یہ رشتہ محض ایک مجبوری تحت قائم کیا گیا تھا"۔ وہ انجانے میں کیا بول گیا تھا۔ صالحہ نے جھٹکے سے سر اٹھا کر اسے دیکھا۔ اس کے لفظوں نے اسے ششدر کر دیا تھا۔ آنکھیں سے موٹے موٹے آنسو نکل کر گال پر بہنے لگے۔ اس کے آنسوؤں نے وجدان کو تھوک نگلنے پر مجبور کر دیا۔ اس کے لفظ بہت سخت تھے۔ وجدان کو احساس ہوا تو وہ لب بھینچ گیا۔ دل چاہا کہ وہ وقت واپس لے آئے جب یہ کلمات منہ سے نکلنے والے تھے۔ صالحہ نے اپنے آنسو صاف کیے اور زبردستی مسکرائی۔

"شکریہ یاددہانی کا! میں تو واقعی بھول گئی تھی۔ آئندہ آپ کو کوئی شکایت نہیں ملے گی"۔ وہ مسکرائی۔ اس نے اب کی بار گرنے والے آنسوؤں کو اپنے چہرے سے صاف کرنے کی زحمت نہیں کی اور کچن سے نکل گئی۔ سانسیں رکیں تو وجدان کی۔۔۔ وہ اس کی بیوی تھی۔ یہ باتیں وہ اسی سے کر سکتی تھی۔ وہ یہ کیا کر گیا تھا۔ کچن سے باہر نکل کر متلاشی آنکھوں سے اردگرد دیکھا مگر وہ کہیں نہیں تھی۔ یقیناً اوپر کمرے میں تھی۔ ایک گہری سانس خارج کرتا وہ وہیں صوفے پر بیٹھ گیا۔

---★★---

وہ کمرے میں داخل ہوا تو بستر پر نگاہ پڑتے ہی اس کے رونگٹے کھڑے ہو گئے۔ داجی آج بے یارومددگار بستر پر لیٹے تھے۔

"آپ کو کسی چیز کی ضرورت تو نہیں؟"۔ اس نے بڑھ کر پوچھا، تو انہوں نے بامشکل نفی میں سر ہلایا۔ وہ ان کے اوپر سے چادر ٹھیک کرتا باہر نکل آیا۔ آج دوسروں کے محتاج داجی کی کل اپنی حکومت تھی۔ جب سب ہاتھ میں تھا تو کچھ اچھا نہ کر سکے تھے۔ آج ہاتھ سے نکل گیا تو ہاتھ ملتے جا رہے ہیں۔

وہ چلتا ہوا باہر آیا تو کچن میں ہوتی کھٹ پٹ نے اسے وہاں شاہ جی کی موجودگی کا احساس دلایا۔ اسے حیرانی ہوئی تو وہ کچن کا دروازہ بجاتا اندر داخل ہوا۔

"آپ یہاں کیا کر رہے ہیں شاہ جی؟"۔ اسے حیرت ہوئی۔ وہاں ان کی شادی کا ذکر پوری حویلی میں چل رہا تھا اور یہاں وہ کھانا پکانے میں مصروف تھے۔ شاہ جی نے اسے دیکھا تو بے اختیار ہنس دیے۔

"اب ضروری تو نہیں کہ میں پوری حویلی سر پر اٹھا دوں"۔ وہ خوش تھے، یہ ان کا چہرہ بتا رہا تھا۔ شرجیل بے ساختہ مسکرایا۔

"ایسا کریں گے تو شادی کے بعد بھی کھانا بنانا پڑے گا"۔ وہ جیسے شرارتی لہجے میں بولا تھا۔

"تم شادی ہوجانے دو پھر دیکھنا! عمر کی کوئی بھی دہلیز ہو میں کھانا کیا جوتے بھی پالش کروں گا"۔ باچھیں کھل سی گئی تھیں۔ شرجیل نے ہنس کر سر جھٹکا۔

"ابھی افشاں پھپھو کی جانب سے جواب نہیں آیا بشارت صاحب"۔ وہ انہیں لاعلم نہیں رکھنا چاہتا تھا کہ دھچکا جب لگتا ہے تو سہا نہیں جاتا۔ ان کا چہرہ پھیکا ہوا۔

"میں جانتا ہوا ان کی طرف سے بھی مثبت جواب آئے گا"۔ وہ سالن میں چمچ گھما رہے تھے۔

"اور اگر نہ آیا؟"۔ شرجیل نے یہ سوال جان بوجھ کر کیا۔ پل بھر میں شاہ جی کا چہرہ زرد مائل ہوا۔

"ایسا سوال مت کرو جن کے جوابات مجھے آتے نہ ہوں"۔ سالن میں چلتا چمچ رک گیا۔

"میں خود بھی ان کی طرف سے آنے والے فیصلے کا منتظر ہوں"۔ وہ کہتا ان کا کندھا تھپتھپاتا باہر کی جانب مڑنے لگا۔ ابھی دہلیز عبور کر ہی رہا تھا کہ پیچھے سے بڑے چمچ کے گرنے آواز آئی اور ایک کراہ نکلی۔ وہ اپنے دل میں خدشہ لیے مڑا تو حیرت سے آنکھیں پھاڑیں۔ شاہ جی دل کو پکڑے کھڑے تھے اور ہاتھ میں موجود چمچ اب زمین پر گرا پڑا تھا۔

"شاہ جی"۔ وہ چیختا ہوا تیزی سے آگے بڑھا اور سہارا دے کر باہر باغ میں لے آیا۔

"بیٹھ جائیں آرام سے بینچ پر"۔ اس نے انہیں بیٹھنے میں مدد دی اور خود ان کے برابر میں بیٹھ گیا۔

"آپ پریشان مت ہو۔ اللہ سب بہتر کرے گا"۔ اس نے ساتھ ان کے کندھے تھپتھپائے۔ وہ اب تک اپنا سینہ مسل رہے تھے۔

"اگر اب کی بار بھی وہ مجھے نہ ملیں تو میں اس غم سے ہی مر جاؤں گا"۔ وہ کہتے کہتے رو پڑے۔

"نہیں شاہ جی! اب کی بار ایسا نہیں ہوگا۔ میں وعدہ کرتا ہوں۔ اگر پھپھی کی جانب سے انکار آیا تو میں پھپھو سے بات کروں گا۔ وہ مان جائیں گی جب مجھے دیکھیں گی۔ ان کی انکار کی وجہ ایک ہی ہو سکتی ہے اور وہ ہے خوف! اور ابھی تو کوئی جواب نہیں آیا ہے بشارت جی۔۔۔ ابھی کیا سوچنا اتنا؟"۔ وہ انہیں کوئی بچوں کی طرح سمجھا رہا تھا اور وہ اسے سن سن کر دل ہی دل میں مسکرا رہے تھے۔ وہ ان کے لیے بیٹوں جیسا تھا۔ اوپر کھڑکی پر لگے پردے کے اوٹ سے جھانکتی افشاں سب سن رہی تھی۔

"تم کتنی بڑی بڑی باتیں کرتے ہو۔ ابھی جیسے کل کی بات لگتی ہے جب تم میرے پاس آیا کرتے تھے اور درخت کی جانب اشارہ کر کے کہتے تھے کہ بشارت جی یہ گیند درخت میں

اٹک گئی ہے۔ درخت پر داجی کی چھڑی اچھال کر گیند نکال دیں۔ اور میں تمہیں آنکھیں بڑی کر کے دیکھا کرتا اور پھر سمجھاتا تھا کہ شرجیل مجھے بشارت جی نہیں شاہ جی کہا کرو ورنہ کوئی سن لے گا تو تمام رازوں سے پردہ اٹھ جائے گا۔ مجھے علم نہیں تھا کہ وہی چھوٹا لڑکا میرے قد کے برابر آکر اسی درخت کے نیچے بیٹھ کر میری کمر سہلائے گا اور مجھے باتیں سمجھائے گا"۔ وہ ہنستے ہنستے رونے لگے۔ شرجیل کا قہقہہ گونجا۔ وہ دونوں ایک دوسرے کے گہرے دوست تھے۔ عمر میں فرق جتنا زیادہ تھا، دوستی اتنی گہری تھی۔

"اور آپ کو یاد ہے پھر وہ چھڑی بھی گیند کی طرح درخت پر ہی رہ گئی تھی۔ ہم دونوں ہی ڈر گئے تھے اور وہاں سے بھاگ نکلے تھے۔ اس کے بعد کتنے ہی دنوں تک نہ داجی کی چھڑی ملی تھی اور نہ ہم درخت کے پاس بھٹکے تھے"۔ اس کے یاد دلانے پر وہ دونوں ساتھ ہنسنے لگے تھے۔

"اور یاد ہے ہم ساتھ والوں کے باغ سے آم توڑنے جاتے تھے؟۔ میں تمہیں درخت پر اچھال دیا کرتا تھا تاکہ تم اس پر بیٹھ کر آم توڑ کر نیچے پھینکو تاکہ میں پکڑ سکوں"۔ شاہ جی نے اس کے ہاتھ پر ہاتھ مارا اور ہنسنے لگے۔

"آپ کو صرف وہ لمحے یاد جس میں ہم نے مزے کیے تھے! اب ظاہر ہے آپ بڑے تھے اس وقت بھی تو اس باغ کے مالک نے آپ کو ہاتھ بھی نہیں لگایا تھا اور مجھے؟ مجھے اپنی مار سے بھون دیا تھا"۔ شرجیل انہیں وہ سنہرے پل یاد دلا گیا تھا۔

"اس وقت میں کافی جوان تھا اور اب دیکھو کتنا وقت گزر گیا ہے۔ تم بڑے ہو گئے ہو اور میں بوڑھا ہوتا جا رہا ہوں! مگر ہاں اس کا مطلب یہ بلکل بھی نہیں کہ میں سنکی بڈھا ہوں۔ میں اب بھی جوان ہوں! سفید بال میرے سر پر صرف تیس فیصد ہیں"۔ وہ بالوں پر اس طرح ہاتھ لگاتے ہوئے بولے کے شرجیل نے محبت میں آکر انہیں کھڑا کیا اور اپنے گلے سے لگایا۔

"آپ سے بہت یادیں جڑی ہیں"۔ وہ ان کی کمر ساتھ ساتھ تھپک رہا تھا۔ "آپ ہی تو میرے واحد اتنے گہرے دوست ہیں"۔ درخت کے سائے میں وہ دونوں ایک دوسرے سے لپٹے کھڑے تھے۔ وہ درخت جس سے ان کی یادیں جڑی تھیں۔ عمر میں فرق ضرور تھا مگر ایک دوسرے کے لیے ہمدردی اور دل میں محبت ایک جیسی تھی۔

---★★---

اس نے وقت دیکھا تو ٹھٹھک اٹھا۔ چار بج رہے تھے اور وہ یوں ہی کب سے لاؤنج میں بیٹھا ٹی وی دیکھ رہا تھا۔ یکدم صالحہ سے ہوا جھگڑا یاد آیا تو اٹھ کھڑا ہوا۔ اسے اب صالحہ کی

فکر ہونے لگی تھی۔ صبح جھگڑے کے بعد سے وہ اب تک اسے نظر نہیں آئی تھی۔ ایک عجیب سا خدشہ دل میں جنم لینے لگا۔ اس نے پینٹ کی جیب میں دونوں ہاتھ گھسائے اور لب بھینچتا تیزی سے اوپر چڑھنے لگا۔ اس کے کمرے کا دروازہ بند تھا۔ اس نے دروازہ زور سے کھٹکھٹایا۔ ایسا بھی کیا تھا جو وہ اتنے گھنٹے سے دروازہ بند کیے اندر بیٹھی تھی؟۔

"صالحہ دروازہ کھولیے"۔ جب اس کے کھٹکھٹانے پر اندر سے جواب نہ آیا تو اس نے صالحہ کو آواز دی۔

"صالحہ کیا کر رہی ہیں آپ؟؟؟۔ دروازہ کھولیے"۔ اندر ہلچل بھی نہ ہوئی تو وہ ڈر گیا۔ وہ اب دروازہ زور سے کھٹکھٹایا۔

"صالحہ مجھے ڈر لگ رہا ہے خدارا دروازہ کھولیں۔مجھے خوف آرہا ہے خدارا میری بات مان لیں!کیا کر رہی ہیں آپ اندر؟"۔ وہ اب چیخ رہا تھا اور ساتھ دروازہ پیٹ رہا تھا۔ اس کا دل پھٹنے کے قریب ہوا۔ "ایسا مت کریں صالحہ خدارا۔۔۔ کھولیں دروازہ"۔ اس نے سر کے بالوں کو ہاتھوں کی مٹھیوں میں جکڑا۔

"یہ میں نے کیا کر دیا۔ سب میری وجہ سے ہوا ہے"۔ اس نے غصے میں اپنے بال نوچ ڈالے۔

www.urdunovelsmania.com

"صالحہ میں اب کی بار دروازہ توڑنے لگا ہوں۔ میں خود کو معاف نہیں کر پاؤں گا اگر آپ نے اپنے ساتھ کچھ کیا تو"۔ وہ چیخ کر دروازے کی جانب بڑھا تو اسی وقت دروازہ کسی نے کھولا۔ وہ صالحہ ہی ہو سکتی تھی۔ وجدان نے دانت پیس کر دروازے کو دھکا دے کر اسے پورا کھولا۔ صالحہ سہم کر پیچھے ہوئی۔

"کیا کر رہی تھیں آپ؟؟"۔ وہ یکدم چیخا۔ سانسیں پھول رہی تھیں اور چہرہ غصے سے لال ہو رہا تھا۔ صالحہ کے چہرے سے صاف ظاہر ہو رہا تھا کہ وہ زیادہ وقت روتی رہی ہے۔

الفاظ گویا حلق میں ہی پھنس گئے۔

"بتانے کی زحمت کریں گی آپ؟۔ میں سمجھا آپ پھندے سے لٹک گئی ہیں! کچھ خیال ہے آپ کو دوسرے کے احساس کا؟۔ جان بوجھ کر ہمیشہ یونہی کرتی ہیں کیونکہ آپ جانتی ہیں ایسے حالات میں میری سانسیں سینے میں اٹک جاتی ہیں"۔ وہ بول نہیں رہا تھا۔ وہ چیخ کر دھیرے دھیرے اس کے قریب آ رہا تھا۔ صالحہ کی کنچی آنکھیں حیرت اور خوف سے پھٹنے لگیں۔ وجدان کا یہ رویہ اس کے لیے انوکھا تھا۔

"میں کچھ پوچھ رہا ہوں صالحہ میری پہلی آواز پر دروازہ کیوں نہیں کھولا آپ نے؟؟"۔ اس کا جواب نہ پا کر وہ پھر سے چیخا۔ صالحہ کی ہمت جواب دے گئی۔

"کیوں کھولتی آپ کی پہلی آواز میں دروازہ؟۔ میں مروں یا جیوں کیوں ہو رہی ہے آپ کو میرے معملات میں دلچسپی؟۔ میری فکر کرنے کی ضرورت نہیں ہے مسٹر وجدان!"۔ وہ سخت لہجہ اختیار کر کے بولی۔ وجدان نے اسے حیرت سے دیکھا۔ آج دونوں کا رویہ ہی مختلف تھا۔

"آپ میری ذمہ داری ہیں صالحہ!۔ آپ جانتی ہیں یہ۔۔۔"

"رشتہ محض ایک مجبوری کے تحت قائم کیا گیا ہے۔۔"اس نے فوراً سے اس کی بات کاٹی۔ وجدان نے اس لڑکی کو دیکھا جو اس کے قد میں اتنی چھوٹی سی تھی کہ اسے دیکھنے کے لیے بھی گردن ہلکی جھکانی پڑتی تھی۔ یا تو وہ چھوٹی تھی! یا پھر وجدان چھ فٹ کا تھا۔

"یہی کہا تھا نا آپ نے صبح؟۔مجھے یاد ہے ایک ایک لفظ!"۔ اس کی آواز رندھ گئی۔ وجدان تیزی سے اس کے قریب آیا۔ صالحہ نے پیچھے ہٹنا چاہا مگر پیچھے دیوار تھی۔ اس نے صالحہ کا بازو پکڑنا چاہا مگر وہ ایسا کر نہیں پایا اس لیے پیچھے ہو گیا۔

"میرے صبر کا امتحان لے رہی ہیں آپ"۔ وہ پوری قوت سے چیخ اٹھا۔ صالحہ نے اپنا چہرہ ہاتھوں میں چھپا لیا اور سسکنے لگی۔ اسے روتے دیکھ کر وہ ٹھٹھک گیا۔ پل بھر میں سارا غصہ ہوا کے نظر ہو گیا۔ یہ آنسو اس کی جان لے رہے تھے۔ اسے اپنے رویے پر

افسوس ہونے لگا۔ شاید وہ اس سے تنگ آگئی تھی۔ یا شاید وہ شہوار کی وجہ سے اب بھی غصہ تھی۔

"آپ کو شاید میری موجودگی، میرا آپ کے قریب آنا اور میرا کوئی سوال کرنا اچھا نہیں لگتا"۔ اس نے نگاہیں زمین پر ٹکائیں۔ صالحہ نے اس کی غلط فہمی پر جھٹکے سے سر اٹھایا۔ ایسا نہیں تھا جیسے وہ سمجھتا تھا۔

"جارہا ہوں میں۔۔۔ میں نہیں چاہتا آپ میری وجہ سے بے آرام ہوں"۔ اس نے گاڑی کی چابیاں اٹھائیں اور بستر سے اپنا کوٹ پکڑ کر تیزی سے نیچے چلا گیا۔ اسے خود سے دور جاتا دیکھ کر وہ تیزی سے اٹھی۔ وجدان اس کی وجہ سے گھر سے جا رہا تھا۔ ایک چھوٹی سی بات اتنی زیادہ بڑھ گئی تھی۔ اس نے تیزی کے ساتھ پردے کھڑکی سے ہٹائے اور باہر دیکھنے لگی۔ وہ گاڑی کا دروازہ کھول کر اندر بیٹھ رہا تھا۔ صالحہ کا دل زور زور سے دھڑکنے لگا۔ وہ چاہے اس سے جتنی بھی خفا تھی مگر وہ اس وقت خود بھی روہانسی ہو چکی تھی۔ اسے ایسا محسوس ہو رہا تھا جیسے کسی نے اس کا دل آری سے چیر دیا ہو۔ دل نے صدا دی کہ اسے روکا جائے مگر انا حاوی ہونے لگی۔ اس نے تھوک نگل کر چہرہ کھڑکی سے باہر کیا۔ وہ گاڑی اسٹارٹ کر رہا تھا۔ اس کا دل آج بہت دکھی ہو چکا تھا اور آج ہی اسے محسوس ہوا تھا کہ مجبوری میں کی گئی شادی زندگی بھر مجبوری ہی رہتی ہے۔ یہ خام خیالی کہ ایک دن سب

ٹھیک ہو جائے گا محض خیال ہی ہوتا ہے۔ مجبوری مجبوری ہی رہتی ہے۔ وہ مکمل ٹوٹ چکا تھا اور یہاں سے بہت دور جانا چاہتا تھا۔ جو لڑکی اسے پسند ہی نہیں کرتی، اس کے ارد گرد رہنے سے الجھن ہو! ایسے میں اس کے قریب رہنے کا بھی کوئی جواز نہیں تھا۔ صالحہ نے لب بھینچ کر اسے دیکھا جو گاڑی میں بیٹھا اسے ہی دیکھ رہا تھا۔ وہ چاہتی تو ہاتھ ہلا کر روک سکتی تھی، مگر یہاں انا آٹھہری تھی۔ وہ ساکت نظروں اور آوارہ لٹوں کے ساتھ اسے بس دیکھتی رہی۔ وہ بھی یک ٹک اسے تک رہا تھا۔ دل میں کہیں نہ کہیں امید کا جگنو تھا کہ وہ اسے روک لے گی مگر ایسا نہ ہوا۔ وہ کچھ لمحے یونہی اس کے اشارے، اس کے لبوں کی حرکت کا انتظار کرتا رہا مگر وہ بھی امید ہی رہی۔ اس نے آخر کھڑکی کی طرف سے نگاہیں موڑ لیں جہاں صالحہ اس پر نظریں ٹکائے کھڑی تھی۔ شام کی ہلکی ٹھنڈی دھوپ صالحہ پر پڑ رہی تھی۔ اس نے آخری بار صالحہ کو اس اداس شام میں دیکھا اور گاڑی ریورس کر لی۔ وہ جا رہا تھا اور صالحہ کا دل حلق میں آ چکا تھا۔ وہ کیوں نہ جان پائی کے محبت میں انا کی بات نہیں چلتی۔ کاش وہ اسے روک پائے۔۔۔ یا پھر وہ خود ہی اس کے جذبات جان کر رک جائے۔ بھلا وہ اسے کیسے بتاتی کہ اس کا یوں اس کی آنکھوں میں جھانکنا اسے بہت بھاتا ہے۔ اسکول کی چھٹی کے بعد اس کا انتظار کرنا اس کا پسندیدہ مشغلہ ہے۔۔۔ یونیورسٹی سے واپسی پر اس کے ڈھیروں میسجز "آپ کہاں ہیں، بس مل گئی، دروازہ لاک کر دے گا،

پریشان ہونے کی ضرورت نہیں" پر وہ دل کھول کر مسکراتی ہے۔ وہ کہاں جا رہا تھا؟ کیا وہ اس سب کے بعد پلٹنا چاہے گا؟۔ گاڑی گیٹ سے باہر نکل رہی تھی صالحہ کا دل بہت کچھ کہنا چاہتا تھا جیسے کہ ابھی مت جاؤ! پل بھر کو ٹھہر جاؤ۔ سنا ہے شام کے اچھے سفر نہیں ہوتے۔ کچھ لمحوں بعد ہی وہ اس کی نگاہوں سے اوجھل ہو چکا تھا۔ وہ وہیں کھڑکی کے پاس رکھی جھولتی چیئر پر بیٹھ گئی۔ اسے اپنے رویے پر ملال ہونے لگا۔ موسم خراب ہو رہا تھا۔ آسمان پر کالی گھٹا کا راج تھا۔ لگتا تھا کہ صالحہ کے غم آج پورا شہر رونے والا تھا۔ وہ جانتی تھی وہ پلٹے گا اس لیے کھڑکی کے پاس ہی بیٹھ گئی۔ اس نے گردن موڑ کر گھڑی دیکھی۔ پانچ بج رہے تھے۔ صالحہ نے برابر میز سے اپنی واچ اٹھائی اور وقت روک لیا۔ وہ اب اس کے آنے تک وقت نہیں دیکھنا چاہتی تھی۔ پانچ بجے کی رکی واچ دیکھ کر وہ اب یہ دیکھنا چاہتی تھی کہ وہ کب پلٹتا ہے۔

urdu novels mania
www.urdunovelsmania.com

---★★---

شرجیل کمرے میں داخل ہوا تو سامنے ٹیرس کا دروازہ کھلا دیکھ کر ٹیرس پر آگیا۔ رفاہ دیوار پر کہنیاں جمائے نم آنکھوں کے ساتھ کھڑی تھی۔ ماتھے پر بل ڈالے دور سے اس کا چہرہ دیکھنے لگا۔

"تم رو کیوں رہی ہو؟"۔ وہ اس کی اچانک موجودگی پا کر وہ چونک سی گئی۔

"آپ کب آئے؟"۔ اس نے آنکھیں جھپک کر انہیں ہاتھوں کی انگلیوں سے رگڑا۔

"میرے سوال کا جواب یہ نہیں ہے"۔ اس کی نگاہیں رفاہ کی نم آنکھوں پر جمی تھیں۔

رفاہ نے تھکی تھکی سی نگاہیں شرجیل پر ڈالیں۔

"مجھے گھر جانا ہے شرجیل۔ کیا آپ لے کر جائیں گے؟"۔ وہ سر اٹھا کر اسے امید سے دیکھنے لگی۔ وہ مان جائے گا اسے یقین تھا۔ شرجیل اسے ساکت نگاہوں سے دیکھتا رہا۔

"تم ملنا چاہتی ہو؟۔ پھر ٹھیک ہے میں ملوا کر لے آتا ہوں۔ آجاؤ"۔ اس نے اس کا ہاتھ پکڑا اور مڑنے لگا کہ رفاہ نے اس پر اپنی گرفت ڈھیلی کی اور پھر ہاتھ چھوڑ دیا۔ شرجیل ٹھٹھکا۔ اس کا یوں ہاتھ چھڑانا اسے قطعی بھایا نہیں تھا۔

"اب تو سب ٹھیک ہو رہا ہے۔ داجی کا خوف بھی نہیں جیسے پہلے تھا۔ آپ مجھے گھر ہی چھوڑ کر آجائیں"۔ شرجیل نے لب بھینچے۔ شاید وہ کچھ دن اپنے گھر رکنا چاہتی تھی۔ اس نے اثبات میں سر ہلایا اور تھوک نگلتا مڑنے لگا۔

"ٹھیک ہے میں نیچے ہوں۔ تم جلدی سے آجاؤ"۔ کہتا ساتھ نیچے چلا گیا۔ اب خبر نہیں وہ کتنے دن اس سے دور رہنے والی تھی۔ رفاہ ایک دم خوش ہو گئی تھی۔ اس حویلی سے نکل کر وہ آزادی کی سانس لینے والی تھی۔ وہ آزادی جو اس کے شوہر نے اسے شروع دن سے دی تھی۔ اس آزادی کے ہوتے ہوئے وہ باہر کی آزادی ڈھونڈنا چاہتی تھی۔

---★★---

"آپ کا فیصلہ جاننا چاہتے ہیں سب پھپھو"۔ وجیہہ نے اس کے آگے کھانا رکھتے ہوئے کہا۔ وہ خاموش رہی۔ صبح شرجیل اور شاہ جی کی گفتگو کا اثر اب بھی اس کے دماغ میں تھا۔

"آپ کب تک یوں خاموش رہیں گی؟۔ وہ شخص آپ کے جواب کا منتظر ہے افشاں پھپھو"۔ شجر دروازے سے لگی کھڑی تھی۔ انہوں نے ہاتھوں کے اشارے سے شجر کو جواب دیا۔ وجیہہ نے نا سمجھ آنے والے انداز میں شجر کو دیکھا۔

"یہ کیا کہہ رہی ہیں؟"۔ اس نے شجر سے پوچھنا چاہا۔ شجر نے افشاں کو دیکھ کر اثبات میں سر ہلایا اور وجیہہ کو دیکھ کر مڑنے لگی۔

"نیچے آجاؤ جیا۔ پھپھو کہہ رہی ہیں وہ کل تک اس بات کا جواب دیں گی"۔ اس نے چادر سر پر ڈالتے ہوئے بتایا اور مڑ گئی۔ وجیہہ نے پھپھو کو مسکرا کر دیکھا اور شجر کے ساتھ پیچھے ہولی۔

---★★---

"آپ یہاں اکیلی کھڑی ہیں؟"۔ وہ چھت کی منڈیر پر اس کے برابر آکر کھڑا ہوا۔ ثریا نے اس کی موجودگی پا کر گہری سانس لی۔ اس شخص کی باتیں اور سوچ! دونوں ہی نا سمجھ آنے والی تھیں۔

"جی"۔ وہ محض اتنا ہی کہہ پائی۔

"موسم بہت خوبصورت ہے"۔ اس نے بات کا آغاز کرنا چاہا۔

"جی اب تک تو تھا"۔ ثریا نے نگاہیں پھیر کر جواب دیا۔

"میرے آنے کے بعد تو حسین ہو گیا ہو گا"۔ نگاہوں میں شرارت واضح تھی۔

"جی نہیں۔۔۔ یہ حسن تو پہلے بھی آسمان بکھیر تا تھا"۔ اس نے اس کی بات غلط ثابت کرنی چاہی۔

"آپ سے کس نے کہا کہ میں آسمان کے موسم کی بات کر رہا ہوں؟"۔ اس نے مسکراہٹ چھپا کر اس کی طرف دیکھا۔ ثریا نے بھنویں اچکائیں جیسے پوچھ رہی ہو "پھر؟"۔

"میں تو دل کے موسم کا حال بتا رہا تھا"۔

"اور کس کے دل کا موسم؟"۔

"آپ کے؟"۔

ثریا ٹھٹکی۔

"آپ کے آجانے سے میرے دل کا موسم کیوں حسین ہونے لگا؟"۔ وہ اس سے تھوڑا دور ہٹ کر کھڑی ہوئی۔

"مگر میرے دل کا تو ہو گیا"۔ وہ اب بھی اطمینان سے اپنا ہاتھ سینے پر جما کر بولا۔

"آپ ڈھکی چھپی باتیں کم کیا کریں"۔ وہ لاحولا کا ورد کرتے ہوئے بولی۔ وہ اس کی تمام باتیں سمجھ رہی تھی۔

"آپ کیا سمجھ رہی ہیں؟"۔

"ہوسکتا ہے میں جو سمجھ رہی ہوں ویسا ہو ہی نہ"۔

"ہوسکتا ہے وہی ہو"۔ وہ تیزی سے بولا۔ ثریا نے اس کی جلد بازی دیکھی تو نا چاہتے ہوئے بھی ہنس پڑی۔

"آپ۔۔۔ آپ ہنس کیوں رہی ہیں؟۔۔ کیا آپ مجھ پر ہنس رہی ہیں؟"۔ وہ آنکھیں پھاڑ کر بولا۔

"نہیں میں آپ پر نہیں ہنس رہی"۔ اس نے اپنی مسکراہٹ چھپائی۔

"ویسے عموماً آپ رات کے پہر چھت پر موجود ہوتی ہیں۔ یہ شام کا کیا قصہ ہے لیلیٰ"۔

ثریا نے اس کے لیلیٰ کہنے پر گردن موڑی۔

"آپ کو کیا لگتا ہے میں یہاں کیا کرنے آئی ہوں؟"۔ اس سے گفتگو کرنے میں ثریا کو مزہ آنے لگا۔

"میں یہ نہیں کہوں گا کہ یہاں آپ دیوداس بننے آئی ہیں مگر۔۔۔" وہ ابھی جملہ مکمل کر ہی رہا تھا کہ ثریا لفظ دیوداس سن کر بھڑک اٹھی۔

"دیوداس ؟۔ میں یہاں اپنے گیلے بال سکھانے آئی ہوں۔ مجھے ابھی تیار بھی ہونا کیونکہ کچھ خاص مہمان آنے والے ہیں"۔ وہ خاص کہتے ہوئے مسکرائی تھی۔ شاہ زل کی سانسیں اٹکیں۔

"کون خاص مہمان جس کے لیے آپ اتنے پہلے سے تیاری کر رہی ہیں؟"۔

"کوئی دل والے ہیں"۔ اس کے لبوں پر تبسم پھیلا اور بادل میں چھپے سورج کو دیکھ کر مڑنے لگی۔ شاہ زل ٹھٹھکا۔

"ک۔کک۔کیا مطلب دل والے ہیں؟"۔ وہ تیزی سے اس کے پیچھے قدم بڑھاتا ہوا بولا۔

"آپ کیوں حواس باختہ ہو رہے ہیں؟"۔ وہ مسکرا کر جھٹکے سے مڑی تو وہ بلکل اس کے پیچھے ہی کھڑا تھا۔

"کون آرہا ہے ثریا؟"۔ اس کے ماتھے پر بل پڑے۔

"دل والے آرہے ہیں سجنا کو دیکھنے"۔ وہ کھلکھلاتی نیچے چلی گئی۔ شاہ زل کی سانسیں پھولنے لگیں۔ ناچاہتے ہوئے بھی ماتھے پر گہرے بل نمودار ہوئے اور وہ دانت پیستا نیچے آیا۔

"چچی کون آرہا ہے؟"۔ اسے سیڑھیوں پر شمیلہ چچی ملیں تو وہ ان سے پوچھنے وہیں رک گیا۔

"خاص مہمان"۔ وہ اس کے گال سہلاتی مسکرا کر بولیں اور سیڑھیاں چڑھنے لگیں۔

"پھپھو کون خاص مہمان ؟ ۔ جسے دیکھو ہر کوئی خاص مہمان کی رٹ لگا رہا ہے ۔ کوئی کیوں نہیں بتا رہا ہے کہ کون خاص مہمان" ۔ وہ تقریباً بلند آواز میں بولا تھا۔ پھپھو نے رک کر اسے پیچھے دیکھا۔

"مہمان آرہے ہیں لڑکی کو دیکھنے ۔ میں تم سے بعد میں بات کروں گی ابھی میں مصروف ہوں" ۔ وہ اسے تھپکتی اوپر مڑ گئیں ۔ شاہ زل کے دل میں اندیشوں نے جنم لیا ۔ باتوں سے صاف محسوس ہو رہا تھا کہ ثریا کو دیکھنے کچھ لوگ آرہے ہیں ۔ اس کی سانسیں پھولنے لگیں اور وہ نیچے آگیا ۔ لاؤنج میں شرجیل پیر پر پیر جمائے موبائل استعمال کر رہا تھا ۔ وہ اس کے پیچھے آیا اور اس کی گدی پر زور سے ہاتھ مارا۔ شرجیل نے گردن موڑی ۔

"شرجیل باہر آؤ" ۔ اسے اشارہ کرتے ہوئے وہ باغ کی طرف بڑھنے لگا ۔ شرجیل کو اس کا لال بھبھوکا چہرہ دیکھ کر حیرت ہوئی ۔ وہ رفاہ کے نیچے آنے کا انتظار کر رہا تھا ۔

"آرہا ہوں" ۔ اس نے پھر سے موبائل کی جانب نظریں مرکوز کیں ۔ پتا نہیں کب رفاہ اپنا بیگ بنا کر نیچے اترنے والی تھی ۔

"آرہا ہوں نہیں فوراً آؤ!" ۔ شاہ زل لاؤنج کے دروازے پر کھڑا ہوا ۔

"تجھے غصہ کیوں آ رہا ہے؟"۔ وہ اٹھ کر بیزاری سے اس کی جانب بڑھا۔ شاہ زل کچھ نہ بولا۔ وہ دونوں ہی اب باغ میں داخل ہو چکے تھے۔ آسمان گہرا کالا ہو رہا تھا۔ کالی گھٹا ہر جگہ چھائی ہوئی تھی۔ لگتا تھا سورج ڈھلتے ہی دھوار دھار بارش شروع ہو جائے گی۔

"کیا ہو گیا شاہ زل؟ غصہ کیوں آ رہا ہے؟"۔

"ثریا۔۔۔"۔ وہ غصے کے مارے صرف اتنا ہی کہہ پایا۔ شرجیل سمجھ گیا۔

"افو ہو اب کیا کہہ دیا اس نے؟"۔

ہلکی ہلکی بوندا باندی کی شروعات ہو چکی تھی۔

"میں اتنا قابو خود پر تیری وجہ سے کیا ہوا ہوں"۔ وہ انگلی اٹھا کر شرجیل کو دیکھتا ہوا بولا۔

"تم بتاؤ گے نہیں تو کیسے پتا چلے گا مجھے؟"۔

"مجھے لگتا ہے اسے کچھ لوگ دیکھنے آنے والے ہیں جس کے لیے وہ تیار ہو رہی ہے"۔ یہ کہتے ہوئے اس کا لہجہ اور سخت ہوا۔ شرجیل بے آنکھیں پھاڑیں۔

"ایسا کیسے ہو سکتا ہے؟"۔ وہ حیرت سے پوچھنے لگا۔

"میں بتا رہا ہوں شرجیل! اگر ایسا ہوا نا تو میں چھوڑوں گا نہیں"۔ وہ انگلی اٹھا کر اسے وارن کر رہا تھا۔

"کیوں بھائی میں نے کیا کر دیا اب! ایک تو تم لوگوں کے ساتھ کچھ ہوتا تو سب کا ذمہ دار میں بن جاتا ہوں"۔ اس نے کندھے اچکائے۔

"تیری وجہ سے میں ابھی تک صرف اس سے بات ہی کر رہا ہوں۔ رشتہ تو دیا نہیں میں نے کیونکہ تو نے کہا تھا پہلے اس کے دل جگہ بناؤ"۔

"افوہو! سب بہتر ہوگا"۔ اس نے اسے تسلی دینی چاہی۔

"اگر کوئی ثریا کو دیکھنے آیا تو میں حویلی کی اینٹ سے اینٹ بجا دوں گا"۔ اس کا ہاتھ اپنے کندھے سے جھٹکتا ہوا بولا۔

"میں اس حویلی کی اینٹ پہلے ہی بجا چکا ہوں"۔ شرجیل کا قہقہہ گونجا۔

"ٹھیک ہے تم میری باتیں مذاق میں اڑاؤ۔ اگر ایسا کچھ ہوا نا تو تم دیکھنا مہمانوں کی خاطر تواضع میں کیسے کرتا ہوں"۔ وہ مڑنے لگا کہ شرجیل نے اس کندھے سے پکڑ کر روکا۔

"میں ابھی رفاہ کو چھوڑنے جا رہا ہوں اس کے گھر!۔ میرے آنے سے پہلے کچھ مت کرنا اور اب تو مجھے نہیں لگتا کوئی مہمان آئے گا۔ چچی فون پر کسی سے بات کر رہی تھیں۔ مجھے علم نہیں تھا کہ وہ اس بارے میں ہی بات کر رہی ہوں گی۔ موسم کی خرابی کے باعث وہ کل آئیں گے شہزادے"۔ کہتا ساتھ اس کے کندھے تھپتھپاتا وہ باغ میں آتی رفاہ کی طرف

بڑھ گیا۔ شاہ زل نے کوئی جواب نہ دیا اور اندر چلا گیا۔ بوندا باندی نے شدت اختیار کر لی تھی۔

"لگتا ہے بارش کچھ دیر میں تیز ہو جائے گی۔ ہمیں رک جانا چاہیے"۔ رفاہ نے آسمان کی جانب دیکھتے ہوئے کہا۔

"نہیں ابھی موسم زیادہ خراب نہیں ہوا ہے۔ آجاؤ"۔ وہ کہتا باہر گاڑی کی طرف جانب بڑھنے لگا۔

---★★---

شہر کا موسم بہت زیادہ خراب تھا۔ تیز برستی بارش میں وہ ایک سنسان جگہ پر کھڑا مکمل بھیگ چکا تھا۔

"اگر اس کے دل میں میرے لیے کوئی جذبات نہیں ہیں تو وہ گزری ہوئی رات شہوار کو دیکھ کر چڑ کیوں رہی تھی؟۔ مگر شاید اس کو میرا قریب آنا نہیں بھاتا۔ وہ صبح اتنی بھنی کیوں بیٹھی تھی؟"۔ وہ مکمل سوچوں میں ڈوبا ہوا تھا۔ "کیا اسے کل رات میرا شہوار سے گفتگو کرنا صبح تک یاد تھا؟۔ اس نے کبھی بھی ایسا رویہ اختیار نہیں کیا مگر آج کیوں؟۔ سب میری غلطی ہے۔ مجھے اس پر چینخنا نہیں چاہیے تھا۔ وہ ناراض ہے وجدان تم سے۔ اسے کیسے مناؤں میں؟۔ کیا کرنا چاہیے مجھے؟۔ کیسے بتاؤں صالحہ کو کہ میں۔۔۔ میں۔۔۔۔"۔ وہ خود

بھی آگے نہیں سوچ پا رہا تھا۔ "شہوار کچھ نہیں ہے اب میری۔۔۔ وہ ماضی ہے صرف!۔ وہ گھر میں اکیلی ہوگی۔ ہوسکتا ہے میرا انتظار کر رہی ہو۔ اس کا میرے قریب آنے پر حیا سے نظریں جھکانا جھوٹ نہیں ہوسکتا۔ وہ تبسم کا لبوں پر پھیل جانا فریب تو نہیں۔ وہ احساس اور جذبات جھوٹے تو نہیں۔ ایسا نہ ہو ایک دن ہم دونوں ایک دوسرے کے لیے جذبات رکھتے ہوئے بھی ایک دوسرے سے بدظن ہوجائیں۔ مجھے کیا کرنا چاہیے؟"۔ وہ حل سوچنے لگا۔ شہر کالے آسمان سے گھرا ہوا تھا۔ محسوس ہوتا تھا کہ طوفان آنے والا ہے۔ اچانک ایک تدبیر دماغ میں آئی اور وہ کھل کر مسکرایا۔ اسے اب دیر نہیں کرنی چاہیے تھی۔ وہ جلدی سے گاڑی کے بونٹ پر سے اترا اور گاڑی کا دروازہ کھول کر اندر بیٹھا۔ بجلی کی کڑک سے پورا شہر گونج رہا تھا۔ وہ گاڑی اب تیز چلا رہا تھا شہر بھیگ رہا تھا اور سڑکوں پر پانی تھا۔ اس نے پھولوں کی دکان کے آگے گاڑی روکی۔

"کیا یہاں پھول ہوں گے؟"۔ وہ لمبا سا کوٹ پہنا ہوا تھا۔ بجلی کڑک اس کی آواز کو دبا رہی تھی۔ تیز ہوا اس کے کوٹ کو اپنی سمت کھینچ رہی تھی۔

"یہ پھولوں کی ہی دکان ہے بچے"۔ وہ ایک لمبے کوٹ میں موجود بوڑھا شخص تھا جواب مسکرا کر بتا رہا تھا۔

"اوہ جی جی۔۔۔" وہ بھی جواباً مسکرایا۔ "مجھے ایک بہت خوبصورت سا بکے ملے گا؟"۔ وہ ان پھولوں کے درمیان کوئی مہکتا پھول ڈھونڈ رہا تھا۔

"یہ گلاب کے پھول ہیں۔۔۔" اس بوڑھے دکان دار نے ایک چھوٹا بکے آگے بڑھایا۔

"یہ تو واقعی خوبصورت ہے"۔ وجدان نے اس اپنے چہرے کے قریب کیا۔

"ہاں ابھی تک تو ہے۔ یہ بارش ان پودوں کے لیے جہاں مفید ہیں وہی یہ بارش انہیں تباہ بھی کر سکتی ہے۔ اگر یہ زیادہ بارش میں نہائے تو ختم نہ ہو جائیں کہیں۔ لگتا ہے آج کا کاروبار میرا بارشوں کی نظر ہو جائے گا"۔ وہ اس مشکل گھڑی میں بھی مسکرا رہے تھے۔

"انکل خدا خیر کرے گا"۔ اس نے جیب میں سے جلدی جلدی پیسے نکال کر دیے کہ کہیں وہ بھیگ نہ جائیں۔

"یہ پیسے تو پھولوں کی قیمت سے بھی زیادہ ہیں میرے بچے؟"۔ وہ ہاتھ میں پکڑے پیسے کو حیرانی سے دیکھتے ہوئے بولے۔

"یہ میری طرف سے ہیں۔ مجھے اپنا بیٹا سمجھ کر یہ پیسے قبول کریں۔ اللہ آپ کا حامی و ناصر ہو"۔ وہ کہتا تیزی سے پلٹا۔ "لگتا ہے آج کی رات شہر بھیگ جائے گا۔ مجھے جلد از جلد گھر پہنچنا ہے۔ شاید وہ میرا انتظار کر رہی ہو"۔ وہ ہاتھ ہلاتا مسکراتا ہوا گاڑی میں بیٹھنے لگا۔

"اللہ کرے جس کے لیے تم نے یہ پھول لیے ہیں وہ تمہیں ناامید نہ لوٹائے"۔ اس ادھیڑ عمر شخص نے اسے دل سے دعا دی تھی۔

"بس خدا کرے ایسا ہی ہو"۔ وہ آمین کہتا گاڑی اسٹارٹ کرنے لگا۔

---★★---

کھڑکی کے اندر آتی بارش اسے بھگا رہی تھی اور وہ پریشان نگاہوں سے وجدان کا انتظار کر رہی تھی۔ دن ڈھل رہا تھا اور کالے بادلوں نے وقت سے پہلے رات کا سما بکھیر دیا تھا۔ اس کا دل ہول اٹھا رہا تھا۔ وجدان ابھی تک نہیں آیا تھا۔ بجلی کی آواز جہاں اسے خوف دے رہی وہاں وجدان کے لیے ہوتی فکر بڑھ رہی تھی۔ دل خدشات ظاہر کر رہا تھا۔ رات ہوگئی تھی مگر وہ لوٹا نہیں۔۔۔ اس کے آنکھوں سے ٹپ ٹپ آنسو گرنے لگے۔ اسے کیا کرنا چاہیے؟ مجبوراً کھڑکی بند کرنا پڑی کیونکہ بارش کا پانی کمرے میں کھڑکی کے ذریعے داخل ہو کر فرش گیلا کر رہا تھا۔ بارش اور ہوا اتنی تیز تھی کہ وہ کھڑکی سے کچھ دور بھی دیکھ نہیں پا رہی تھی۔ اس نے گھر کے تمام کمرے کی کھڑکیوں سے باہر جھانکا، مگر جب وہ نظر نہ آیا تو کھڑکیاں بند کر دیں۔ دھواں دھار بارش اور بجلی کی آواز اتنی تیز تھی کہ برابر کمرے میں بجتے فون کی آواز بھی اسے نہ آسکی۔ تقریباً پندرہ منٹ بعد اس نے بستر سے موبائل اٹھایا تو اس میں وجدان کی تین مس کالز اب تک آچکی تھیں۔ اس نے خود کو جی بھر کر کوسا کہ وہ

اس کی کالز کی آواز نہ سن پائی۔ نجانے وہ کس حال میں تھا۔ سڑکیں بارش کے باعث سنسان تھیں۔ اس نے وجدان کو کال بیک کرنا چاہا مگر وجدان کا فون بند ہونے کی خبر ملی۔ اس کا دل گویا حلق میں آگیا۔ اس نے میسج باکس دیکھا تو وجدان کا موصول ہوا میسج دیکھ کر جان میں جان آئی۔

"میں ٹھیک ہوں"۔ اس کا آیا ہوا تین لفظوں کا میسج صالحہ کو اطمینان دلا گیا۔ وہ بستر پر ٹیک لگا کر اطمینان سے بیٹھ گئی۔

"ممکن ہے کہ وہ قریب میں اپنے دوست کے گھر ٹھہر گئے ہوں"۔ وہ خود سے کہتی بستر پر لیٹ گئی تھی۔ دن بھر کی تھکی ہاری جب نرم بستر پر لیٹی تو منٹوں میں نیند نے اسے آلیا۔ وہ اس بات سے انجان تھی کہ اس کا مجازی خدا باہر پانی سے بھری سڑک پر کھڑا اسے آوازیں دے رہا ہے تاکہ وہ اندر آسکے۔

---★★---

وہ دروازہ زور سے بجا رہا تھا مگر بجلی اور بارش کی آوازوں کے درمیان اس کی یہ آواز دب رہی تھی۔ ہاتھوں میں پھولوں کے بکے پکڑا وہ بے بس کھڑا تھا۔۔۔ بہت رات ہو گئی تھی اور اب شاید صالحہ سو چکی تھی۔ آخر جب وہ تھک گیا تو گیٹ سے ٹیک لگائے زمین پر بیٹھ گیا۔ صبح غصے میں وہ گھر کی چابی لے جانا بھی بھول گیا تھا۔ ٹھنڈ اسے کپکپانے پر مجبور کر رہی

تھی۔ وہ لمبا کوٹ اب مکمل گیلا ہو چکا تھا۔ بکے سینے پر کس کر پکڑتے ہوئے وہ وہیں بیٹھے بیٹھے جب تھک گیا تو سو گیا۔ وہ پھول مرجھا جائیں گے وہ جانتا تھا۔ گاڑی راستے میں ہی کہیں خراب ہو گئی تھی اس لیے وہ اس لاک کر کے آدھا راستہ پیدل آیا تھا۔ نجانے اس میں کون سی مصلحت تھی؟۔ صبح چھ بجے اس کی آنکھ ہلکی ہلکی روشنی سے کھلی۔ اس نے وقت کا اندازہ لگایا اور اٹھ کھڑا ہوا۔ کل رات اس کا شہر بارش میں بھیگ گیا تھا۔ کل رات کب بارش رکی تھی اسے علم نہ ہو سکا۔ کپڑے اب بھی بھیگے ہوئے تھے البتہ سڑک پر پانی گزری رات کے مقابلے میں کم تھا۔ یہ سوچ کر کہ صالحہ معمول کے مطابق اٹھ چکی ہو گی وہ پھر سے دروازہ بجانے لگا۔

نماز میں اس کے لیے دعا مانگتی صالحہ نے اس کی آواز سنی تو بھاگتی ہوئی نیچے آئی اور دروازے پر لگا تالا کھولنے لگی۔ وہ بکے جو اس کے ہاتھ میں تھا وہ اب خراب ہو چکا تھا۔ وجدان نے ایک نظر اس بکے پر ماری اور اندر سے دروازے کھولتی صالحہ کو محسوس کیا۔ وہ بکے اب اس لائق نہیں رہا تھا۔ ایک دو قدم پیچھے رکھا علاقے کے ڈسٹ بن میں اس نے وہ اچھال کر پھینک دیا۔ دروازہ کھلا تو صالحہ نے باہر جھانکا۔ وہ پلٹ کر دروازے کی جانب آ رہا تھا۔ وہ تھوک نگل کر پیچھے ہوئی تو وہ اندر داخل ہوا۔

"آپ ٹھیک ہیں؟"۔ اس نے نظریں جھکائی صالحہ کو دیکھا۔ صالحہ نے بات سن کر اثبات میں سر ہلایا تو اسے اطمینان محسوس ہوا۔

"آپ؟"۔ کل کی رنجش بھلائے وہ اس سے بہت نرمی سے پوچھ رہی تھی۔

"مجھے کیا ہونا ہے"۔ وہ جیسے خود سے خفا تھا۔ شاید اس لیے استہزایہ ہنسا تھا۔ صالحہ کو اس کا لہجہ عجیب لگا تھا۔ وہ اس سے کوئی گفتگو کیے بنا اوپر چلی گئی۔ وہ ظاہر نہیں کرنا چاہتی تھی کہ وہ اس کے لیے کل پوری رات پریشان رہی ہے۔ اسے اوپر جاتا دیکھ کر وجدان کو محسوس ہوا کہ وہ اب بھی اس سے سخت خفا ہے۔ اس نے نہا دھو کر کپڑے تبدیل کیے۔ بھوک کی شدت سے پیٹ آوازیں کر رہا تھا۔ صالحہ کو ادھر ادھر تلاش کیا مگر شاید وہ اسٹڈی روم میں تھی۔ یہ سوچتا ہوا کچن میں داخل ہوا کہ کاش وہ اسے ناشتہ بنا دیتی۔ تھکن سے چور وہ کچن میں کھڑا اپنے لیے انڈہ فرائی کر رہا تھا۔ اتنے میں صالحہ کچن میں آئی۔

"میں نے اپنے لیے ناشتہ بنایا تھا مگر اب مجھے بھوک نہیں۔۔۔ میں نے اسے ڈھانپ دیا تھا۔ آپ وہ کھا لیں۔ خوامخواہ رزق کا ضیاع ہوگا"۔ وہ اسے ٹرے کی طرف اشارہ کرتی پھر سے مڑ گئی۔ وجدان نے ٹرے پر سے تینوں پلیٹیں اٹھائیں تو اس میں گرم گرم پراٹھا، انڈہ اور چائے رکھی تھیں۔ خوشبو سے جہاں اس کی بھوک بھڑکی وہیں وہ یہ سوچ کر بجھ سا گیا کہ کیا جاتا اگر وہ اس کا دل رکھنے کے لیے یہ ہی کہہ دیتی کہ اس نے وجدان کے لیے ناشتہ بنایا

ہے۔ جلدی جلدی ناشتہ حلق میں اتارتا وہ کمرے میں چلا آیا۔ کھڑکی کھلی ہوئی تھی اور صالحہ بستر پر بیٹھی اپنا اسائمنٹ بنا رہی تھی۔

"سات سے اوپر ہو رہے ہیں۔ آپ کو اسکول چھوڑ کر آنا ہے؟"۔ یہ سوچے بغیر کے گھر کے باہر گاڑی نہیں ہے وہ اس سے بات کرنے کی کوشش کرنے لگا۔

"جی نہیں"۔ اس نے نفی میں سر ہلایا۔

"آپ کی ریپوٹیشن اچھی نہیں جائے گی اسکول میں"۔ نیند سے آنکھیں بند ہونا چاہتی تھیں مگر وہ زبردستی انہیں کھول کر بیٹھا تھا۔

"شہر بھر میں بارش کے باعث اسکول کی جانب سے تعطیل کی اطلاع آئی ہے"۔ وہ اسے نہیں دیکھ رہی تھی۔ بلکہ فائلز پر لکھتے ساتھ ہی جواب دے رہی۔ وہ "ہونہہ" کرتا بستر پر گرنے کے انداز میں لیٹا اور آنکھیں موند لیں۔ صالحہ نے اسے سوتے دیکھا تو اپنے کاغذات اٹھاتی، لائیٹ بند کرنے لگی۔ وہ اب اسٹڈی روم میں پڑھنے جا رہی تھی۔

"لائٹ بند مت کیجیے گا۔ آپ آرام سے یہیں پڑھ لیں۔ معافی چاہتا ہوں بے دھیانی میں بستر پر ہی لیٹ گیا"۔ وہ ادھ کھلی آنکھوں سے تکیہ لے کر اٹھا اور صوفے پر جا لیٹا۔ آج تھکن کا کچھ اور ہی معیار تھا۔ بال بکھرے ہوئے اور بدن تھکن سے چور۔ صالحہ کے دل میں آیا کہ اس سے کہے کہ بستر پر ہی آپ آج سو جائیں میں صوفے پر بیٹھ کر پڑھ لوں گی، مگر

کہنے کی ہمت نہ ہوئی۔ اس کے صوفے پر لیٹ جانے پر وہ پھر سے بیڈ پر بیٹھ گئی۔ اس نے اٹھ کر لائیٹ بند کی تو وجدان نے آنکھیں کھول دیں۔ وہ نہیں چاہتا تھا کہ وہ اس کی وجہ سے کسی دوسرے کمرے میں جائے۔

"آپ نے لائیٹ کیوں بند کی؟"۔ خمار آلود لہجے میں وہ پوچھ رہا تھا۔

"کیونکہ میں سائیڈ لیمپ جلا رہی ہوں"۔ وہ مدھم آواز میں کہتی ہوئی سائیڈ لیمپ اپنے آگے رکھ کر جلانے لگی۔ اس لیمپ سے نکلنے والی روشنی اس کے پڑھنے کے لیے کافی تھی۔

وجدان نے ایک نظر اسے دیکھا اور آنکھیں موند لیں۔ آنکھیں بند کرتے ہوئے نظروں میں آخری بار اس کا چہرہ آیا تھا۔ وہ اب بنا کسی کو سوچے نیند کی وادیوں میں اتر چکا تھا۔

---★★---

urdu novels mania
www.urdunovelsmania.com

زنجیر از قلم عینا بیگ

قسط ۱۷

وہ کچن میں صبح کے برتن دھو رہی تھی۔ ساتھ ساتھ نگاہیں گھڑی کو بھی اٹھ رہی تھی۔ چار بج چکے تھے اور وجدان ابھی تک سویا ہوا تھا۔ بارش کے باعث سردی اور زیادہ بڑھ چکی تھی۔ اس نے لمبا سا کوٹ پہن رکھا تھا اور مفلر کو گردن میں لپیٹا ہوا تھا۔ میلے کپڑوں کی ٹوکری

بھری ہوئی دیکھی تو یاد آیا کہ آج اسے مشین لگانی تھی۔ اتنی سخت سردی میں پانی میں ہاتھ ڈالنا محال تھا مگر وہ کام جمع کر کے انہیں بڑھانا نہیں چاہتی تھی۔ اس نے مشین لگائی اور کپڑے دھونے لگی۔ دھوپ کا نام و نشان نہیں تھا۔ آسمان مکمل صاف تھا۔ پرندوں کی چہچہاہٹ اسے مسکرانے پر مجبور کر رہی تھی۔ فضا میں سکون طاری تھا۔ اس نے خود سے تہیہ کیا تھا کہ آج وہ تمام میلے کپڑے دھو دے گی۔ گھر کی صفائی وہ صبح ہی کر چکی تھی۔ اتنا بڑا گھر تھا اور آج تو ملازمہ کا آنا بھی موسم کے باعث ناممکن تھا لگ رہا تھا۔ تیز ہوا اسے ساتھ کپکپانے پر مجبور کر رہی تھی، مگر وہ خود کو کچھ نہ ہونے کا احساس دلا رہی تھی۔ اس نے چہرہ اوپر کر کے اپنے کمرے کی کھڑکی کی جانب دیکھا جو کھلی ہوئی تھی۔ سخت ٹھنڈی ہوا کا جھونکا اس چھو کر گزرا تو اس کے دانت بج اٹھے۔ ہوا تیز تھی اور کمرے کی کھڑکی کھلی ہوئی تھی۔ یقیناً وہ ٹھنڈ سے کانپ رہا ہوگا۔ کہیں وہ بیمار نہ ہو جائے! یہ سوچ کر وہ اوپر بڑھی۔ وہ دنیا سے بے خبر بہت گہری نیند میں تھا۔ ایک ہلکی سی چادر جو اس نے اپنے وجود پر ڈالی ہوئی تھی ٹھنڈ کو روکنے کے لیے ناکافی تھی۔ صالحہ نے بستر سے موٹا لحاف اس کے اوپر ڈال دیا۔ اس کے بال اس کے چہرے پر گرے پڑے تھے۔ وہ ابھی کپڑے دھو کر آئی تھی اس لیے اس کے ہاتھ گیلے تھے۔ وہ وہیں اس کے ہاتھ کی طرف صوفے پر بیٹھ گئی۔

صالحہ نے بڑھ کر اس کے بالوں کو پیچھے کیا اور اس کا ماتھا چھوا جو بخار سے تپ رہا تھا۔

وجدان نے گیلیے ہاتھ خود پر محسوس کیے تو ٹھنڈ سے آنکھیں کھول بیٹھا۔ نیند سے لال ہوتی آنکھیں جب اس پڑیں تو وہ حیران رہ گیا۔ وہ اس کے ماتھے پر ہاتھ رکھے ہوئے تھی۔ صالحہ نے اس کی آنکھ کھلنے پر ہاتھ دور کیا۔ وہ اس وقت وجدان کے بہت قریب بیٹھی تھی۔ وجدان کے لیے یہ سب ایک خواب جیسا تھا۔ اس پر ایک پریشان نگاہ ڈال کر وہ فرسٹ ایڈ باکس لینے بھاگی۔ وہ گم صم سا لیٹا ہوا تھا۔ واپس آنے تک وجدان ویسے ہی ششدر لیٹا تھا۔

"یہ دوا"۔ اس نے ٹیبلٹ اور پانی کا گلاس اس کے آگے رکھا۔ وہ جو کچھ سمجھنے سے قاصر تھا اسے ہی تکتا رہا۔ صالحہ کو محسوس ہوا وہ نیند میں ہے اور اس کا دماغ مکمل سویا ہوا ہے اس لیے وہ بات سمجھ نہیں پا رہا۔ اس نے فرسٹ ایڈ باکس میں سے تھرمامیٹر نکالا اور وجدان کے گال ہلکے سے تھپتھپائے۔

"یہ تھرمامیٹر منہ میں رکھیں آپ کا بخار چیک کرنا ہے"۔ وہ سن لیٹا اب اس کے حکم کی تکمیل کرنے لگا۔ وہ اس سے ناراض تھی یہ بات وہ بھولی بیٹھی تھی۔ اپنی ناراضگی کے پیچھے وہ وجدان کو گنوا نہیں سکتی تھی۔

"تم یہاں کیوں بیٹھی ہو؟ ۔ تت ۔ تمہیں تو ۔ ۔ ۔ ومیں پپ ۔ پسند ہی نہیں" ۔ وہ نقاہت کے مارے کچھ بھی بولا جا رہا تھا ۔ صالحہ نے نگاہیں اٹھا کر اسے دیکھا ۔ وہ نیند میں بھی پوری باتیں کر رہا تھا ۔

"بخار چیک کرنے دیں مجھے" ۔ اس نے ایک ڈیڑھ منٹ بعد اس کے منہ سے تھرمامیٹر نکالا اور چیک کرنے لگی ۔ ایک سو چار بخار دیکھ کر اس کی بتی گل ہو گئی ۔ اس نے تھوک نگل کر وجدان کو دیکھا جو پھر سے آنکھیں موند گیا تھا ۔

"دوائی کھائیں ۔ ۔ ۔ میں ڈاکٹر کو بھی گھر بلاتی ہوں ۔ اب معلوم نہیں کہ اس موسم میں ڈاکٹر آتے بھی ہیں کہ نہیں" ۔ وہ اتنا کھل کر اس لیے کہہ رہی تھی کیونکہ وہ جانتی تھی وہ نیند میں ہے ۔

"تم بیویاں بہت تنگ کرتی ہو" ۔ اس نے بمشکل آنکھیں کھول کر ٹوٹے لفظوں میں کہا تھا ۔

"پتا نہیں کتنی اور بیویاں ہیں" ۔ صالحہ نے طنز کرتے ہوئے سوچا ۔

"دوائی کھانی ہے اٹھیں" ۔ اس نے اس کے گال تھپتھپائے ۔

"دو" ۔ وہ بمشکل اٹھ کر بیٹھا تو صالحہ نے اسے دوائی کھلائی ۔ پانی حلق میں انڈیل کر وہ پھر سے لیٹ گیا ۔ آنکھیں نیند کے باعث فوراً بند ہو گئیں ۔ وہ اٹھ کر اس کو لحاف اوڑھانے

urdu novels mania www.urdunovelsmania.com

لگی۔ "میں سوپ بنا کر لاتی ہوں"۔ ایک فکرمند سی نگاہ اس پر ڈال کر اس کے بالوں پر ہاتھ پھیرنے لگی۔ وہ ناراض تھی مگر بے حس نہیں۔۔۔ وہ اس کا شوہر تھا۔ اس کے بنا وہ کچھ نہیں تھی وہ یہ جانتی تھی کیونکہ ایک وہی تو اس کی زندگی کا پہلا مرد تھا جس نے اسے سب سے زیادہ عزت دی تھی۔ لگتا تھا مشین اب بند کرنی پڑے گی۔ وجدان بیمار تھا اور وہ اپنی ساری توجہ ابھی اسے دینا چاہتی تھی۔ کچن میں جا کر اس کے لیے سوپ چڑھایا اور باہر آ کر مشین بند کرنے لگی۔ تقریباً آدھے گھنٹے بعد وہ سوپ لے کر پھر سے کمرے میں بیٹھی تھی۔ کھلی کھڑکی دیکھ کر اسے خیال آیا کہ وہ کھڑکی بند کرنا بھول گئی ہے۔ اس نے بڑھ کر کھڑکی کو کس کر بند کیا اور پردے لگا دیے۔

"وجدان"۔اس نے اسے اٹھانے کے لیے آواز لگائی۔ کمرے میں مکمل اندھیرا ہو چکا تھا۔ لائیٹ جلانے سے گریز کرتی ہوئی وہ لیمپ کی جانب آئی اور اسے جلا کر کمرا ہلکا روشن کیا۔ وہ اوندھے منہ لیٹا اب بھی بے خبر سو رہا تھا۔ یہ سوچ کر وہ آگے بڑھی کہ سوپ ٹھنڈا ہو جائے گا اور اس کی کمر تھپتھپانے لگی۔ وہ ایک بار پھر کسمسایا مگر اٹھا نہیں۔ صالحہ نے لب کاٹے۔ اب وہ اسے کیسے اٹھائے؟۔ بڑھ کر اس کے چہرے کے قریب آئی اور بالوں پر ہاتھ پھیرنے لگی۔

"وجدان اٹھیں"۔ وہ بالوں پر ہاتھ پھیرتے ساتھ ساتھ یہ الفاظ دہرا رہی تھی۔ وہ کسمسایا اور نظریں موڑ کر اسے دیکھنے لگا۔ وہ اسے ہی دیکھ رہی تھی۔ اسے پھر جی بھر کر حیرت ہوئی اور وہ اٹھ بیٹھا۔ وجدان اب مکمل ہوش میں تھا۔

"جی"۔ حیرت کے مارے الفاظ بمشکل نکلے تھے۔ صالحہ نے نگاہیں جھکا لیں۔

"یہ سوپ پی لیں آپ"۔ وہ اٹھ کر دور جا کھڑی ہوئی۔ اس نے اپنے سامنے کانچ کی میز پر سوپ دیکھا اور پھر ایک نظر سامنے صالحہ کو۔۔۔

"یہ آپ نے میرے لیے بنایا ہے؟"۔ اسے نے سوپ کا چمچ ہلا کر چیک کیا۔

"آپ بیمار ہیں"۔

"بخار کب چیک کیا آپ نے میرا؟"۔ وہ ایک آئبرو اچکا کر پوچھ رہا تھا۔

"ابھی تھوڑی دیر پہلے۔ آپ بھرپور نیند میں تھے اس لیے آپ کو یاد نہیں ہوگا"۔ وہ نظریں جھکا کر کہتی کمرے سے نکل گئی۔ اب وجدان اسے کیا بتاتا کہ وہ نیند میں تھا۔۔۔ بے ہوش نہیں جو اس کی موجودگی اور حرکات کا اندازہ نہ لگا پاتا۔ اس کا بال سہلانا اسے بھولا نہ تھا۔

---★★---

"شرجیل اچھا لڑکا ہے رفاہ!۔ اب تم حویلی چھوڑ چکی ہو۔ کیا اسے اس بات کا علم ہے؟"۔

اماں سامنے بیٹھی تھیں۔ اس کے آنے سے ان کی طبیعت اچھی ہونے لگی تھی۔

"نہیں اماں لیکن اب کی بار جب وہ مجھے لینے آئیں گے تو میں انہیں کہہ دوں گی کہ میں واپس ہی نہیں آنا چاہتی۔ وہ مجھے سمجھتے ہیں اماں وہ مان جائیں گے"۔ وہ آہستگی سے چائے کے گھونٹ بھرتی ہوئی بولی۔

"یہ اچھا ہوگیا۔ شرجیل سمجھدار ہے۔ وہ انکار کبھی نہیں کرے گا جب وہ جان لے گا کہ تمہارے دل میں اس کے لیے کچھ نہیں"۔ فرہاد ابھی لاؤنج میں داخل ہوا تھا۔ رفاہ کو اچھو لگا تھا۔ پتا نہیں کیوں وہ گڑبڑا سی گئی تھی۔

"کیوں رفاہ؟"۔ اماں نے مڑ کر دیکھا تو وہ تیزی سے اثبات میں سر ہلانے لگی۔ اس سب میں جو خاموش تھے وہ خالد صاحب تھے۔ آنکھوں پر عینک، ماتھے پر بل ڈالے وہ رفاہ کو گہری نظروں سے دیکھ رہے تھے۔ جتنی گہری ان کی نظریں تھیں اتنا گہرا وہ کچھ سوچ بھی رہے تھے۔ البتہ فرہاد کے کہنے پر انہوں نے بھنویں اچکا کر اسے بھی دیکھا تھا۔ وہ فی الحال اس موضوع پر کوئی بات نہیں کرنا چاہتے تھے۔۔۔ کچھ باتوں کے لیے صحیح وقت درکار ہوتا ہے۔

---★★---

وہ فریش ہو کر واش روم سے نکلا تو صالحہ کمرے میں نہیں تھی۔ بخار میں کافی حد تک کمی آچکی تھی۔ پرفیوم لگا کر وہ گھر کی چابی اٹھاتا نیچے آگیا۔ اب کی بار وہ گھر کی چابی بھول کر کوئی رسک نہیں لینا چاہتا تھا۔ ارد گرد نظریں دوڑاتا کچن میں داخل ہوا۔

"صالحہ"۔ وہ کچن سمیٹ رہی تھی جب اس نے صالحہ کو مخاطب کیا۔ صالحہ نے مڑ کر اسے دیکھا۔ وہ مکمل تیار اس کے سامنے کھڑا تھا۔ سفید ٹی شرٹ پر بلو جینز اور سفید جوگرز۔۔۔ بلاشبہ ہینڈسم لگ رہا تھا مگر وہ حیران تھی۔

"آپ کہیں جا رہے ہیں؟"۔ اگر اس کی طبیعت نہ خراب ہوتی تو وہ یہ سوال اس سے نہیں مر کر بھی نہ کرتی۔

"جی۔۔۔ میں گاڑی گھر نہیں لایا تھا۔ کہیں دور کھڑی کر دی تھی۔ اسے میکنک سے ٹھیک کروانا ہے۔ میں جا رہا ہوں تو اس لیے اطلاع دینے آیا ہوں"۔ لہجہ قدرے سنجیدہ تھا۔

صالحہ نے نظریں پھیریں۔

"تو مجھے کیوں اطلاع دے رہے ہیں"۔ اس نے دھیمی آواز کہا اور گندے برتن سنک میں رکھنے لگی۔ وجدان نے لب بھینچے۔

"آپ بیوی ہیں" اس نے جیسے صالحہ کو یاد کروایا تھا۔

"آپ کو مجھے بتانے کی ضرورت نہیں۔ ویسے ہی ہم دونوں کو کچھ بھی ہوجانے سے کوئی فرق نہیں پڑتا"۔ وہ یہ بات اس سے کہہ رہی تھی جس کے لیے کل وہ اتنی پریشان تھی کہ ڈھیر ساری کالز بھی اسے کر چکی تھی۔

"ہاں مگر جب میں پورا دن نہیں لوٹوں گا تو آپ پریشان ہو کر مجھے ہی کال کریں گی۔ تو پھر میں انتظار کروں گا آپ کی کال کا"۔ وہ اس کے کال لاگز دیکھ چکا تھا۔ مبہم سا مسکرایا جیسے چڑا رہا ہو اور مڑ گیا۔ صالحہ نے ماتھے پر زور سے مارا مگر پھر یہ سوچ کر باہر اس کے پیچھے آئی کہ وہ اگر گھر نہ لوٹا تو؟۔

"آپ کب تک لوٹیں گے؟"۔

وہ ٹھہرا اور پھر لبوں پر مسکراہٹ لیے مڑا۔ صالحہ نے نظریں ادھر ادھر بھٹکائیں۔

"آپ کیوں پوچھ رہی ہیں؟۔اوہو۔۔۔اچھا اچھا میں سمجھ گیا۔۔۔آپ پریشان ہو جائیں گی میری فکر میں تو چلیں میں آپ کو بتا دیتا ہوں۔ تقریباً ایک یا دو گھنٹے لگ جائیں گے۔۔۔ اور اگر میری کمی زیادہ محسوس ہو رہی ہو تو کال بھی کر سکتی ہیں۔۔۔ میں کچھ سوچ بچار کر اٹھا لوں گا"۔ اس کی چڑانے والی عادت صالحہ کے لیے نئی تھی۔ وہ کہتا ہوا باہر نکل گیا۔

"لگتا ہے اس شخص کو بیماری نے پاگل کر دیا ہے"۔ وہ منہ ہی منہ میں بڑبڑاتی کچن میں چلی گئی۔

---★★---

نجانے اور کتنے دن گزر گئے اور وہ دل میں اوپر والی منزل میں جانے کے لیے ہمت پیدا کرنے لگا۔ شرجیل کمرے سے نکلا اور اوپر منزل تک جانے والی سیڑھیاں چڑھنے لگا۔ شام کا وقت تھا اور موسم اب کل سے قدرے بہتر تھا۔ ہلکی ہلکی ٹھنڈی ہوا چل رہی تھی جسے خود تک پہنچنے سے روکنے کے لیے وہ اپنی خاکی مخصوص شال پہنا ہوا تھا۔ اوپر کو اٹھتے قدم لرز رہے تھے۔ پوری منزل گرد اور دھول سے اٹی ہوئی تھی۔ وہاں تین سے چار کمرے تھے جو کئی برسوں سے بند تھے۔ جگہ جگہ جالے بنے ہوئے تھے اور منزل اندھیرے میں ڈوبی ہوئی تھی۔ سامنے کو ایک کمرا تھا جس کا دروازہ اتنا قدیم تھا کہ زور سے کھولنے پر محسوس ہوتا تھا کہ ابھی قدموں میں ریزہ ریزہ ہو جائے گا۔ اور وہ ہی کمرا افشاں کا تھا۔ اندھیر نگری میں کی باسی تھیں۔ اسے یقین تھا وہ انہیں نیچے لانے میں کامیاب ہو جائے گا۔ اس نے دروازہ کھٹکھٹایا تو اندر "ہونہہ" کی آواز آئی۔ تکلیف سے آنکھیں میچیں۔ کتنا عرصہ ہو گیا تھا ان کا دیدار نہیں کیا تھا۔ پتا نہیں اب کیسی ہوں گی۔۔۔ اس نے ہینڈل گھما کر دروازہ پیچھے کو دھکیلا۔ ایک آواز کے ساتھ وہ کھلتا چلا گیا۔ کمرا اندھیرے میں غرق تھا۔ افشاں کی اس کی طرف پیٹھ تھی۔ اس نے بڑھ کر بتی جلائی تو افشاں نے پلٹ کر اسے دیکھا۔ کیونکہ کوئی کمرے میں داخل ہو کر بتی نہیں جلایا کرتا تھا حتیٰ کے صالحہ بھی نہیں۔۔۔ نظریں شرجیل پر

رکیں تو جیسے ٹھہر سی گئیں۔ وہ اٹھ کر آہستہ اور بے یقینی سے چلتے ہوئے اس کی جانب آئی۔ شرجیل خود بھی اپنی جگہ سے ہل نہ پایا۔ لرزاہٹ ہی ایسی تھی!۔ وہ نہیں جانتا وہ کب تک خود کو سنبھالے کھڑا رہے گا۔ افشاں اس کے قریب آرہی تھی تاکہ اسے چھو کر محسوس کر سکے کہ یہ اس کا وہم نہیں ہے۔ شرجیل کی آنکھیں لرزنے لگیں اور ضبط کا دامن چھوٹنے لگا تھا۔ افشاں نے اس کے گالوں پر ہاتھ پھیرا تو شرجیل سے برداشت نہ ہو پایا اور وہ افشاں کے گلے لگ گیا۔ آنسو تھے کہ بے ربط بہنے لگے۔ ناچاہتے ہوئے بھی وہ اپنی جان سے پیاری پھپھو کے سامنے خود کو روک نہ پایا تھا۔ آنکھیں سرخ ہو چکی تھی اور وہ ان کے کندھے پر سر رکھے سسکیوں سے رو رہا تھا۔ افشاں گیلی آنکھوں سے اس کا تیزی سے ماتھا چوم رہی تھی تو کبھی ہاتھ۔ وہ اب بھی بے یقین تھی۔ وہ اس قدر لمبا ہو گیا تھا کہ اگر وہ بول سکتی تو اسے "شرجیل بچہ" شرم کہتے ہوئے بھی شرم آتی۔

انہوں نے اسے خود سے دور کیا اور اسے آنکھیں پھاڑ کر دیکھنے لگی۔ شرجیل نے ان کی حیرانی اور بے یقینی دیکھی تو ہچکیوں میں روانی آگئی۔ یہ سب اس کی ہی غلطی تھی جو اتنے سال تک وہ افشاں سے ملنے تک بھی نہیں آیا۔ بے وجہ قطع تعلقی تھی۔

"پھپھو مجھے بھول گئیں ہیں"۔ وہ جیسے ان سے شکوہ کر رہا تھا مگر افشاں تیزی سے نفی میں سر ہلا رہی تھی۔ اس نے پھر سے اسے اپنے گلے لگا لیا۔ اس کے بالوں کو وہ بہت محبت

اور نرمی سے سہلا رہی تھیں۔۔۔ ساتھ ساتھ سر نفی میں بھی ہل رہا تھا۔ دل کے درد میں روتے ساتھ وہ کمی محسوس کر رہے تھے۔

۔۔۔★★۔۔۔

"میں ایک دو دنوں میں شہر جا رہا ہوں"۔ وہ افشاں کی گود میں سر رکھے لیٹا ہوا تھا اور وہ اس کے بال سہلا رہی تھی۔ وہ الجھی تو شرجیل دیکھ کر مسکرایا۔

"شاہ جی کی شادی کے کپڑے لینے ہیں"۔ وہ کہہ کر خاموش ہوا تھا۔ افشاں کے چہرے کے تاثرات بدلے۔ وہ جان گئی وہ اس کی بات کرنے آیا ہے۔

"آپ کیا کہتی ہیں؟۔ کونسا رنگ لاؤں؟۔ سفید کرتا شلوار؟ یا پھر گہرا نیلا کوٹ؟"۔ وہ اٹھ کر بیٹھ گیا۔ افشاں کو ذرا سا بھی اچھا نہیں لگا کہ اس کا بھتیجا اپنی پھپھو کی شادی کی بات کر رہا ہے۔

"آپ کو کیوں غصہ آ رہا ہے؟۔ او اچھا جی آپ یقیناً یہ سمجھ رہی ہیں کہ میں آپ کی اور شاہ جی کی شادی کی بات کر رہا ہوں۔ ایسا نہیں ہے پھپھو۔ اڑتی اڑتی خبریں پہنچی تھیں کہ آپ نے شادی سے انکار کر دیا ہے۔ بشارت صاحب بہت تکلیف میں چلے گئے تھے، مگر اب وہ راضی ہیں کیونکہ آج نہیں تو کل کسی سے تو شادی کرنی ہے نا؟۔ بس تو پھر کیا۔۔"

اس کی یہ منگھڑت کہانی اگر شاہ جی سن لیتے تو اسی درخت پر اسے واپس اچھال دیتے جس پر ایک آم چرانے کے لیے اسے اچھالا کرتے تھے۔

"شاہ جی کسی اور سے شادی کرنے کے لیے مان گئے۔۔۔اب بس۔۔تیاری شروع"۔

افشاں کا دل حلق میں آگیا تھا۔ وہ زرد ہوتے چہرے سے ساکت بیٹھی تھی۔

"ان کی طرف سے خاص درخواست آئی ہے کہ آپ ان کی شادی میں شرکت کریں"۔

افشاں کے لب لرزنے لگے اور آنکھیں پانی بہانے لگیں وہ اٹھ کر چلتی ہوئی کھڑکی تک آئی۔ شرجیل نے اس کی پشت پر لہرتے لمبے بالوں کو دیکھا جو بے حد حسین تھے۔ وہ اب بھی اتنی ہی نازک تھی جتنی پہلے ہوا کرتی تھیں۔ کھڑکی سے باہر کس کو تلاش کر رہی تھی وہ جانتا تھا۔

"آپ رو رہی ہیں؟"۔ اس کے حیرانی سے پوچھنے پر افشاں کے آنسو آنکھوں سے تیزی سے نکلنے لگے۔ وہ ساتھ ساتھ انگلیوں سے آنسو صاف کرنے لگی۔ سر نفی میں ہل رہا تھا۔

"آپ نے انکار کیوں کیا جبکہ آپ انہیں چاہتی ہیں؟"۔ اس کے سوال پر افشاں نے تیزی سے گردن موڑی۔ آنکھیں حیرت سے پھٹیں ہوئی تھیں۔ وہ بے زبان کیسے کہے کہ اس نے انکار نہیں کیا۔۔۔ بلکہ اس نے تو کوئی جواب ہی نہیں دیا۔۔۔ وہ سوچنا چاہتی تھی اور

آج اسے اپنا کیا گیا فیصلہ سنانا تھا۔۔۔ وہ فیصلہ جسے سن کر شاہ جی ساری رات اللہ کے حضور سجدہ کر کے شکر ادا کرنے والے تھے۔ مگر یہ کیا؟۔

اس کی آنکھوں کے سامنے اندھیرہ سمانے لگا۔ شرجیل کی مسکراہٹ یکدم سکڑی۔ اس سے پہلے وہ چکرا کر لڑھکتی وہ بھاگ کر اس کی جانب آیا اور کندھوں سے پکڑ کر گلے سے لگا یا۔

"پھپھو میں مذاق کر رہا تھا۔ ایسا کچھ نہیں ہے۔ کم از کم شاہ جی ایسا نہیں کر سکتے"۔

افشاں کے حواس بحال ہوئے مگر آنسو نہ رک سکے۔

"آپ انہیں چاہتی ہیں تو نکاح کے لیے ہاں کیوں نہیں کرتیں؟ پھپھو میں چاہتا ہوں آپ شاہ جی سے شادی کر لیں۔ وہ محبت کرتے ہیں آپ سے"۔

افشاں سسکنے لگی۔

"کیا جواب ہے آپ کا؟ مجھے بتائیں خدارا۔۔۔ کیونکہ آپ کو راضی کیے بغیر میں نیچے نہیں جاؤں گا"۔

وہ دور ہو کر بستر پر بیٹھ گئی۔

"پھپھو بتائیں نا"۔ شرجیل زمین پر ان کے گھٹنے پکڑتے ہوئے بولا۔ وہ سسک رہی تھی اور شرجیل اس کی آنکھوں میں موجود آنسو انگلیوں کے پوروں سے چن رہا تھا۔

"کچھ ظالم لوگوں کی وجہ سے وہ دیا اس وقت تو بجھ گیا تھا، مگراب کی بار دیا بجھانے والی اگر کوئی اور ہوئی تو وہ آپ ہوں گی۔ فیصلہ آپ کا ہے"۔

افشاں نے سن کر تیزی سے اثبات میں سر ہلایا۔

شرجیل ساکت ہوا۔

"آپ۔۔۔ آپ راضی ہیں؟"۔ وہ جھٹکے سے اٹھ کھڑا ہوا۔

افشاں نے نظریں نیچے جھکا کر ہچکیاں روکتے ہوئے اثبات میں سر ہلایا۔ اتنی عمر رو کر گزار دی مگراب نہیں۔۔۔ شعجیل خوشی کے مارے چیخ اٹھا تھا۔

۔۔۔★★۔۔۔

وہ باغ میں پانی کا کنستر لیے پودوں کو پانی دینے میں مصروف تھے جب انہوں نے اوپری منزل سے آنے والی شرجیل کی چیخ سنی۔ انہوں نے جھٹکے سے گردن موڑ کر آنی والی چیخ کی طرف رخ کیا۔ وہ افشاں کا کمرہ تھا۔ آنکھیں اندیشے سے پھیلیں اور وہ بھاگتے ہوئے لاؤنج میں داخل ہوئے۔ اندر موجود لوگ بھی ہڑبڑا کر زینے چڑھ رہے تھے۔ اتنا چاہنے کے باوجود وہ پھر بھی انہیں دیکھنے اوپر نہیں جا سکتے تھے۔ اوپر بڑھتے لوگوں کو دیکھا تو کچھ تسلی ہوئی۔ گہری سانس ہوا کے حوالے کرتے وہ باغ کی بینچ پر بیٹھ گئے۔ تیز ہوا کے باعث زمین پر موجود زرد پتے اڑ رہے تھے۔ نگاہیں ان کی کھڑکی پر جا رکیں۔ نجانے شرجیل کیا دیکھ کر چیخا

تھا۔ الجھنوں کا ذہنوں پر ڈیرا تھا۔ امیدیں ٹوٹ رہی تھیں۔ خدشے لاحق ہو رہے تھے مگر وہ صرف لمبی سانس لے کر خود کو تھپتھپا رہے تھے۔ وہ کچھ کہنا چاہتے تھے۔ کوئی ایسا کبوتر ہو جوان کا خط پہنچا دے۔ اس موم کی گڑیا کو یہ بتا دے کہ وہ شخص خدا سے دعا کر رہا ہے کہ اس کی چاہت کا مجسمہ اسے نہ دھتکارے کہ نجانے سانسوں کی بہار کب تک ہو۔۔۔ ایسے میں شرجیل باہر آیا تو نگاہیں اس کی سمت گھومیں۔ لب خاموش تو اب بھی تھے۔ جانے کیا خبر لایا ہو گا یہ شخص۔۔۔

"مبارک ہو"۔ وہ تیز قدموں سے چلتا ان کے قریب آیا اور گلے سے لگ گیا۔ شاہ جی کی پلکیں لرزیں۔

"اب شادی کی تیاری شروع کریں۔ ہم آنے والے جمعے کو نکاح کی تقریب رکھنے لگے ہیں"۔ وہ ان کے گلے سے لگا تھا اور شاہ جی اس کی باتوں کے معنی سمجھنے میں مصروف ہو گئے تھے۔ کہیں اس کا مطلب وہ تو نہیں جو وہ سمجھ رہے ہیں۔ وہ بے یقین نہیں تھے۔۔۔ یہ بات ہرگز ایسی نہیں تھی جسے سن کر انہیں حیرت ہو یا یقین کرنا پڑے۔ انہیں علم تھا یہی ہونا ہے۔۔۔ افشاں انکار کر ہی نہیں سکتی تھی۔۔۔ بھلا کیوں کرتی؟۔ محبت کی تھی اس نے۔۔۔ وفا نبھائی تھی۔۔۔ یہ اتنے برس اندھیرے میں خود کو اس کے لیے گم کر لینا جھوٹ کیسے ہو سکتا تھا؟۔ ثابت ہو جانے کے باوجود بھی آج ثابت ہو گیا تھا کہ دل

سے کسی کے لیے محبت کبھی ختم نہیں ہوتی۔۔۔اور جو ختم ہو جاتی ہے وہ محبت ہی نہیں ہوتی۔ وہ صرف دل لگی ہوتی ہے۔۔۔

آنسو رکنے کا نام نہیں لے رہے تھے۔

"مجھے بہت خوشی ہے آپ کے لیے دوست"۔ وہ ان کی کمر تھپتھپا رہا تھا۔

"مجھے یقین نہیں آرہا کہ میری وفا رائیگا نہیں گئی۔۔۔ حویلی میں سارا نظام دھرم بھرم ہو گیا تمہاری بدولت۔۔۔ اگر مجھے خبر ہوتی کہ سب تمہاری ہی بدولت ہوگا تو میں تمہارے بچپن میں کبھی تمہیں پیڑ پر نہ اچھالتا۔۔۔ اللہ کی قسم سینے سے لگا کر پالتا"۔ وہ کہہ نم آنکھوں سے رہے تھے مگر بات ہی ایسی تھی کہ شرجیل کا قہقہہ نکل گیا تھا۔

"وہ بھی ایک دور تھا شاہ جی۔ خیر میں تو بتا رہا تھا کہ وہ کچھ ہی وقت میں نیچے بھی آئیں گی۔ داجی کو دیکھیں گی اور زندگی سے تمام وحشت نکالیں گی۔ مجھ سے وعدہ کیا ہے انہوں نے"۔ وہ مسکرا رہا تھا۔ شاہ جی نم آنکھوں میں مسکرائے۔

"میں جا رہا ہوں"۔ وہ کوارٹر کی طرف جانے لگے۔ شرجیل حیران ہوا۔

"کہاں شاہ جی؟"۔

"اللہ کا شکر ادا کرنے"۔ دیکھتے ہی دیکھتے وہ دیواروں کے اوٹ غائب ہو گئے۔ شرجیل کی مسکراہٹ گہری ہوئی۔ نگاہیں آسمان کی جانب موڑیں تو کسی کا خیال آگیا۔ مسکراہٹ

سکڑ گئی اور لب بھینچ لیے گئے۔ نجانے کتنے دن ہو گئے تھے کہ رفاہ نے پلٹ کر پوچھا بھی نہیں تھا۔۔۔اس نے جیب سے موبائل نکالا اور کال ملانے لگا۔

۔۔۔★★۔۔۔

وہ کچن میں کھڑی صائمہ کے لیے چائے بنا رہی تھی۔

"چائے بنا رہی ہو؟۔ میرے لیے بھی بنا دو رفاہ بچے"۔ فرہار مسکراتا ہوا اس کے سر پر ہاتھ رکھ کر کہتا ہوا بولا۔ وہ پھیکا سا مسکرائی۔

"جی بھائی"۔ اس نے ایک کپ پانی اور ڈال دیا۔

"مجھے بہت خوشی ہے تم واپس آ گئی ہو رفاہ"۔ وہ سلیپ پر ہاتھ رکھے کھڑا تھا۔ رفاہ نے یک ٹک بھائی کو دیکھا۔ اس نے گہری سانس فضا میں خارج کی۔ دل نے سوچا کہہ دے کہ وہاں تک پہنچایا بھی آپ نے تھا بھائی۔

"تمہاری غیر موجودگی میں ہم نے تمہیں بہت مس کیا"۔ وہ بتا رہا تھا۔ خاموشی کا دورانیہ بھی آیا۔

"آپ نے قتل کیوں کیا تھا بھائی؟"۔ وہ کچھ دیر توقف کے بعد پوچھ رہی تھی۔ صحیح معنوں میں وہ فرہاد کو خاموش کروا گئی تھی۔

"زمینوں کے مسائل بہت بڑھ گئے تھے رفاہ۔ روز روز کے جھگڑے۔۔۔ میری نیت اسے مارنے کی نہیں تھی، مگر اس نے ہمارے کیے گئے وار کا جواب دیا تو ہم۔۔۔ خود کو روک نہ پائے۔ مگر میں وعدہ کرتا ہوں رفاہ بچے۔ ایسا اب کبھی نہیں ہوگا۔ تمہیں میری سزا اب نہیں بھگتنی پڑے گی۔ شرجیل سے طلاق لے لو اور پھر ہم ویسے ہی رہیں گے جیسے پہلے رہا کرتے تھے۔ تمہاری ابھی شادی کی عمر بھی نہیں۔ نجانے کیسے سنبھال رہی ہوگی تم سب۔۔۔ اور میں ان حویلی والوں پر اعتبار بھی نہیں کر سکتا۔ نجانے کب حالات بدلیں اور وہ تمہاری زندگی جہنم بنا دیں"۔ وہ اسے امید سے دیکھ رہا تھا۔ رفاہ نے اسے دیکھا اور چائے آگے رکھ کر بنا کچھ کہتی مڑ گئی۔ اماں کے آگے ایک کپ رکھ کر وہ ابا کو چائے دینے لاؤنج میں چلی آئی۔

"ابا چائے"۔ اس نے ادب سے جھک کر چائے پیش کی تو وہ مسکرا دیے۔

"جیتی رہ"۔ اس کے سر پر ہاتھ رکھا تو وہ پھیکا سا مسکرائی اور پلٹنے لگی۔

"رفاہ۔۔۔"

"جی ابا؟"۔ وہ ڈوپٹہ سر پر ٹکاتی مڑی۔

"تم سے کچھ کرنی ہے"۔ انہوں نے اپنی عینک اتار کر میز پر رکھی۔ دوسرے کمرے میں رکھا اس کا فون بجنے لگا۔ اس نے رخ پھیر کر بجتے موبائل کی سمت دیکھا اور پھر ابا کو۔

"جی ابا"۔ بجتے موبائل کو وہ پل بھر میں نظر انداز کر گئی تھی۔ خالد صاحب لمحہ بھر کو ٹھہرے۔۔۔

"دیکھ آؤ کس کا فون ہے۔ ہوسکتا ہے کوئی ضروری کال ہو"۔ انہوں نے مسکرا کر اپنا اخبار پھر سے اٹھا لیا تو وہ ہلکا سا مسکراتی کمرے کی جانب مڑ گئی۔ موبائل پر نظر آتا شرجیل کا نام اس کے دل کو ہولا گیا۔ اب وہ اس سے کیسے بات کرے گی؟۔

"اسلام علیکم"۔ اس نے کال اٹھا کر دھیمی آواز میں سلام کیا۔

"وعلیکم سلام۔ کیسی ہو؟"۔ اس کے آواز میں آج خوشی تھی۔ رفاہ کو حیرت ہوئی۔

"ٹھیک"۔ اس نے مختصراً بتایا۔

"لگتا ہے محترمہ آپ حویلی اور حویلی کے مکینوں کو گھر پہنچتے ہی بھول گئی ہیں"۔ وہ خوش باش سا اچھے موڈ میں لگ رہا تھا۔ رفاہ نے خاموش رہنا ہی مناسب سمجھا۔

"تمہیں معلوم ہے رفاہ آج میں بہت خوش ہوں"۔

رفاہ اب بھی خاموش رہی۔

"میں خوش کیوں ہوں یہ بات میں تمہیں ابھی نہیں بتاؤں گا۔ میں آرہا ہوں تمہیں لینے۔ تم تیار ہو جاؤ۔ میں خوش کیوں ہوں پھر بتاؤں گا تمہیں"۔ وہ کال رکھنے لگا تھا کہ جلدی سے بولنے لگی۔

"شرجیل مگر میں واپس نہیں آنا چاہتی"۔ وہ جلدی سے بولی تاکہ اسے روک سکے۔ وہ گویا تھم گیا۔

"کیا مطلب تمہارا؟"۔ لہجہ عجیب تھا۔

"مطلب یہ کہ اب تو سب ٹھیک ہو گیا ہے شرجیل۔۔۔ اور۔۔۔ اور اب داجی کی بیماری کے بعد داجی کے اصول بھی نہیں رہے۔۔۔ تو میں چاہتی ہوں بس اپنے گھر۔۔۔ مطلب ہمیشہ کے لیے اپنے ہی گھر رہوں۔۔۔ حویلی میں رہنا بہت مشکل ہے میرے لیے۔۔۔ مجھے محسوس ہوتا کہ حویلی میں رہوں گی تو مکمل قید کی زندگی گزاروں گی شرجیل۔۔۔ ہم دونوں کے بیچ بھی ایسا کچھ نہیں ہے اس لیے میں چاہتی ہوں کہ آپ مجھے طلا۔۔۔"

شرجیل نے اس کی کال تکلیف سے کاٹی۔ وہ ایسا کیسے کر سکتی ہے؟۔ اسے یہ حویلی قید لگتی ہے یا میرے ساتھ جینا؟۔ وہ طط۔ طلا۔۔۔ وہ آگے سوچ بھی نہیں پا رہا تھا۔ سب کی زندگیوں میں شمع جلا کر آج اس کی زندگی میں اندھیرا چھا گیا تھا۔ وہ باغ کی بینچ پر گرنے کے سے انداز میں بیٹھا۔ سن دماغ اور الجھے خیالات۔ کیا ماجرا تھا؟۔ کیا سمجھے کیا نہیں؟۔ دکھ کے تاثرات جیسے اپنے چہرے پر عیاں کرے؟۔ وہ اس کی باتوں کو پھر سے سوچنا چاہتا تھا۔ جس نے اسے آزادی دلائی وہ اسے ہی قید سمجھ بیٹھی۔۔۔ وہ اسے ساکن کر گئی تھی۔

"میری زندگی میں شمع کون جلائے گا؟"۔ نگاہیں ساکت، بھڑکتی آگ اور کپکپاتے الفاظ۔۔۔

۔۔۔★★۔۔۔

"وہ مہمان نہیں آئے جس کا ذکر آپ کر رہی تھیں؟"۔ اس نے نیچے کے زینے اترتی ثریا کو روک کر پوچھا۔

"آپ کو اتنی کیوں فکر؟"۔ اس نے مسکرا کر بظاہر حیرت سے پوچھا۔

"وہ لوگ کون ہیں؟"۔ وہ آخری حد تک سنجیدہ تھا۔

"وہ لوگ جو بھی ہیں جلد معلوم لگ جائے گا آپ کو"۔ ثریا کو اس قدر خوش دیکھ شاہ زل کے اندر آگ بھڑکنے لگی۔

"وہ لوگ کب آنے والے ہیں اب؟"۔

"وہ لوگ ابھی فوراً نہیں آئیں گے کیونکہ آج کل موسم بہت خراب ہے گاؤں کا اس لیے فون پر ہی تمام بات ہو گئی ہے"۔

"کیا بات؟"۔

"یہ کہ وہ بہت جلد منگنی کرنے آ رہے ہیں"۔

"کک۔ کون؟"۔

"دلہے والے اور کون"۔ اس نے ماتھے پر ہاتھ مار کر بتایا۔ شاہ زل بھڑک کر اس کی جانب بڑھا۔

"میں ایسا نہیں ہونے دوں گا ثریا محترمہ"۔ وہ دانت پیس کر اسے خبردار کر رہا تھا۔ ثریا نے بھنویں اچکا کر اسے دیکھا۔

"کیوں بھئی؟ کیا تماشہ لگوانے کا ارادہ ہے؟"۔

"آگ لگا دوں گا حویلی کو اگر ایسا کچھ ہوا تو"۔ وہ اس کی بات کی پرواہ نہ کرتا ہوا اپنی بات کر رہا تھا۔

"اوہو۔۔۔ حویلی میں پیٹرول چھڑکتے چھڑکتے کتنی راتیں گزر جائیں گی مگر حویلی کی دیواریں ختم نہیں ہوں گی"۔ وہ بھی اب سنجیدہ تھی۔

"یہ منگنی نہیں ہوگی ثریا"۔ وہ غرایا تھا۔

"کیوں؟"۔

"کیونکہ۔۔۔ کیونکہ میں جسے چاہتا ہوں اسے کسی اور کے ساتھ نہیں دیکھ سکتا"۔ اس نے چیخ کر ریلنگ پر ہاتھ مار کر اپنا غصہ نکالنا چاہا۔ ثریا نے اس کے غصے والے روپ کو دیکھا۔

"اگر شجر کو پسند کرتے تھے تو پہلے کیوں اظہار نہیں کیا؟"۔ وہ سب جانتے ہوئے بھی انجان بن رہی تھی۔ شاہ زل ٹھٹھکا۔

"شجر؟"۔ الجھے ہوئے تاثرات تھے۔

"ہاں شجر۔۔۔ اسی کی تو منگنی ہو رہی ہے"۔

"کیا؟"۔ وہ حیرت سے چیخا۔

"تو؟ آپ کیا سمجھے؟"۔

"میں۔۔۔ وہ سمجھا کہ۔۔۔"وہ ہکلانے لگا۔

"جی کیا سمجھے پھر آپ؟"۔ ثریا نے ریلنگ پر کہنی ٹکائی۔

"مجھے لگا منگنی آپ کی ہو رہی ہے"۔ وہ سر کجھاتا ہوا ہنستے ہوئے بولا۔ ثریا سرخ ہوئی۔

"مجھے کام ہے"۔ وہ بہانہ کرتی اس کی نظروں سے اوجھل ہو گئی۔ شاہ زل اپنے آپ کو کوستا زینے چڑھتا چلا گیا۔

۔۔۔★★۔۔۔

وہ آفس سے تھکا ہارا گھر میں داخل ہوا تھا۔ آج دن واقعی تھکا دینے والا تھا۔ جی چاہا روز کی طرح صالحہ کو تلاش کرے مگر یاد آیا وہ اس سے خفا ہے۔ لاؤنج میں بیٹھ کر اپنے جوتے اتار رہا تھا جب صالحہ نے آکر اس کے سامنے پانی سے بھرا گلاس رکھا۔

"اسلام علیکم"۔ تاثرات سنجیدہ تھے۔ وجدان لمحہ بھر کو اس کے چہرے کو تکا۔

"وعلیکم سلام۔ یونیورسٹی سے بخیر و عافیت آگئی تھیں؟"۔

urdu novels mania www.urdunovelsmania.com

"جی"۔ اس نے مختصراً جواب دیا۔

"مگر آپ نے آج میسج نہیں کیا تھا کہ آپ یونیورسٹی سے گھر کے لیے نکل گئی ہیں"۔

"جی موبائل کی بیٹری ختم ہو گئی تھی"۔ وہ کہتے ساتھ اسے کوئی اور سوال کا موقع دیے مگر وہاں سے چلی گئی۔ وہ گہری سانس لیتا اس کے پشت تکتا جوتے اٹھا کر کمرے میں چلا آیا۔ بستر پر اس کی فائلز بکھری پڑیں تھیں۔ وہ ابھی کچھ سوچ ہی رہا تھا جب صالحہ کمرے میں آئی اور اپنا سامان سمیٹنے لگی۔ ایک گہری نگاہ اس پر ڈالتا وہ وارڈروب سے کپڑے نکالتا واشروم کی طرف بڑھ گیا۔ صالحہ نے مڑ کر بند ہوتے دروازے کو دیکھا اور پھر بستر پر بیٹھ گئی۔ کیا دوری تھی یہ بھی۔۔۔

۔۔۔★★۔۔۔

"رات گہری ہوتی جا رہی تھی۔ طلعت نے نیند میں کروٹ لیا تو بستر پر ہلچل محسوس کی۔ آنکھیں کھول کر پلٹ کر دیکھا تاکہ برابر میں دیکھ سکیں۔

"آپ کہاں جا رہے ہیں کبیر؟"۔ کبیر نے انہیں اٹھنے پر مجبور کر دیا تھا۔ وہ بستر سے اٹھ رہے تھے۔

"نیند نہیں آرہی طلعت"۔ وہ چپل پاؤں میں پہننے لگے۔

"کہاں جا رہے ہیں؟"۔ ان پر نیند حاوی ہو رہی تھی۔

"معلوم نہیں"۔ وہ گہری سانس بھرتے ہوئے بولے۔ "تم سو جاؤ"۔

"میں کیسے سو سکتی ہوں"۔ وہ سائیڈ لیمپ جلاتے ہوئے بولیں۔

"تم جانتی ہو نا آنے والے جمعے کو افشاں کا نکاح ہے؟"۔

"جی۔۔۔"وہ الجھ گئیں۔ یہ بات انہوں نے ہی تو طلعت کو بتائی تھی۔۔۔

"میں جا رہا ہوں اوپر"۔ وہ اطلاع دے رہے تھے۔

"اوپر کہاں؟"۔ رات کے اس پہر وہ ان کی باتیں سمجھنے سے قاصر تھیں۔

"کبیر کی لاڈلی بہن کے پاس"۔ وہ کہتے ہوئے قدم کمرے سے باہر کی جانب بڑھا گئے۔

طلعت ساکت رہ گئیں۔ بے یقینی کی لہر جیسے جسم میں دوڑ رہی تھی۔ انہیں اپنی بہن یاد تھی اتنے برسوں میں۔۔۔ اس سے بڑی اور کیا بات ہو سکتی تھی۔ ان کے جانے کے بعد وہ خود بھی سو نہ سکیں۔ گھڑی کی جانب نگاہ اٹھائی تو چار بجتے دیکھا۔ آذان میں زیادہ وقت نہیں تھا۔ وہ منہ پر پانی مارتی باہر آئیں تو شبیر صاحب کو ان کے کمرے سے باہر نکلتے دیکھا۔

"آپ جاگی ہوئی ہیں بھابھی؟"۔ وہ ایک دم فریش کھڑے تھے۔

"ہاں وہ کبیر اوپر گئے ہیں تو سوچا ہے ان کے آنے کے بعد ہی نماز پڑھ کر سو جاؤں گی"۔ انہوں نے مسکرا کر بتایا۔ شبیر صاحب کے حیرانی سے ماتھے پر بل آئے۔

"اوپر کہاں ؟"۔

"اپنی بہن کے پاس گئے ہیں۔۔۔ بہت ہمت جمع کر کے"۔ آنکھیں نم ہو گئی تھیں مسکرا کر کہتے کہتے۔۔۔

"بہن تو م۔ میری بھی ہے"۔ وہ ہکلا کر بولے کہ ہمت کہاں سے لائیں ؟۔

"تو آپ بھی جائیں۔ وہ خوشی سے پاگل نہ ہوئی تو میرا نام بدل دے گا بھائی صاحب"۔ وہ جیسے گارنٹی دیتے ہوئے بول رہی تھیں۔ شبیر نے لب بھینچے۔

"یہ اچھا ہو گا کہ اگر میں اسے نیچے لے آنے میں کامیاب ہو گیا۔ مجھے علم وہ میری بات نہیں ٹالے گی۔ میں جا رہا ہوں۔ آپ باورچی سے کہیں کہ حویلی والوں کے لیے چائے بنائے۔ گھر کے تمام افراد کو اٹھا دیں۔ ہم آتے ہیں"۔ وہ تاکید کر کے زینے کی جانب بڑھنے لگے۔

"اللہ تیرا شکر"۔ وہ پھولے نہ سمائی تھیں اور شبیر اور سمیعہ تائی کے کمرے کی طرف بڑھی تھیں تاکہ سمیعہ کو اٹھا سکیں۔

۔۔۔★★۔۔۔

"فشا"۔ یہ آواز اور یہ نام وہ کتنی میل دور سے بھی پہچان سکتی تھی۔ کہنے والے کی آنکھوں میں سجدے میں گری بہن کو دیکھ کر آنسو آ گئے۔ افشاں نے جھٹکے سے سر اٹھایا۔ آنکھیں

حیرت سے پھٹ رہی تھیں اور رنگت سفید لٹھے کی مانند ہوگئی تھی۔ وہ جن کو کھلی آنکھوں سے دیکھ رہی تھی یقیناً یہ خواب تھا۔۔۔ کھلی آنکھوں کا خواب۔۔۔۔

"فشا میری بچہ"۔ وہ اس کی جانب بڑھے تھے جو ساکت نظریں کیے جائے نماز سے کھڑی ہورہی تھی۔ کیوں ہیں درمیان میں یہ ناقابلِ یقین لمحے؟۔

انہوں نے اسے گلے سے لگایا اور پھوٹ پھوٹ کر رو دیے۔ وہ لرز اٹھی۔

"کچھ تو بولو فشا"۔ انہوں نے اس کا چہرا اپنے ہاتھوں میں لیا۔ وہ پوری کھلی آنکھوں سے انہیں دیکھنے لگی۔ یہ کیسی محبت تھی جو وہ یاد نہ رکھ پائے کہ وہ بے زبان ہے؟۔

اس کو یوں خود کو تکتے پایا تو وہ اپنی کی گئی بات پر غور کرنے لگے۔ اچانک یاد آیا تو جیسے ساکت رہ گئے۔۔۔ وہ قیامت کا دن کیسے بھول سکتے تھے۔

"مجھے معاف کردو فشاں"۔ ہچکیاں بات مکمل نہیں ہونے دے رہی تھیں۔ افشاں نے ان کے جڑے ہاتھوں کو دیکھا تو کانپ کر ان کے ہاتھ پکڑ لیے اور تیزی سے نفی میں سر ہلانے لگی۔

"کاش میں ہی تمہارا ویر ہونے کا ثبوت دے دیتا فشا۔۔۔ میری ہی غلطی تھی۔۔ میں ہی نہ اٹھا سکا ظلم کے خلاف آواز۔ میری بہن تڑپتی رہی اور میں ایک بے غیرت مرد کی طرح اپنی بہن کو تڑپتا ہوا دیکھتا رہا۔ میں چپ کیوں رہا فشا؟؟؟۔ سب میری غلطی ہے"۔ ان

کے جڑے ہوئے ہاتھ افشاں کے ہاتھوں میں تھے اور وہ اب بھی تیزی سے نفی میں سر ہلا رہی تھی۔ درد میں اضافہ ہوتا جا رہا تھا۔ ٹھنڈ اس قدر تھی کہ سانس خارج کرتے ہوئے دھواں سا اٹھتا محسوس ہوتا تھا۔

"مجھے معاف کردو فشا"۔ ایک کرب کی سی کیفیت سے وہ دونوں ہی دوچار تھے۔

"تمہیں ابا نے بے زبان کردیا اور میں کچھ کر بھی نہ پایا۔۔۔ سب کا ذمہ دار میں ہوں فشا۔ برسوں پہلے کبھی نہیں سوچا تھا کہ یہ وقت بھی آئے گا کہ میری جان میری فشاں اپنے بھائیوں کی محبت سے دور ہو جائے گی"۔

"بب۔ب۔ب"۔ وہ کچھ کہنا چاہتی تھی مگر زبان کی تکلیف اس قدر گہری تھی کہ الفاظ نکلنے سے قاصر تھے۔ وہ اس کی نازک اور سریلی آواز سننے کو ترس گئے تھے۔

"تمہاری آدھی زندگی برباد ہو گئی یقیناً اس میں میرا بھی ہاتھ تھا۔مجھے بہت پہلے ہی آواز اٹھا لینی چاہیے تھی فشا۔۔ میں نے تمہیں بلکل صالحہ کی طرح چاہا ہے۔۔۔ یا پھر صالحہ کو تمہاری طرح چاہا ہے۔ تمہیں بہن نہیں اپنی دھی سمجھا تھا اور دیکھو مجھ جیسے ایک بزدل مرد کو۔۔۔ جو شخص اپنی بہن کے لیے آواز نہ اٹھا سکا اس نے اپنی بیٹی کے لیے بھی آواز نہ اٹھائی۔۔۔ اللہ کا کرم ہے فشا کہ وہ خوش ہے۔۔ تمہیں معلوم ہے فشا۔۔ تمہاری بھتیجی جب بھی کال کرتی ہے تو صرف مسکراتی رہتی ہے۔ زندگی سے بھرپور رنگ اس کے

چہرے پر موجود ہوتے ہیں۔ دو دفعہ کال آئی تھی میرے پاس۔۔۔ مگر میں وہ چہرہ کہاں سے لاؤں جس سے اپنی بیٹی کا سامنا کر سکوں؟۔ کیا کروں میں ایسا کہ وہ جب بھی مجھ سے بات کرے اس کے دل میں یہ بات نہ آئے کہ جو بھی ہو مگر اس کے ابا نے اس کے حق میں آواز نہیں اٹھائی تھی"۔ وہ بلک بلک کر رو رہے تھے۔

"تمہیں محسوس ہوتا ہو گا میں تمہیں بھول گیا۔۔۔ مگر کوئی اپنے خون کو بھی بھولتا ہے بھلا؟۔ اور تم تو۔۔۔ تم تو سب میں انوکھی تھی۔۔۔ انمول تھی۔۔۔ اس دنیا میں تم ایک ہی تو تھی جو ہمارے دکھی چہروں پر بہار لے آتی تھی۔۔ میں تمہیں کبھی بھی نہیں بھولا۔۔ کوئی بھی نہیں بھولا تمہیں فشا۔ جب جب میں نے صالحہ کو دیکھا مجھے تم نظر آئی۔ میری سزا یہی تھی شاید کہ صالحہ تمہاری ہو بہو تھی۔ جب بھی اسے دیکھتا تم یاد آجاتی اور میں پچھتاوے کی کھائی میں گر جاتا۔ اس کے چلنے کے انداز سے لے کر بولنے تک انداز تم سے مختلف نہیں فشا۔ وہ تم جیسی ہے۔ اس کی تربیت اتنی میں نے اور طلعت نے نہ کی جتنی تم نے کی۔۔۔ مجھے تو اللہ کے حضور دعا مانگنے کا سلیقہ بھی نہیں آتا فشا۔ مجھے ضرورت ہے فشا میری جان تمہاری۔۔۔ سب کو ضرورت ہے"۔ ان کی بات ختم ہونے کی دیر تھی کہ افشاں ان کے گلے لگ گئی۔ وہ نہیں جانتے وہ کب تک یونہی دونوں روتے رہے۔

"میں اور زیادہ نہیں رونا چاہتا"۔ کسی تیسرے کی آواز کانوں تک پہنچی تو ان دونوں کی ہی نظریں دروازے کی سمت جا کر رکیں۔

شبیر وہاں آنکھوں میں آتے آنسوؤں کو انگلیوں سے صاف کر رہے تھے۔ ایک ہاتھ دروازے کے ہینڈل پر ٹکا ہوا تھا۔ دروازہ آدھا کھلا ہوا تھا۔

"کیا مجھے اجازت ہے معافی کی؟۔ کیا میں مانگ سکتا ہوں؟۔ کیا حویلی کے تمام افراد معافی مانگنے کے قابل ہیں؟"۔ وہ چلتے ہوئے قریب آئے تھے۔ افشاں کے آنسو میں تیزی آئی۔

"کیا مجھے معاف کرو گی؟"۔ ایک اور ہاتھ کسی نے اس کے سامنے جوڑے تھے۔ اس نے وہ ہاتھ بھی پکڑ لیے۔ ہاتھ ایک بار پھر لرزے اور سر نفی میں ملنے لگا جیسے وہ کہہ رہی ہو کہ اس سے معافی مانگ کر اسے شرمندہ نہ کیا جائے۔

"ہمارے ساتھ نیچے چلو فیشو۔۔۔"

افشاں نے شبیر کے منہ سے لفظ "فیشو" سنا تو آنسوؤں میں روانگی آگئی۔ یہ وہ انہیں پیار سے بلایا کرتے تھے بلکل ویسے ہی جیسے کبیر اسے فشا بلایا کرتے تھے۔

"ہم تمہیں نیچے لیے بغیر نہیں جائیں گے فشا"۔

"تمہیں معلوم ہے نیچے سب تمہارا انتظار کر رہے ہیں فیشو۔ طلعت بھابھی سے سب کو اٹھانے کا کہہ آیا ہوں۔ چائے کی محفل لگنے والی ہے اور آج کی محفل تمہارے بغیر نہیں شروع ہوگی"۔ انہوں نے اس کی پیشانی پر بے اختیار بوسہ دیا اور اس کی کنچی آنکھوں کو تکنے لگے۔ یہ وہ انداز تھا جو کئی برسوں پہلے اس کے تمام بھائی صبح اٹھتے ہی اس کی پیشانی کو چوم کر اپناتے تھے۔ جیسے دن کی شروعات ہی اس کا چہرہ دیکھ کر ہوا کرتی تھی۔

---★★---

چھ بجنے کو تھے۔ وہ معمول کے مطابق ناشتہ بنا کر اوپر آئی تھی۔ وجدان صوفے پر غرق سویا ہوا تھا۔ اس نے اپنا بیگ بنایا اور اپنی چادر استری کرنے لگی۔ وہ اسے اب اٹھایا نہیں کرتی تھی مگر پھر بھی وہ جلدی اٹھ جایا کرتا تھا۔ وجدان نے کسمسا کر آنکھیں کھولیں اور چاروں طرف دوڑائیں۔ کمرے میں ملگجی سے روشنی تھی۔ صالحہ استری کر رہی تھی۔ وہ اٹھا اور ننگے پیر چلتا ہوا صالحہ کی جانب بڑھا۔ وجدان کی طرف صالحہ کی پشت تھی۔ وہ اس قدر گہری نیند میں تھا کہ چلتا ہوا اس کے قریب آیا اور رک گیا۔ صالحہ کو اپنے پیچھے کسی کی موجودگی محسوس ہوئی تو ڈر کر پیچھے ہوئی۔ وجدان اس سے بہت قریب کھڑا تھا۔ اتنے پیچھے اندھیرے میں اسے دیکھ کر صالحہ کی چیخ نکلی تھی۔ وہ جو نیند میں ادھ کھلی آنکھوں سے کھڑا تھا خود بھی ڈر گیا۔

"آپ یہاں کیا کر رہے ہیں؟"۔ اسے پہچان کر وہ بستر پر بیٹھی تھی۔ سانسیں اب بھی پھولی ہوئی تھیں۔

"تم یہاں کیا کر رہی ہو؟ واشروم جانا ہے مجھے اور اور تم سامنے کھڑی ہو"۔ وہ بھی جواباً بولا۔ صالحہ کو اس کے "تم" پر حیرت ہوئی۔ وجدان کی چال میں لڑکھڑاہٹ واضح تھی۔

صالحہ نے پلٹ کر واش روم کو دیکھا جو استری اسٹینڈ کے بلکل اپوزٹ جگہ پر تھا۔ استری اسٹینڈ دیوار سے لگا ہوا تھا۔ تو کیا یہ دیوار توڑ کر آگے جانے والے تھے پڑوس کے واش روم؟۔ صالحہ کو ایک دم ہنسی آئی۔ اسے محسوس ہوا کہ وہ نیند میں ہے۔ وہ اٹھ کر اس کے قریب آئی تو واقعی اس کی آنکھیں آدھی بند تھیں۔

"واش روم اُدھر ہے"۔ اس نے سامنے کی طرف اشارہ کر کے بتایا۔ جتنی نیند میں وہ تھا اس سے صاف اندازہ ہو رہا تھا کہ وہ بہت رات کو سویا ہے۔

"ہاں ہاں پتا ہے مجھے"۔ وہ اسے اپنے سامنے سے ہٹاتا ہوا جانے لگا کہ بستر سے ٹکرا گیا۔ چیخ بلند ہوئی تو وہ بھاگ کر اس کی طرف بڑھی۔

"مم۔ میں لے جاتی ہوں واش روم"۔ وہ اسے سہارا دیتی واش روم کے دروازے تک لائی۔ ایک ہاتھ سے بڑھ کر دروازہ کھولا تو وہ اس سے دور ہٹا۔

"بس۔۔ اندر بھی جانے کا ارادہ ہے تمہارا تو"۔ کہتا ساتھ اندر جا کر دروازہ زور سے بند کر دیا۔ صالحہ "استغفراللہ" کہنے کے بعد اتنی زور سے ہنسی کہ پورے کمرے میں اس کی آواز گونجنے لگی۔ اچانک واش روم سے وجدان کے چیخنے کی آواز آئی تو وہ ٹھٹھکی۔ وہ شاید اندر گر گیا تھا۔

"یا اللہ کیا ہڈی تڑوالی؟"۔ وہ زور زور سے دروازہ کھٹکھٹانے لگی تو وجدان نے فرش پر بیٹھے بیٹھے ہاتھ بڑھا کر ہینڈل گھمایا۔ صالحہ اندر داخل ہوئی تو حیران رہ گئی۔ فرش پر پانی کی وجہ سے پاؤں مڑ گیا جس کے باعث وہ پھسل گیا تھا۔ اب وہ مکمل ہوش میں تھا ظاہر ہے اتنا سب ہونے کے بعد تو ہوش میں ہی آنا تھا۔۔۔!

---★★---

وہ اپنے نازک ہاتھوں سے اس کے پاؤں پر آئی موچ پر مرہم لگا رہی تھی۔ وجدان کی نظریں اس کے چہرے سے ہٹنے کو تیار نہ تھیں۔ صالحہ کو ایک بار پھر وہ گرنے والا واقعہ یاد آیا تو ہنس دی۔

"آپ کیوں ہنس رہی ہیں؟"۔ وجدان چونکا۔

"نہیں کچھ نہیں"۔ وہ خود پر قابو رکھتے ہوئے بولی۔

"ویسے ایک بات پوچھوں؟"۔

"جی"۔

"کیا کیا میں نے جاگنے سے واش روم جانے تک؟"۔ وہ جاننا چاہتا تھا کہ نیند میں اس نے کچھ بولا تو نہیں۔۔۔

"چھوڑیں کیا کریں گے سن کر"۔ وہ مسکرائی۔ وہ اس کے مسکرانے پر اسے تکتا ہی چلا گیا۔ کتنے دنوں بعد وہ اس کے سامنے مسکرائی تھی۔

"موچ گہری ہے۔ خیال رکھا کریں اپنا۔ مجھے چھوڑنے کی آج کوئی ضرورت نہیں آپ کو۔۔۔ میں مس الماس سے کہہ دوں گی وہ مجھے پک کرلیں گی۔ آپ آرام کریں"۔ وہ مبہم سا مسکراتی اٹھنے لگی تو وجدان نے اس کا ہاتھ پکڑلیا۔ وہ ٹھٹھک اٹھی۔ وجدان کو احساس ہوا۔ اس نے صالحہ کا ہاتھ چھوڑا اور خود اٹھنے لگا۔

"نہیں میں چھوڑ آؤں گا۔ کسی کے ساتھ جانے کی ضرورت نہیں"۔

"وہ دوست ہے میری اور اعتبار کے قابل ہے"۔

"کیا فائدہ اگر میں ہی گھر میں پریشان رہوں تو۔۔۔"

صالحہ نے اس کی بات سنی اور گہری سانس بھرتی کچن میں آکر اس کا ناشتہ تیار کرنے لگی۔

وہ ریلنگ کے سہارے سیڑھیاں اترتا نیچے آیا۔

"نیچے کیوں آئے ہیں؟۔ گہری موچ آئی ہے آپ کو وجدان"۔ وہ پریشان ہوگئی تھی اور سہارا دے کر صوفے تک لانے لگی۔

"آپ کو بھی تو چھوڑنے جانا ہے"۔ اس کے ہاتھ میں گاڑی کی چابی تھی۔ وہ کپڑے چینج کر کے آیا تھا۔

"آپ مان نہیں رہے ورنہ میں الماس کے ساتھ اسکول چلی جاتی"۔ اس نے میز سے اٹھا کر صوفے پر اس کا ناشتہ رکھا۔

"کیا فائدہ اگر میں ہی اطمینان نہ ہوا صالحہ۔ میں یہاں پریشانی میں سوچتا رہوں گا کہ آپ اسکول پہنچی یا نہیں"۔ وجدان کے چہرے پر واضح فکرمندی تھی۔

"اور مجھے اطمینان کیسے ہوگا جب آپ مجھے چھوڑ کر گاڑی چلاتے ہوئے اس موچ کے ساتھ گھر آئیں گے۔ میں سوچتی رہوں گی اور پریشانی ہوتی رہوں گی کہ آپ گھر پہنچے یا نہیں"۔ اس کی نظریں نیچے کو جھکی ہوئی تھیں۔ وجدان مسکرایا۔

"آپ کو میری فکر ہوگی؟"۔ وہ نجانے کیا سننا چاہتا تھا۔

"مجھے تو ابھی بھی ہو رہی ہے"۔ وہ لب بھینچ گئی تھی۔

"اور میری فکر کیوں ہو رہی ہے؟"۔ وہ سر کے پیچھے ہاتھ رکھ کر ٹیک لگانے لگا۔ چہرے پر مسکراہٹ ہنوز تھی۔

"ظاہر ہے مجھے ہوگی۔۔۔"کسی اور" کو تو نہیں ہوگی"۔اس کو یکدم شہوار یاد آگئی تھی اس لیے "کسی اور" کو چبا کر ادا کیا تھا۔

"کسی اور؟۔کسی اور کون؟"۔

"آپ کی یونیورسٹی فیلو"۔وہ خاموش ہوگئی۔"آپ یہ ناشتہ کیوں نہیں کررہے؟ کیا یہ بھی مجھے کروانا پڑے گا؟"۔

"اوہ۔۔۔شہوار کی بات کررہی ہیں"۔اس کے چہرے پر شہوار کا نام لیتے ہوئے مسکراہٹ آئی تھی ایسا صالحہ کو لگا تھا۔۔ورنہ وہ تو صالحہ کے جلنے پر مسکرایا تھا۔"اور ہاں یہ ناشتہ آپ ہی کرادیں تو صحت کے لیے بھی اچھا ہوگا۔۔ہاتھ نہیں بڑھایا جارہا پلیٹ کی جانب"۔

"جی ہاں اسی کی بات کررہی ہوں۔۔ویسے کھل سا جاتا ہے آپ کا چہرہ اس کا نام لیتے ہی اور موچ پاؤں پر آئی ہے ہاتھ کو کچھ نہیں ہوا آپ کے"۔

"داد دینی پڑے گی جس طرح آپ طنز کررہی ہیں۔کسی کے جلنے کی بو آرہی ہے مجھے"۔وہ اپنی ہنسی دبانے لگا۔صالحہ نے پراٹھے کا ٹکرا توڑا اور تلے ہوئے انڈے کے ساتھ نوالا آگے بڑھایا۔

"منہ کھولیں گے یا یہ کام بھی میرا ہے"۔ اہا کیا تیر تھے۔۔۔ وہ عش عش کر اٹھا تھا۔ "اور کوئی نہیں جل رہی میں۔۔۔ آپ نے ہی تو کہا تھا ایک مجبوری کے تحت قائم ہوا رشتہ ہے یہ۔۔۔ اس وقت تو نہیں سمجھ پائی تھی میں مگر اب سمجھ گئی ہوں"۔ وہ عام سے لہجے میں بات کر رہی تھی۔

"آپ کیوں ایک بات کو لے کر بیٹھ گئی ہیں"۔ وہ جھنجھلا سا گیا تھا۔ صالحہ نے دوسرا لقمہ بنا کر اس کھلایا۔ اسے حیا آ رہی تھی اس لیے نظریں اٹھا کر بات کرنے سے قاصر تھی۔

"ایک بات جو منہ سے نکل گئی اثر رکھتی ہے۔ چاہے پھر کوئی وہ الفاظ واپس ہی کیوں نہ لیلے"۔ اس نے بات ختم کرنے تیسرا لقمہ بھی اس کھلایا۔ وہ جیسے ہی کچھ بولنے لگتا وہ اس کے منہ میں نوالا ڈال دیتی۔

"کیا کر رہی ہیں مجھے بولنے تو دیں۔ میں نہ بولوں اس لیے آپ تیزی سے نوالے ہی کھلائی جا رہی ہیں"۔ وہ جھنجھلا گیا۔

"مجھے اسکول کے لیے نکلنا ہے اور مس الماس کو بھی پک کرنے کا کہنا ہے"۔ وہ آخری نوالا تھا جس کے لیے وہ قریب آیا تھا، مگر وہ صالحہ نے کھالیا تھا۔ شرمندگی سے وہ پھر پیچھے ہوا۔

"شہوار والا معاملہ ختم کریں اب بس۔۔۔! ہمارے گھر میں اب شہوار کا نام نہیں لیا جائے گا ورنہ مجھ سے برا کوئی نہیں ہوگا" وہ سختی سے تاکید کر رہا تھا۔

"امید ہے یہی بات خود سے بھی کہہ دی ہوگی"۔ وہ میٹھا طنز کرتی ٹرے کچن میں رکھنے چلی گئی۔

"توبہ کرلی میں نے۔۔۔ اور ویسے بھی صالحہ۔ آپ کچھ زیادہ ہی سوچتی ہیں! مت سوچا کریں اتنا۔۔۔ وہ صرف میری کلاس فیلو ہے۔ بلکہ تھی! اب تو میں شادی شدہ ہوں"۔ وہ جان گیا تھا لڑکی جیسی بھی ہو بیوی کے روپ میں سب ایک جیسی ہی ہوتی ہیں۔

"آپ یہی بیٹھے رہیں میں مس الماس کو کال کرنے جا رہی ہوں اور پھر تیار ہو کر نیچے آؤں گی"۔ وہ ایپرن اتارتی زینے چڑھتی چلی گئی۔ پیچھے بیٹھا وجدان مبہم سا مسکرایا۔ کیا بیوی تھی یہ۔۔۔

۔۔۔★★۔۔۔

#zanjeer
#ayna_baig
Epi17part2

وہ اسے لے کر لاؤنج میں داخل ہوئے تو لاؤنج میں بیٹھے نفوس چیخ نکل پڑیں۔

"افشاں"۔ وہ سب اس کی جانب بڑھے تھے۔ ایک شور سا مچ گیا تھا۔ افشاں کے لبوں سے مسکراہٹ اور آنکھوں سے نمی ختم نہیں ہو رہی تھی۔

"پھپھو"۔ ثریا زینوں پر کھڑی تھی بھاگ کر اس کے گلے سے لگ گئی۔ پھر برسوں پہلے کی طرح ایک محفل سجی جس کی رونق افشاں تھی۔ وہ کنچی آنکھیں تھیں جس نے کافی عرصے سے رنگ نہیں دیکھا تھا۔ وہ ساری رات کے جاگے لوگ چائے پیتے ہوئے باتیں کر رہے تھے۔ صالحہ کی کمی یہاں سب کو شدت سے محسوس ہو رہی تھی۔

"صالحہ حویلی کب آئے گی؟ کیا کوئی اندازہ ہے؟"۔ ثریا نے وجیہہ سے پوچھا تھا۔

"میں سوچ رہی ہوں اسے کل شہر جا کر ساتھ لے آؤں۔ مجھے اور حیدر کو ویسے ہی کام کے باعث جانا ہے"۔ وہ اسے بتا رہی تھی تو ثریا نے ہاں میں سر ہلایا۔

"میں اور رجیا کل جا رہے ہیں شہر! جمعرات کو جا کر اسے لے آئیں گے تاکہ وہ افشاں پھپھو کی شادی میں بھی شرکت کر سکے"۔ حیدر نے کبیر صاحب کو دیکھا جو اس کی بات سے خوش ہوئے تھے۔

"ہاں یہ ٹھیک ہے اس طرح تم لوگ شادی کا جوڑا بھی لے آنا"۔ انہوں نے جیب سے پیسوں کی موٹی گڈی حیدر کی جانب بڑھائی۔

"یہ پیسے فشا کی شادی کے لیے"۔

حیدر نے پیسے تھامے اور اثبات میں سر ہلایا۔

"تو پھر حویلی سجایا جائے؟"۔ شاہ زل شرارتا بولا۔

"ہاں کیوں نہیں بہت مزہ آئے گا"۔ شجر خوشی سے چیخی تھی۔ آج کتنے وقت بعد سب کے ساتھ قہقہے گونجے تھے۔

...★★...

"اسلام علیکم وجدان بھائی۔ میں الماس۔۔ آپ کی بیگم کو لینے آئی ہوں"۔ وہ گاڑی خود چلاتے ہوئے آئی تھی اور اب دروازے پر کھڑے ہو کر انہیں اپنا تعارف کروا رہی تھی۔

"مجھ پر اعتبار کریں میں آپ کی بیوی کو صحیح سالم اسکول پہنچاؤں گی"۔

وجدان نے اسے دیکھا جو دنیا کی ہر فکر سے آزاد لگ رہی تھی اور نگاہیں نیچے کر لیں۔ وہ گیٹ تک لکڑی کے سہارے چلتا ہوا آیا تھا۔

"جی جزاک اللہ اتنی عنایت کے لیے مگر دھیان رکھیے گا!۔ ایک ہی بیوی ہے میری"۔ وہ مسکرایا تھا۔

"ہمیں دیر ہو رہی ہے الماس"۔ وہ ہرا گاؤن پہنے باہر آئی تھی۔

"تو پھر چلو"۔

"اللہ حافظ وجدان"۔ اس نے وجدان کو دیکھا اور الماس کے ساتھ باہر نکل آئی۔

"اسکول پہنچ کر اطلاع دیدے گا"۔ وہ کہنا بھولا نہیں تھا۔

"جی ٹھیک۔ آپ دوائی لے کر سوجائے گا۔ کوشش کروں گی کہ یونیورسٹی نہ جاؤں گھر آجاؤں۔۔ کیونکہ آپ اکیلے ہوں گے اور میں نے دوپہر کے لیے کچھ بنایا بھی نہیں ہے"۔

"کوئی بات نہیں"۔ اس نے مسکرا کر صالحہ کو دیکھا تو صالحہ کو شرم نے آلیا۔

"میں چلتی ہوں"۔ وہ مڑنے لگی۔

"اللہ حافظ صالحہ"۔

"اوہاں اللہ حافظ"۔ اس نے پلٹ کر کہا اور ہاتھ ہلاتی گاڑی میں بیٹھ گئی۔ وہ تب تک وہاں کھڑا رہا جب تک گاڑی اس کی نگاہوں سے اوجھل نہ ہوگئی۔

---★★---

urdu novels mania
www.urdunovelsmania.com

زنجیر از قلم عینا بیگ

قسط ۱۸

وہ نماز سے فارغ ہو کر حویلی کے اندر ابھی داخل ہی ہوئے تھے کہ وہاں کھلے کھلے سب کے چہرے ان کی حیرانی کا باعث بنے۔

"خیریت؟"۔ انہوں نے شاہ زل سے پوچھا جو مسکراتا ہوا انہیں ہی دیکھ رہا تھا۔

"اب تو خیریت ہی خیریت ہے"۔ وہ اٹھ کر ان کے گرد چکر لگاتا ہوا بولا تھا۔ ہاتھ میں بلب کا خالی ڈبا تھا جسے وقتاً فوقتاً وہ اسے اچھال رہا تھا۔ شاہ جی نے آنکھیں پھاڑیں۔

"کیا ہو گیا لڑکے؟۔ سٹھیا گیا ہے کیا؟۔ صحیح صحیح بتا یہ سب کے چہرے کھلے کھلے کیوں ہیں؟"۔ انہوں نے پاس سے مسکرا گزرتی ثریا کو دیکھ کر پوچھا۔

"شادی میری ہوتی تو چہرہ میرا بھی کھلا کھلا ہوتا"۔ وہ اب بھی ان کے گرد ہی گھوم رہا تھا جیسے گھیر رہا ہو۔ ثریا لاؤنج کے دروازے پر ہی کھڑی تھی۔

"میرا کھلا کھلا ہے تو باقی سب کے چہرے اتنی صبح سویرے کیوں کھلے ہوئے ہیں؟۔ تعجب کی بات ہے آج حویلی کے مکین جاگے ہوئے ہیں"۔

"ارے اب بھی نہ جاگیں؟۔ اب تو جمعہ کے لیے تیاریاں کرنی ہیں۔۔۔ اب تو شادیانے بجنے ہیں"۔ وہ جیسے خیالی ڈھول بجا رہا تھا۔ شاہ جی کے کانوں کی لوؤں تک سرخ ہوئیں۔ اس موقع پر شرم انہیں بھی آ گئی تھی۔

"لگتا ہے دلہے بھائی شرما رہے ہیں"۔ ثریا کھلکھلائی تھی۔

"دلہے بھائی اتنا شرمانا اچھا نہیں ہوتا۔ نکاح پر دستخط کرتے ہوئے اگر شرما گئے تو موقع ہاتھ سے چلا جائے گا"۔ وہ اب ساتھ مل کر انہیں چھیڑنے لگے تھے۔ شرجیل زینے اترتا نیچے آیا۔

"ارے آگیا میرا دوست"۔ شاہ جی فوراً شرجیل کی جانب بھاگے جو آستین کے کف فولڈ کرتا ہوا حالت انجوائے کر رہا تھا۔

"لگتا ہے چھیڑن چھاڑی شروع ہو چکی ہے۔ واہ مزہ آگیا"۔

"ارے نہیں۔ ذرا انہیں سمجھاؤ۔ میں ان کے باپ کے برابر ہوں گا اور دیکھو یہ کیسی حرکتیں کر رہے ہیں"۔ وہ اس کے کندھے سے آ کر لگے تھے۔ دونوں ہی لمبے چوڑے تھے۔

"کیا کہہ رہے ہیں بشارت جی۔ اتنے بڑے گھوڑوں کے باپ کے برابر کہاں سے ہونے لگے؟"۔ اس نے بشارت حسین کی کمر تھپتھپائی تھی۔ اس کی بات پر جہاں شاہ جی کو غصہ آیا تھا وہیں شاہ زل اور ثریا نے ہنسنا شروع کر دیا تھا۔

"کہنے میں کیا جا رہا تھا؟۔ اخلاقاً کہہ رہا تھا میں تو"۔ انہوں نے دانت پیسے تھے۔

"دوست میں نے بھی اخلاقاً کہا ہے۔ ویسے بھی اب تو پھپھا بننے والے ہیں"۔

شاہ جی کو یقین نہ آیا کہ شرجیل بھی شاہ زل اور ثریا کے ساتھ شامل ہو گیا تھا۔

"استغفراللہ"۔ انہوں نے باقاعدہ اپنی آنکھوں پر ہاتھ رکھا تھا۔ "باخدا تم مجھے پھوپھا کہتے ہوئے جتنے منحوس لگ رہے ہو نا اللہ کی قسم کبھی نہیں لگے۔۔۔ حتیٰ کہ بچپن میں بھی نہیں"۔ شاہ جی کے یوں کہنے پر شرجیل کا قہقہہ نکلا تھا۔

"آپ کو میرے منہ سے یہ لفظ اچھا نہیں لگا؟"۔

"نہیں! تم تو دوست ہو۔۔۔ تمہارے اور میرے درمیان پہلے دوستی کا رشتہ ہے"۔ وہ مسکرائے تھے۔ ان کے لبوں پر آجانے والی مسکراہٹ نے شرجیل کے چہرے پر بھی تبسم پھیلا دیا تھا۔

---★★---

"مس صالحہ اور مس الماس کی برنچ ڈیوٹی ہے۔ جائیں اور ڈیوٹی دیں"۔ ایک ٹیچر اندر آئی تھیں اور رجسٹر سے دیکھ کر بتا رہی تھیں۔ وہ دونوں جو سب کے ساتھ گپے مار رہے تھے منہ لٹکاتے باہر آ گئے۔

"بھوک لگی ہے یار صالحہ اور تمہارا لنچ بھی ختم ہو گیا ہے"۔ وہ صالحہ کے کندھے پر سر رکھتے ہوئے بول رہی تھی۔

"اگر آج یہ لوگ تنخواہ دے دیتے ہیں تو میں تمہیں کینٹین سے کچھ دلا دوں گی"۔ صالحہ نے اپنی نازک انگلیوں سے اس کا سر دبایا۔

"تنخواہ؟۔ آئے ہائے صالحہ کیا یاد دلا دیا۔ کہتے ہیں ابھی ایک دو دن ٹھہر کر مل جائے گی۔ تمہیں یاد ہے مس عروبہ نے کیا کہا تھا؟۔ کہہ رہی تھی colourday (کلرڈے) منائیں گے۔ اب پتا چلا مجھے ہماری تنخواہ کیوں لیٹ ہو رہی ہے۔ ظاہر ہے کلرڈے ہمارے پیسوں سے کر رہے ہیں"۔ اس نے افسوس سے سامنے مس عروبہ کو رنگ برنگے پینٹ لاتے ہوئے دیکھا۔

"وہ دیکھ رہی ہو ان کے ہاتھ میں اتنے رنگ کے سامان؟۔ وہ ہمارے پیسوں کا ہو گا"۔

الماس کی لاجک پر صالحہ کی ہنسی چھوٹ گئی۔ بھلا شہر کے اتنے بڑے اسکول کو تنخواہ تاخیر سے دینے کی ضرورت اس لیے کیوں پیش آئے گی۔ یقیناً کوئی اور معاملہ ہو گا۔

"لگتا ہے کچھ زیادہ ہی بھوک ہے تمہیں۔ آؤ میں کچھ کھلا دوں کینٹین سے"۔ وہ اس کا ہاتھ پکڑنے لگی مگر الماس نے نفی میں سر ہلایا۔

"بچوں کا لنچ کھا لیتے ہیں۔ ویسے بھی دو منٹ کو ہم بیٹھیں گے تو کافی بچے لنچ کا پوچھ لیں گے۔ آجاؤ"۔ وہ یہ کہتے ساتھ اسٹیج پر ہی بیٹھ گئی۔

"تم بچوں کا لنچ کھاؤ گی؟"۔ صالحہ کو حیرانی ہوئی۔

"بچوں کا لنچ ان سے چھین کر تھوڑی کھاؤں گی۔ وہ خود کھلاتے ہیں یار"۔

اتنے میں دو تین بچے ان کے پاس آئے اور اپنا لنچ باکس آگے کرنے لگے۔

"مس آپ بھی لیں"۔ وہ تینوں بیک وقت بولے تھے۔

"واہ۔ کیا کیا لائے ہو؟"۔ الماس نے ان کے ڈبوں میں جھانکا۔

"ٹیچر میرے تو نگٹس ہیں"۔ ایک نے کہا۔ وہ تینوں ہی خوش تھے جیسے ان کے لیے یہ اعزاز کی بات ہو۔

"مس صالحہ"۔ مس عروبہ نے دور سے ہی آواز لگائی تھی۔ صالحہ نے پلٹ کر انہیں دیکھا۔

"جی مس"۔

"آپ کو آفس میں بلایا جا رہا ہے"۔ وہ کہتے وہاں چلی گئی تھیں۔

"آفس میں؟"۔ الماس بھی اٹھ کھڑی ہوئی۔

"میرا تو دل دھک دھک کر رہا ہے الماس"۔ اسے پریشانی نے آلیا تھا۔

"کوئی بات نہیں۔۔۔ تم ہو کر آؤ"۔ اس کا کندھا تھپتھپاتے ہوئے اس نے اسے آگے کیا تو صالحہ آفس کی طرف بڑھ گئی۔

"اسلام علیکم یس میم"۔ وہاں ایک دو اور لوگ تھے۔

"وعلیکم سلام مس صالحہ۔ تشریف رکھیے"۔

صالحہ چیئر آگے کر کے بیٹھ گئی۔

"آپ جانتی ہیں کہ آپ سیکنڈری سیکشن کی ٹیچر ہیں جبکہ آپ کی تعلیم مکمل نہیں۔ اس وقت ہمیں آپ کو سیکنڈری کی نویں جماعت دینا مجبوری تھی کیونکہ اس وقت ہمیں اس کلاس کی ٹیچر کی اشد ضرورت تھی، مگر آج ہم نے ایک ٹیچر کو سیکنڈری کے لیے سیلیکٹ کرلیا ہے۔ وہ کل سے جوائن کریں گی"۔ وہ بہت تحمل سے بات کررہی تھیں۔ صالحہ کے اندر سناٹا چھا گیا۔

"ہم چاہتے ہیں آپ پرائمری کی طرف آجائیں۔ آپ نے کہا تھا کہ آپ نے آگے بھی ایڈمیشن لے لیا ہے۔ ہم چاہیں گے آپ وہ مکمل کریں اور جب تک ہمارا پرائمری سیکشن دیکھیں"۔ وہ رکی سانسوں سے انہیں دیکھ رہی تھی۔ ساکت نظریں ان پر ٹھہر سی گئی تھیں۔

"آپ نے جواب نہیں دیا؟"۔

"جج۔ جی میم۔۔۔مجھے میری کلاس بتادیں"۔ وہ ہکلا کر بولی تھی۔

"ہم چاہتے ہیں کہ آپ تیسری جماعت کی کلاس ٹیچر بن جائیں کیونکہ آپ کو نویں جماعت کی کلاس ٹیچر ہوتے ہوئے ذمہ داریاں اچھی پوری کرتے دیکھا ہے"۔

"جی میم"۔ سن دماغ سے اس نے پھر جواب دیا۔

"آپ کی تنخواہ میں پہلے سے کچھ کمی آئے گی کیونکہ جماعت میں فرق آیا ہے۔ آئندہ دنوں میں تنخواہ بڑھنے کے چانسز ہیں"۔

"جی میم"۔

"شکریہ ہمارے ساتھ کاپریٹ کرنے کے لیے"۔

"جی" وہ اثبات میں سر ہلاتی مرے مرے قدموں سے باہر آئی۔ اسے اپنی تنخواہ کم ہونے سے کوئی فرق نہیں پڑا تھا، مگر اسے سیکنڈری سے پرائمری لانے کا افسوس تھا۔ اس کے آنکھوں سے موٹے موٹے آنسو نکلنے لگے تھے جب وہ الماس کے قریب آئی تھی۔ الماس اسے دیکھ حیران ہوگئی تھی۔ نجانے اب کیا ہونے والا تھا۔

---★★---

وہ لاؤنج سے ہوتا ہوا باغ میں آیا۔ موسم اس قدر خوبصورت تھا کہ اس کا جی چاہا یہی کرسی لگا کر بیٹھ جائے۔ لگتا تھا کہ کچھ وقت میں ہی بارش ہوجائے گی۔ وہ حویلی کے پیچھے دوسرے زینے پر بیٹھی تھی جب شاہ زل وہاں داخل ہوا۔ حویلی کا یہ حصہ اکثر سنسان ہی رہا کرتا تھا۔

"آپ؟"۔ وہ اسے دیکھ کر حیران ہوئی تھی۔ ایک تو یہ شخص ہر جگہ اس کے پیچھے آجایا کرتا تھا۔

"میں نے سوچا کہ آپ کہ سوچوں میں دخل اندازی کرنی چاہیے"۔ وہ مسکرایا تھا۔ اچانک بادل کی آواز پورے گاؤں میں گونجی۔

"لگتا ہے بادل آپس میں ٹکرائے ہیں"۔ وہ فلک کو تکتے ہوئے جیسے اسے بتا رہی تھی۔

"جی کچھ ایسا مجھے بھی لگتا ہے"۔ اس کی بھنویں آسمان کو دیکھ کر اوپر کو اٹھی تھیں۔

"آپ نے کہا تھا کہ پھولوں سے حویلی کو سجائیں گے"۔ اس نے مسکراہٹ چھپاتے ہوئے پوچھا۔

"آپ چاہتی ہیں تو ضرور سجائیں گے"۔ مبہم سی مسکراہٹ۔۔ جو اس پر نگاہیں پڑتے ہی لبوں پر آجایا کرتی تھی۔

"اور پھول؟"۔

"ہاں اس سے بھی"۔ اس نے حامی بھری۔

"لائٹیں بھی"۔ اس نے خوشی سے آنکھیں پھاڑیں۔

"ہاں وہ بھی"۔

"اور بھی بہت کچھ"۔ خوشی کے مارے وہ دوسرے زینے پر کھڑی ہوگئی تھی۔

"اور کیا؟" وہ سینے پر ہاتھ باندھے دیوار سے ٹیک لگائے اس سے پوچھنے لگا۔ دل یک دم چاہا وہ بولتی رہے۔

"اور کیا کیا ہوتا ہے؟"۔ وہ سوچنے لگی۔

"نکاح ہوتا ہے"۔ وہ معنی خیز لہجے میں مسکرایا۔

"ارے بھئی وہ تو ظاہر ہے پھپھو کا ہوگا"۔ وہ جھنجھلائی۔

"ہاں ایک اور نکاح بھی ہو سکتا ہے"۔ شاہ زل نے بمشکل مسکراہٹ چھپائی۔

"ہاں مگر شجر کے سسرال والے ابھی صرف منگنی ہی کرنا چاہتے ہیں"۔ وہ اتنی بھی بھولی نہ تھی کہ اس کی بات کا اشارہ نہ سمجھ پاتی مگر وہ بات گول کرنا بھی جانتی تھی۔ شاہ زل نے سر جھٹکا۔

"اس بات کو چھوڑیں"۔

"آپ شہر سے یہ سب سامان لے آئیں"۔ ثریا نے خواہش کی تو وہ اسے دیکھتا رہ گیا۔ لمبی موٹی چٹیا اس کے کندھے سے لٹکی جھول رہی تھی۔

"آپ کہتی ہیں تو لے آؤں گا، مگر سجاوٹ میں آپ کو پچاس فیصد ہاتھ بٹانا ہوگا"۔ شاہ زل یہ سوچ کر مسکرایا تھا کہ کہیں کہیں مطلبی ہونا بھی اچھا ہوتا ہے۔

"ہاں وعدہ رہا"۔ وہ زینے اتر کر نیچے آئی۔

"نکاح کریں گی؟"۔ اسے جاتے دیکھا تو جھٹ سے بولا، مگر جلد ہی زبان دانتوں میں دبالی۔

ثریا ماتھے پر بھنویں رکھ کر مڑی۔

"کس سے؟"۔

"لڑکے سے"۔ گھبراہٹ کے مارے اس سے کچھ نہ سوجا۔

"ظاہر ہے لڑکے سے ہی کی جاتی ہے"۔ ثریا نے سینے ہر ہاتھ باندھے۔

"ہاں تو کرلیں نا"۔

"لڑکا کون؟"۔

"کک۔ کوئی بھی ہو آپ کا مسلہ نہیں"۔ وہ کیا اول فول بکا جا رہا تھا۔

"شرمانے کی آخری حد میں ہیں آپ۔۔۔ ہکلا ہکلا کر تھک نہیں رہے اس لیے الٹا سیدھا بولے جا رہے ہیں"۔ وہ ہنسنے لگی۔

"نروس ہو رہا ہوں"۔ وہ نگاہیں زمین پر گڑا کر بولا۔

"آپ کے لیے لڑکی دیکھی ہے میں نے۔۔۔"۔ اس کے نروس ہونے کا فائدہ اٹھاتی ہوئی بولی تھی۔

آئے کیا انہوں نے آئینہ تو نہیں دیکھ لیا۔ شاہ زل نے بے اختیار سوچا تھا۔

"کون؟"۔

"وہ ہے بھی بہت خوبصورت اور اسے چاہیے بھی آپ جیسا لڑکا"۔

اوہ اب تو یقین ہو گیا تھا کہ وہ اپنی بات نہیں کر رہی تھی۔

"مجھے فرق نہیں پڑتا۔ بس اتنا چاہتا ہوں کہ جسے میں چاہتا ہوں وہ بھی چاہنے لگے"۔ وہ چلتا ہوا اس کے قریب آیا۔ "بس اتنا چاہتا ہوں ثریا"۔

"چلیں پھر آپ ہی بتا دیں لڑکی"۔ ثریا نے ہار مانی۔

"پیچھے آئینے میں دیکھیں"۔ اس نے پیچھے ٹوٹے ہوئے آئینے کی طرف اشارہ کیا۔ وہ مڑی تو ساکت رہ گئی۔ وہ اس کا ہی عکس تھا۔ سانسیں گویا بے ربط چلنے لگیں اور دل دھڑکنے لگا۔

"کیا کہتی ہیں پھر آپ؟ کیا وہ مانے گی؟"۔ وہ پوچھ کر لب بھینچ گیا تھا۔ اندر ڈر نے گھیرا ہوا تھا۔ کہیں اس کا جواب انکار نہ ہو۔

"مجھے آئینے میں کوئی نظر نہیں آیا"۔ وہ سپاٹ لہجے میں کہتی مڑنے لگی۔

"نظر نہیں آیا یا دیکھنا نہیں چاہتیں؟"۔ وہ یکدم بولا۔

"میری منگنی ٹوٹ چکی ہے"۔

"نکاح بھی ٹوٹا ہوتا تو بھی یہی بولتا"۔

"کیا اچھا لگے گا ایک لڑکی جس کی منگنی ٹوٹی ہوئی ہے۔۔۔"۔ وہ جملہ مکمل کر رہی تھی کہ اس نے بات کاٹنی چاہی۔

"کہاں لکھا ہے کہ یہ اچھا نہیں لگے گا؟۔ فرق یہاں کسی کو نہیں پڑتا۔ اور ویسے بھی آپ کی منگنی نہیں ہوئی تھی بلکہ صرف رسماً بات ہوئی تھی"۔

وہ خاموش رہی۔

"جواب کیا ہے آپ کا؟ یہ سوچ کر دے گا کہ ایک لڑکا محبت کے ہاتھوں مجبور ہو کر بدلے میں محبت مانگ رہا ہے"۔ اس نے گہری سانس خارج کی۔

ثریا اچانک سرخ ہوئی۔

"اور اگر میں نے منع کر دیا تو؟"۔ مسکراہٹ لب بھینچ کر چھپا دی تھی۔

"تو میں چھت کی اسی جگہ سے کود جاؤں گا جہاں رات میں آپ کھڑی ہوتی ہیں"۔ وہ بھی مٹھی بھینچ کر جیسے دھمکی دے رہا تھا۔

"اور پھر سجاوٹ کون کرے گا حویلی کی؟"۔ ثریا نے بھنویں اچکائیں۔ شاہ زل ششدر رہا۔ اسے حویلی کی سجاوٹ کی پڑی تھی؟

"آپ کو سجاوٹ کی فکر ہے؟؟؟"۔

"نہیں فکر تو زمین کی بھی ہے کیونکہ آپ کے کود جانے پر زمین ٹوٹے گی تو اچھا نہیں لگے گا۔۔۔ اور پھر شادی بھی ہے پھپھو کی تو اس میں اور کام بڑھ جائے گا"۔ وہ دھیما سا مسکرائی۔

"نہیں مرنے کے بعد سمینٹ فرش پر خود بھر جاؤں گا"۔ وہ جل بھن کر بولا تھا۔ وہ مسکرائی تھی۔

"آپ جواب کب دیں گی؟"۔ وہ جیسے انتظار کر رہا ہو۔

"آپ چاہتے ہیں ابھی دوں؟"۔ اس نے آئبرو اچکائی۔

"آپ کیا چاہتی ہیں؟"۔ وہ ہر بات پر اس کی خواہش پوچھتا تھا۔

"سوچنا پڑے گا"۔

"سوچنے سے کیا ہو گا؟ اچھا خاصا ہنڈسم اور وجاہت سے بھرپور مرد ہوں"۔ وہ جیسے خود کو آئینے میں دیکھ کر بولا تھا۔ اسے منہ میاں مٹھو بنتے دیکھا تو وہ کھلکھلا دی۔

"ہر اچھائی اور ہر خامیاں نکالوں گی پھر اس کی فہرست بناؤں گی۔ جس کا پلڑا بھاری ہو گا اس کے مطابق جواب دے دوں گی"۔ وہ شرارتاً بولی۔

"چلیں اب مجھے کوئی فکر نہیں۔۔۔ پھر یقیناً فیصلہ میرے حق میں ہو گا"۔ اس کی آنکھوں میں جو محبت تھی وہ ثریا سے چھپ نہ سکی۔ وہ جس قدر اس پر مہربان ہوتا تھا اس سے گویا ثریا کے لب سل گئے تھے۔ وہ وجاہت سے بھرپور ایک مرد تھا۔ جو سب سے پہلے اس سے "آپ کیا چاہتی ہیں؟" پوچھا کرتا تھا۔ یعنی اس کی مرضی!۔ اس کو ٹھکرانا ہیرے کو ٹھوکر مارنے کے مترادف تھا، مگر وہ یوں آسانی سے ماننے والی نہیں تھی۔ حیا بھی مشرقی

لڑکیوں کو کتنی جلدی آلیتی ہے۔ اس کی چادر کا رنگ اس کے چہرے پر آگیا۔۔۔ ایک دم سرخ۔۔۔

"پھر فیصلہ سننے کے لیے کل تک کا انتظار کیجیے"۔ وہ گھنی پلکوں کی بار جھکاتی وہاں سے بھاگ گئی۔ شاہ زل نے گہری سانس سینے میں اتاری۔ کل کا انتظار کرنا کتنا مشکل تھا۔۔۔

۔۔۔★★۔۔۔

افشاں کا کمرہ نیچے ہی سیٹ کر دیا تھا۔ ہر رنگ سے بھرپور وہ کمرہ ایک دم خوبصورت نظر آتا تھا۔

"افشاں۔۔۔ ابا جان سے مل آؤ"۔ کبیر نے اس کے سر پر ہاتھ رکھ کر کہا تھا تو وہ انہیں ہونقوں کی طرح دیکھنے لگی۔ بے شک وہ باپ تھا مگر ان کا نام سنتے ہوئے اب بھی جسم میں سنسنی سی پھیل جاتی تھی۔۔۔ وہ لڑکھتے قدموں سے کبیر کے ساتھ چلتی ہوئی داجی کے کمرے کے دروازے تک پہنچی۔

"ہمارے ابا ہیں وہ افشاں۔ جو بھی ہوا ہو مگر ایک باپ کو ہم بھول کیسے سکتے ہیں"۔ وہ بتا رہے تھے یا منا رہے تھے وہ جان نہ پائی۔ دروازہ کھولا اور اندر داخل ہوئے۔ وہ بستر پر لیٹے تھے۔ فالج زدہ جسم انہیں ہلنے بھی نہیں دے رہا تھا۔

افشاں کی سانسیں ان کی حالت دیکھتے ہی تھم گئیں۔ داجی بے یارومددگار رہ گئے تھے۔ اس نے سختی سے کبیر کے ہاتھ کو پکڑلیا۔ آنکھیں صدمے سے پھٹ گئی تھیں۔ ان کی حالت اس کے لیے ناقابلِ برداشت تھی۔

"افشاں"۔ ٹوٹے پھوٹے لفظوں میں داجی نے اس کا نام لیا تھا۔ وہ بھاگ کر بستر کے ساتھ کرسی پر بیٹھ گئی تھی۔

"افشاں دھی ہے نا یہ؟"۔ وہ غنودگی کی کیفیت میں جیسے کبیر سے پوچھ رہے تھے. اتنے عرصے میں شاید چہرے کے نقوش بھی بھول گئے تھے۔

"جی ابا یہ فشا ہی ہے"۔ کبیر یکدم بولے۔

"یہ کچھ۔۔۔ بول کک۔ کیوں نہیں رہی؟"۔ وہی الفاظ ٹوٹے پھوٹے۔ افشاں نے کبیر کی جانب دیکھا۔ تو وہ اپنا کیا گیا ظلم بھی بھول چکے تھے۔

"یہ کچھ بول نہیں رہی کیونکہ یہ بول نہیں سکتی۔ آپ کی بدولت! بھول گئے؟ آپ نے ہی تو منہ بند کروادیا تھا اس کا؟"۔ وہ ناچاہتے ہوئے بھی تلخ ہوئے تھے۔ افشاں نے کبیر کا ہاتھ پکڑکر جیسے انہیں بولنے سے روکا تھا۔ داجی کو شاید وہ ظلم کی گھڑیاں یاد آگئی تھیں۔ وہ سن ہو گئے تھے۔۔۔ آنکھوں سے نکلنے والے آنسوؤں میں روانگی تھی۔

"میری دھی"۔ کپکپاتے ہوئے الفاظ نکلے۔ افشاں نے ہچکیاں بندھ گئی۔

"ہم اس جمعہ کو بشارت حسین اور افشاں کا نکاح کر رہے ہیں"۔ کبیر نے خبر دی۔

داجی کی خاموشی میں لمحہ بھر کا اضافہ ہوا۔

"مجھے نکاح میں بلاؤ گے؟"۔ وہ لرز رہے تھے۔

"آپ کا ہونا لازمی ہے۔ ولی ہیں آپ"۔

افشاں اس سب میں صرف آنسو بہا رہی تھی۔

"یہ کہاں رہے گی پھر؟"۔

"بشارت اپنے ساتھ لے جائے گا۔ شہر میں ایک ہسپتال ہے۔ جہاں سے اس کا علاج ہوگا۔ یہ اچھی ہوجائے گی کیونکہ یہ پیدائیشی بے زبان نہیں تھی"۔ انہوں نے پیدائیشی بے زبان کو چبا کرادا کیا تھا اور پھر لمبی سی خاموشی چھا گئی تھی۔

"اس سے کہنا۔۔۔ میری دھی کک۔ کا خیال رکھے"۔ لب پھر ملے تھے۔ کبیر استہزایہ ہنسے۔۔۔

"ابا جان ہم سے زیادہ جانتا ہے وہ اس کا خیال رکھنا۔ اس نے یوں ہی ایک عمر نہیں گزاری حویلی میں"۔

افشاں کے دل میں کچھ ہوا۔ واقعی صبر کا پھل میٹھا ملا تھا۔

---★★---

وہ دروازہ چابی سے کھولتی اندر آئی۔ گیٹ لاک کیا اور تھکی تھکی سی زینے چڑھتی کمرے میں آگئی۔ اسے اس قابل نہیں سمجھا گیا تھا اس لیے پرائمری سیکشن میں جگہ دے دی تھی۔

وجدان بستر پر لیٹا ہوا تھا۔ اس کی موجودگی پر وہ جھٹکے سے اٹھا تھا۔

"اسلام علیکم"۔ بجھے بجھے لہجے میں اس نے سلام کیا اور بیگ صوفے پر رکھ کر وہی ڈھے گئی۔

"وعلیکم سلام آپ یونیورسٹی نہیں گئیں؟" وجدان کو حیرت ہوئی۔

"دل نہیں کر رہا تھا"۔ بات مکمل ہونے سے پہلے ہی وہ روہانسی ہوگئی تھی۔ اس کا دل غم سے پھٹ رہا تھا۔ وہ اٹھی اور اپنا ہرا گاؤن اتار کر بستر پر غصے سے پھینکا۔ آنسو بے ربط بہہ رہے تھے۔ وجدان ششدر رہوا۔ اس نے استانی کا گاؤن پھینکا تھا اس سے بڑی حیرانی کی اور کون سی بات ہوگی۔

"صالحہ آپ ٹھیک ہیں؟"۔ وہ تیزی سے اٹھ کر اس کی سمت آیا۔ وہ آپے سے باہر ہو رہی تھی۔ اس نے صالحہ کے ہاتھ اپنے ہاتھوں میں لیے اور زبردستی بستر تک لایا۔ وہ ہچکیوں سے رونے لگی۔ وجدان کا دل گویا کسی نے چیر دیا ہو۔

"صالحہ میں پریشان ہو جاؤں گا یار۔ کیوں رو رہی ہیں؟۔ کیا ہوا ہے کچھ بتائیں تو"۔ اس نے صالحہ کو بستر پر بٹھا کر اس کا ہتھیلیاں سختی سے پکڑتے ہوئے پوچھا۔

"مجھے نہیں پڑھانا اسکول میں۔۔۔نہیں جانا مجھے"۔اس کی آواز بلند ہوئی۔

"مجھے نہیں بتائیں گی تو مجھے کیسے خبر ہوگی؟"۔اس نے دھیمی آواز میں اس کی پلکوں کو کو چھو کر پوچھا۔

"انہیں نے مجھے پرائمری سیکشن میں شفٹ کر دیا ہے"۔اس نے ہچکیوں کے درمیان بتایا۔وجدان بے آہ بھری۔تو یہ ماجرا تھا۔

"تو؟؟"۔

اس کے سوال پر صالحہ کو حیرت ہوئی اس نے نگاہیں اٹھا کر وجدان کو حیرانی سی دیکھا۔

"یہ اچھی بات تو نہیں"۔اسے پھر رونا آنے لگا۔کلائیاں اب بھی وجدان کی قید میں تھیں۔

"ارے یہ تو اچھی بات ہے نا۔۔۔"۔کنچی آنکھوں میں جھانک کر کہا

"انہوں نے کہا میری تعلیم ابھی زیادہ نہیں تو میں سیکنڈری کے لیے ٹھیک نہیں۔۔۔سیکنڈری انہوں نے مجھے مجبوری میں دی تھی کیونکہ ان کے پاس اس وقت کوئی اور استانی نہیں تھیں۔پچھلی والی اسکول چھوڑ گئی تھی"۔اپنی دکھ بھری کہانی اس نے اپنے شوہر کو سنائی تھی۔

"تو کوئی بات نہیں۔ان شاء اللہ کچھ سالوں میں آپ کی تعلیم میں اضافہ ہو جائے گا تو وہ آپ کو سیکنڈری پھر دے دیں گے۔اور آپ کو تو چھوٹے بچے کتنے پسند ہیں۔۔۔آپ سے

استانی کا رتبہ تھوڑی چھین رہے ہیں وہ۔۔۔ آپ کو تو استانی بننا پسند ہے! چاہے وہ کسی جماعت کی ہی کیوں نہ ہو۔ پڑھانا تو بچوں کو بھی ہوتا ہے۔ کونسی جماعت دی ہے آپ کو؟"۔ وہ محبت سے اسے سمجھا رہا تھا۔

"تیسری"۔ وہ منمنائی۔

"واہ! بچوں کو بچپن سے سمجھ جو چیزیں آتی ہیں وہ ہی تو ضروری ہوتی ہیں۔ یہی تو عمر ہوتی ہے بچوں کو دیکھنے کی استانی صاحبہ"۔ وہ شرارتاً بولا تھا تو صالحہ ہنس پڑی تھی۔

"یہ گاؤن کیوں بستر پر پھینکا؟۔مجھے افسوس ہے آپ نے اسے عزت نہیں دی"۔ اس نے بستر پر پڑا گاؤن دیکھ کر بے چارگی سے دیکھا۔ صالحہ نے پریشانی سے دیکھا۔ اس نے اٹھ کر گاؤن اٹھایا اور تہہ کر کے واپس بستر پر رکھ دیا۔

"مجھے ایسا نہیں کرنا چاہیے تھا"۔ وہ افسوس کرتے ہوئے بولی۔ وہ بھی ایک عام سی لڑکی تھی۔ تھوڑی تھوڑی خامیاں اس میں بھی تھی۔ ہر انسان میں کوئی نہ کوئی بری عادت ضرور ہوتی ہے اور اس کی بری عادت غصہ تھی۔ نجانے کیوں اسے غصے آیا کرتا تھا؟۔ کیوں پھر وہ رو جایا کرتی تھی؟۔

"کیسے آئی ہیں؟"۔

"الماس چھوڑ کر گئی ہے"۔ وہ دھیمی آواز میں بولی۔ وجدان اٹھ کر وقار سے چلتا ہوا اس کی جانب آیا۔ وہ وارڈروب سے پلٹی ہی تھی کہ اسے اتنا قریب دیکھ کر حیران ہو گئی۔

"میں سوچ رہا ہوں آپ کو کچھ دن کی چھٹی لے لینی چاہیے اسکول سے۔۔۔ حویلی کا چکر لگا کر آتے ہیں"۔ وہ کنچی آنکھوں میں دیکھ کر اپنے دل کی پیاس بجھا رہا تھا۔ صالحہ نے خوشی سے پوری آنکھیں کھول کر اس دیکھا۔۔۔

"سچی؟"۔ وہ چیخ پڑی تھی۔

"بلکل"۔ اس نے صالحہ کا ہاتھ پکڑ کر پہلی بار آنکھوں سے لگایا۔ صالحہ تھم سی گئی۔ یہ انداز اچھا تھا مگر وہ شرم وحیا سے سرخ ہو گئی تھی۔ نگاہیں زمین کو لگ گئیں تھی اور سر جھک گیا تھا۔

"تو کیا کہتی ہیں؟"۔ وہ اس کے انداز سے لطف اندوز ہوتا محبت سے اس سے پوچھنے لگا۔

"میں کال کروں گی حویلی۔ پھر ہم کل چلیں جائیں گے"۔ وہ جیسے کل کا پروگرام اسے بتا رہی تھی۔ وہ بھی ہنس پڑا۔

"جی صالحہ ہم کل ہی جائیں گے"۔ اس کے گال چھوتے ہوئے وہ پیچھے کو ہٹ گیا۔ وہ مسکرا دی۔ وہ کتنا اچھا تھا۔ اس کی پشت کو تکتے ہوئے وہ بس اس کے بارے میں سوچ رہی تھی۔

یہ سوچ کر وہ لب بھینچ گئی کہ اظہار ضروری ہے!۔

وجدان کو یقین تھا کہ اب کی بار اس کے پھول رائیگاں نہیں جائیں گے۔

۔۔۔★★۔۔۔

"تم صالحہ کو کال کر لو جیا"۔ وہ سنگھار میز پر بیٹھی تھی جب اس نے حیدر کی آواز سنی۔ وہ واش روم سے شاور لے کر نکلا تھا۔

"مجھے لگتا ہے یہ خبر تم اسے سناؤ گے تو وہ اور خوش ہو جائے گی"۔ اس نے کریم ہاتھوں پر مل کر سنگھار میز پر واپس رکھ دی۔

"میں اسے تم سے زیادہ جانتا ہوں جیا۔ وہ ایک دفعہ کسی سے خفا ہو جائے تو بہت مشکل سے مانتی ہے۔ بغاوت کا پتلا ہے وہ۔ ایسا پتلا ہے جو آسانی سے نہیں ماننے والا۔ حالانکہ اسے غصے کم آتا ہے مگر جب بھی آتا ہے بہت تیز آتا ہے"۔ وہ مسکرا رہا تھا۔

"پھر تو میں تمہاری بیوی ہوں۔ وہ مجھ پر بھڑک گئی تو؟"۔ وہ جانتی تھی ایسا کچھ نہیں ہو گا مگر پھر بھی خود کو بولنے سے روک نہ سکی۔

"وہ غصے میں ادب کا دامن نہیں چھوڑتی وجیہہ"۔ وہ اسے یاد کرتا ہوا پھیکا سا مسکرایا تھا۔

وجیہہ نے ایک نظر اسے دیکھا۔

"تم یاد کر رہے ہو اس کو؟"۔

"ہوں"۔

"میں کال کرتی ہوں"۔ اس نے میز سے موبائل اٹھا کر نمبر ڈائل کیا۔ دو تین بیل پر کال اٹھالی گئی تھی۔

"اسلام علیکم بھائی"۔ بھائی کی آواز پہچان کر وہ خوشی سے پھولی نہ سمائی تھی۔

"وعلیکم سلام جیا جان۔ کیسی ہو؟۔ یاد آگئی بھائی کی؟۔ افسوس کہ اب بھی بھابھی کے موبائل پر کال کی تم نے۔۔۔ میرا نمبر کیا بھول گیا تھا؟"۔ وہ جیسے شکوہ کر رہا تھا۔

"آپ تو یاد آتے رہتے ہیں۔ اس لیے میں نے سوچا آپ کے شہر آجاؤں"۔ اسے وجدان کو دیکھنے کی خواہش جاگی۔ وجدان جو بستر پر لیٹا ہوا تھا ششدر رہا۔

"سچ کہہ رہی ہو؟"۔

"آپ سے ملنے کا بہت دل ہے بھائی"۔ وہ آنکھوں میں آتے آنسو روک نہ پائی تھی۔ کھڑکی سے آتی ٹھنڈی ہوا نے اسے اپنی جانب متوجہ کیا تو وہ چلتی ہوئی کھلی کھڑکی کے پاس آکھڑی ہوئی۔

"تم کیا جانو میں نے کس دل سے رخصت کیا تھا تمہیں"۔ وہ کہہ کر لمحے بھر کو خاموش ہوا تھا۔ "حیدر بھی آرہا ہے؟"۔

"جی"۔

"ہوں۔ ویسے میں اور صالحہ حویلی آہی رہے تھے"۔

"اوہ یہ تو اچھی بات ہے، مگر ہمیں شادی کے جوڑے بھی لینے ہیں"۔ وہ معنی خیز لہجے میں کہتے ہوئے ساتھ مسکرائی تھی۔ وہ ٹھٹھکا۔

"شادی کے جوڑے مگر کس کے؟"۔ وہ بستر پر اوندھا لیٹا ہوا تھا۔

"صالحہ کدھر ہے؟ آس پاس تو نہیں؟"۔

"کیوں کیا ہوا؟"۔

"اس لیے پوچھ رہی ہوں کیونکہ ہم اسے یہ سرپرائز دینا چاہتے ہیں۔ شہر آکر ہی اسے خبر دوں گی کہ اس کی پیاری پھپھو کی شادی بشارت صاحب سے طے ہو گئی ہے اور جمعے کو نکاح ہے"۔

"واٹ؟۔ بشارت صاحب کون؟"۔

"وہی شاہ جی۔۔۔ وہ بشارت حسین ہی ہیں"۔

"جو گھر کے باورچی ہیں؟۔ حویلی والوں پر کیا نوبت آئی کہ ایک باورچی سے شادی کروا رہے ہیں"۔

اس کی بات ہر وجیھہ نے سر پیٹا۔

"بھائی آپ کو صالحہ نے کچھ بتایا نہیں؟"۔

وجدان نے پلٹ کر واش روم کے دروازے کو گھورا جس کے اندر صالحہ تھی۔

"نہیں بتایا تو کچھ نہیں"۔

"کل ہی آکر آپ کو بتاؤں گی شاہ جی کے بارے میں۔۔۔ یا پھر آپ صالحہ سے پوچھ لے گا"۔

"ہوں ٹھیک ہے"۔ اس نے کہہ کر تھوڑی دیر اور بات کی۔ ابھی بات کر کے کال کاٹی ہی تھی کہ صالحہ واش روم سے باہر آئی۔ کال کٹ چکی تھی مگر وجدان نے کچھ سوچ کر موبائل پھر کان سے لگا لیا۔

"ہاں بولو"۔ نجانے دل نے کیا تکلیف کی تھی جو وہ یہ کر رہا تھا۔ صالحہ ٹھٹھکی۔

"اچھا کل؟۔ معافی چاہتا ہوں مگر اب میں شادی شدہ ہوں! اور اپنی بیوی سے بہت مم۔ مم"۔ وہ لفظ "محبت" چاہ کر بھی ادا نہیں کر پا رہا تھا۔ "مطلب میں اسے چاہتا ہوں۔ وہ اب میری بیوی ہے"۔ وہ آخر کیوں کر رہا تھا ایسا وہ خود نہیں جانتا تھا۔ اس کی صالحہ کی جانب پشت تھی۔ صالحہ ششدر کھڑی تھی۔ وہ اب بھی اوندھا منہ ہی لیٹا تھا۔

"اچھا؟۔ ہاں مگر مجھے ایسا لگتا ہے کہ میری بیوی کو میں زیادہ بھاتا ہی نہیں"۔ وہ صرف اس لیے کر رہا تھا تاکہ صالحہ کا دل موم ہو سکے۔ اور واقعی اس کا دل آہستگی سے پگھل رہا تھا۔

"مجھے لگتا ہے میں اس کے بغیر نہیں رہ سکتا۔ وہ میرے جینے کی وجہ بن گئی ہے، مگر شاید اسے مجھ میں دلچسپی نہیں۔۔۔"۔ وہ ساتھ ساتھ افسوس سے نفی میں سر ہلانے لگا۔

صالحہ کے کانوں کی لوؤں سرخ ہوئیں۔

"تمہیں پتا ہے اس نے ناشتہ نہیں کیا صبح! اس لیے میں نے بھی دوپہر کا کھانا نہیں کھایا"۔ وہ بے چارگی کی مثال قائم کرتا ہوا بولا۔ "یہی تو میری چاہت کی نشانی ہے میرے دوست! وہ بھوکی ہوگی تو میں کیسے کچھ کھا سکتا ہوں"۔ وجدان کو ساتھ ساتھ وہ سینڈوچ بھی یاد آئے جو اس نے صالحہ کے گھر آنے سے پہلے بنا کر کھائے تھے۔ صالحہ سنگھار میز کی طرف گئی اور برش دراز میں رکھا۔ آواز پیدا ہونے پر وجدان نے انجان بن کر اسے دیکھا۔

"مم۔ میں کال رکھتا ہوں"۔ وہ کال کاٹنے کی ایکٹنگ کرتے ہوئے موبائل پکڑتا اس کی طرف آیا۔

"آپ نے کچھ کھایا ہے؟"۔ محبت سے صالحہ کی آنکھوں میں دیکھ کر اس نے پوچھا تھا۔

صالحہ کی آنکھوں سے چاہت کے آنسو نکل پڑے۔ وہ سوچنے لگی کہ وہ کتنا اچھا ہے۔

وجدان نے موبائل سنگھار پر رکھا۔

"یقیناً نہیں کھایا ہوگا۔۔۔ میں نے بھی نہیں کھایا۔ میں کچن میں جا رہا ہوں اور ہاں! میں اب بہتر محسوس کر رہا ہوں"۔ مدھم سا مسکراتا وہ اس کی آنکھوں میں جھانکتا نیچے چلا گیا۔

وہ اس کے پیچھے جانے کے لیے مڑنے لگی کہ موبائل دیکھ کر ٹھٹھک گئی۔ یہ موبائل تو صالحہ کا تھا! تو وہ اپنا موبائل ہوتے ہوئے اس کے موبائل سے کیسے اپنے دوست سے بات کر سکتا تھا۔ وہ دس منٹ کی کہانی پل بھر میں سمجھ گئی۔

"بدتمیز شخص"۔ صالحہ دانت پیسے بنا نہیں رہ سکی تھی۔ "تمام توجہ بھی دے دو انہیں پھر بھی ہمدردی کی خواہش مند ہیں۔۔۔ ہونہہ جیسے میں جانتی نہیں"۔ وہ بڑبڑاتی وجدان کے پیچھے چلی گئی۔

---★★---

شام کے سائے لمبے ہو رہے تھے۔ وہ ٹیرس پر کھڑا اپنی مخصوص خاکی شال پہنا سورج کو تک رہا تھا۔ پل بھر کو نگاہیں نیچے کیں تو باغ نظر آیا۔ سب خوش تھے اب شاہ جی کی شادی ہونے لگی تھی، وجدان کے بارے میں سنا تھا کہ وہ بہت اچھا شوہر ثابت ہوا ہے، شاہ زل اپنی قسمت آزما رہا تھا مگر یہ نہیں معلوم تھا کہ اس کی گوٹی گرے گی یا نہیں۔ سب خوشحال تھے اور وہ اجڑ کر کھڑا تھا۔ نہیں جانتا اس چھوٹی لڑکی سے محبت کب ہوئی۔ شاید جب سمیعہ تائی کو رفاہ پر ہاتھ اٹھانے سے روکا تھا یا پھر جب اس کے ساتھ باغ کے جھولے پر بیٹھ کر پوری رات گزاری تھی۔ وہ کبھی اس کو حویلی کی جنجھال سے نہ نکالتا اگر وہ اس کی بیوی نہ ہوتی۔ نکاح کے تین بار بولنے والے بول دل میں نجانے کونسا صور پھونک جاتے ہیں۔

وہ بول محبت میں تبدیل ہو گئے تھے۔ پرندے واپس اپنے گھروں کی جانب بڑھ رہے تھے۔

"جس شخص پر اعتبار کر کے اس نے مجھے منع کیا ہے اسی شخص نے تمہیں اس حویلی تک پہنچایا تھا"۔ وہ خود سے بول رہا تھا۔ وہ شرجیل بٹ تھا۔ اس میں عزتِ نفس کا ڈیرا تھا۔ وہ ان لوگوں کی جانب پلٹتا ہی نہیں تھا جو اس سے ملنے سے ایک بار انکار کر دیں۔ وہ بیوی تھی مگر وہ اب بھی شرجیل تھا۔ اسے کوئی فون کال کرنے کی ضرورت پیش بھی نہیں آنی تھی۔ وہ صاف انکار کر چکی تھی اور وہ تنہا ہو چکا تھا۔

"شرجیل"۔ شاہ زل اس کے کمرے کے وسط سے ہوتا ہوا ٹیرس پر آیا تھا۔

"وہ کل فیصلہ سنانے والی ہے"۔ اس کی سانسیں پھولی رہی تھیں اور وہ خود کو سنبھال رہا تھا۔

"اچھی بات ہے"۔ سنجیدگی سے جواب آیا۔ شاہ زل کو حیرت نہیں ہوئی کیونکہ برتاؤ اور لہجہ اس کا مخصوص تھا۔

"رفاہ کب آ رہی ہے؟"۔ اس کی تنہائی محسوس کرتے ہوئے سرسری پوچھا۔

"نہیں آئے گی اب وہ"۔ وہ اب بھی سورج کو ہی تک رہا تھا جو بہت آہستگی سے غروب ہو رہا تھا۔ شاہ زل نے بھنویں اچکائیں۔

"کیا مطلب؟"۔

"اس کا اور کیا مطلب ہو سکتا ہے شاہ زل"۔

"کیا بول رہی ہے وہ؟"۔

"وہ کہہ رہی ہے وہ واپس آنا نہیں چاہتی اور اسے طلاق۔۔۔"۔ وہ طلاق کے آگے بول نہیں پایا تھا۔ لب بھینچے ہوئے تھے۔ شاہ زل نے آنکھیں پھاڑیں۔

"وہ یہ مم۔۔۔"کچھ کہہ ہی رہا تھا شرجیل نے بات کاٹی۔

"وہ میرے ساتھ رہنا نہیں چاہتی"۔

"وہ تمہارے ساتھ رہنا نہیں چاہتی مگر کیوں؟"۔

"کاش میں جان پاتا"۔

"اور تمہارا کیا؟"۔ وہ اب دیوار پر ہاتھ رکھ کر اس کی طرح سامنے دیکھنے لگا۔

"میں جیسے پہلے تھا بس ویسا ہی رہوں گا"۔

شاہ زل اس سنجیدگی کے پیچھے وہ سناٹا آرام سے دیکھ سکتا تھا۔

"میں تو اب بھی الجھا ہوا ہوں شرجیل"۔ اس کے جانے کا فیصلہ کیوں ہوا وہ اب بھی سمجھ نہیں پا رہا تھا۔

"میں اس سے کافی بڑا ہوں شاہ زل۔ وہ میرے لیے محض ایک چھوٹی بچی ہے۔۔۔"

"مگروہ تمہاری بیوی ہے"۔ شاہ زل نے تصحیح کی۔

"شاید وہ اپنے سے بڑے عمر کے مرد کے ساتھ نہیں رہنا چاہتی"۔ شرجیل نے کس طرح یہ جملہ ادا کیا تھا اس کا کرب سے وہ ہی جانتا تھا۔

"کتنے بڑے ہو تم جو وہ یہ فیصلہ لے گئی؟۔مجھے نہیں لگتا شاید یہ تمہاری غلط فہمی ہے"۔

"وہ محض سترہ سال کی ہے شاہ زل"۔ وہ بار بار رفاہ کی ہی طرفداری کر رہا تھا۔ وہ اس کی بیوی تھی۔

"اور تم کتنے بڑے ہو جسے دیکھ کر اس نے یہ فیصلہ لیا ہو گا تمہارے مطابق؟"۔ ماتھے ہر بل نمودار ہوئے۔

"میں اس سے تیرہ سال بڑا ہوں شاہ زل! یہ بہت بڑا فرق ہے"۔

"قتل کرتے ہوئے اس کے کمبخت بھائی نے سوچا تھا کہ اس کی بہن کا نکاح کسی سے بھی ہو سکتا ہے؟۔ تم سے نکاح ہوا ہے سمجھو بطور ونی اس کی زندگی بچ گئی۔ اگر ہو جاتا نکاح کسی حویلی کے ادھیڑ عمر شخص سے! کیا کر لیتی وہ اور اس کا بھائی؟"۔

"نہیں ملا مگر اسے کوئی ادھیر عمر شخص! میرے نکاح میں ہے وہ۔۔۔ اگر اس کی یہ ہی خوشی ہے تو ٹھیک ہے"۔ سورج غروب ہو چکا تھا اور پرندے آسمان سے غائب ہو چکے تھے۔

"طلاق دو گے؟"۔ وہ جیسے جاننا چاہتا تھا۔

"نہیں"۔ اس کے لب بے اختیار ہلے تھے۔

"اس کو چھوڑ کر بھی نہیں چھوڑو گے؟"۔ وہ اس کی عقل پر ماتم کرنے لگا۔

"میں طلاق نہیں دے سکتا۔ بہت ڈرنے لگا ہوں اس لفظ سے میں شاہ زل"۔ وہ کانپا نہیں تھا مگر پلکیں ضرور لرز گئی تھیں۔

"ایسے ادھورا چھوڑنے سے کیا ہوگا؟"۔

"تسلی رہے گی کہ چھوڑ کر بھی میری ہی ہے"۔

"یہ روپ تمہارا نیا ہے میرے لیے"۔ شاہ زل مبہم سا مسکرایا تھا۔

"اب تو تمام روپ نئے دیکھنے کو ہی ملیں گے"۔ وہ استہزایہ ہنسا۔

"کہیں یہ محبت تو نہیں؟"۔

"محبت کا لفظ سنا بہت ہے مگر جانتا نہیں یہ کیسے ہوتی ہے۔۔۔"وہ صاف آسمان کو حسرت بھری نگاہ سے دیکھنے لگا۔ "نہیں جانتا جو میں کر رہا ہوں وہ محبت ہے کہ نہیں"۔

شاہ زل نے گہری سانس ہوا میں خارج کی۔

"سب اچھا ہوگا۔ ہو سکتا ہے وہ لوٹ آئے"۔

"وہ نہیں آئے گی کیونکہ اس کی آواز میں جو سختی اور بیزاری تھی وہ صرف میں محسوس کر کے ہی ساکت رہ گیا تھا شاہ زل"۔ وہ اسے پل بھر میں چپ کرا گیا تھا۔

"تو؟"۔

"اب کچھ نہیں بس میں کل شہر جا رہا ہوں۔ شاہ جی کے لیے شادی کے کپڑے لینے ہیں"۔

"اچھا ہے خود کو مصروف رکھو"۔

اس نے نیچے جھانکا تو باغ میں شاہ جی کھڑے شرجیل کو نیچے آنے کا کب سے اشارہ کر رہے تھے۔

"شاہ جی بلا رہے ہیں شرجیل "۔ اس نے شرجیل کا کندھا ہلایا۔ شرجیل نے نیچے جھانکا تو ایک چپل منہ کو لگتے لگتے بچی۔ شاہ جی چپل اچھال کر اسے اپنی طرف متوجہ کر رہے تھے۔

"آ رہا ہوں۔ آ رہا ہوں شاہ جی "۔ کہتے ساتھ بڑبڑاتے ہوئے وہ نیچے بھاگا۔

www.urdunovelsmania.com

---★★---

بستر پر لوٹتے لوٹتے وہ تھک چکا تھا۔ پاؤں کی تکلیف اب بہتر تھی۔

"کاش آفس ہی چلا جاتا گھر میں کوئی بات کرنے والا ہی نہیں"۔ الٹا اخبار پکڑتے ہوئے وہ صالحہ کو سنا رہا تھا۔ صالحہ جو کل حویلی جانے کے لیے سامان باندھ رہی تھی سن کر ان سنی کر گئی۔

"بے حس لوگوں کے ساتھ رہنا کتنی بڑی مجبوری ہوتی ہے نا"۔ وہ بے چارگی سے نفی میں سر ہلانے لگا۔ صالحہ نے پلٹ کر اسے گھورا۔ وہ گڑبڑا گیا۔

"ایسا اخبار میں لکھا ہے"۔ اس نے جھٹکے سے وضاحت پیش کی۔

"اخبار چھاپنے والے اتنی فضول باتیں کیوں لکھنے لگے"۔ اس نے منہ پھیر کر کپڑے ایک ایک کر کے سوٹ کیس میں ڈالے۔

"لکھا ہے کہ میانوالی میں ایک شادی شدہ مرد نے پنکھے سے لٹک کر خودکشی کر لی۔ میز سے ایک خط ملا جو شاید مرنے والے نے لکھا تھا۔ اس میں لکھا تھا کہ اس کا بے حس بیوی کے ساتھ رہنا دوبھر تھا۔ بیوی کی بے حسی سے تنگ آ کر وہ پنکھے سے لٹک گیا"۔ نہ جانے الٹے پکڑے اخبار میں اسے یہ خبر کہاں ملی تھی۔ اپنے ذہن سے سوچتا اول فول بکا جا رہا تھا۔

"پھر تو بیوی نے ٹھیک کیا"۔ اس کے چہرے پر بلا کا اطمینان تھا۔ وہ اچھل کر بیٹھا۔

"شوہر بے چارا زندگی سے ہاتھ دھو بیٹھا اور آپ بیوی کی طرفداری کر رہی ہیں؟"۔ ماتھے پر بل پڑے۔

"شوہر کے بھی تو کوئی کرتوت ہوں گے۔ اکیلی بیوی کو کیوں قصوروار ٹھہرایا جائے؟"۔

"مگر وہ بیچارا معصوم تھا"۔ وہ ایسے تڑپ کر اس خیالی شوہر کو بچا رہا تھا جیسے وہ اس کا پھپھی کا بیٹا لگا ہو۔

"یہ آپ سے اس عورت نے کہا؟"۔ اس نے منہ کے زاویے بگاڑ کر پوچھا۔

"وہ عورت کو اب جیل ہونی چاہیے"۔ وجدان نے دانت پیسے۔

"کس بات پر بھئی؟"۔ وہ جھنجھلائی۔

"کیونکہ اس کی بدولت اس کا شوہر لٹک کر مر گیا"۔

"کیا وہ اپنی بیوی سے محبت کرتا تھا؟"۔ صالحہ نے کمر پر ہاتھ رکھ کر بھنویں اچکا کر پوچھا۔

وجدان نے تیزی سے اثبات میں سر ہلایا۔

"تو پھر کیوں لٹک کر مر گیا؟۔ خود تو مر گیا یہ سوچے بغیر کہ اس کے پیچھے اس کی بیوی پر الزام لگ جائے گا"۔ وہ کتنی آسانی سے کہہ گئی تھی۔ وجدان نے گردن پر ایسے ہاتھ رکھا جیسے "وہ شوہر" جو اس کی گفتگو کا حصہ تھا وہ شخص وہ خود ہو۔۔۔

"ظالم سماج"۔ وہ دکھ سے پھر لیٹ گیا تھا۔ صالحہ اس کی طرف سے منہ پھیر کر مسکرائی تھی۔

"لو جی ایک اور خبر۔۔۔!"۔ اس نے اخبار پر ہاتھ مار کر اشارہ کیا۔ "بیوی کے طعنوں سے شوہر تنگ! یا اللہ کیا ہوتا جا رہا ہے بیویوں کو چہ چہ چہ"۔ اس نے بے چارگی سے نفی میں سر ہلاتے ہوئے اخبار فولڈ کر کے رکھا۔

"شوہر اپنی کسی دوست یا۔۔۔ ہو سکتا ہے کولیگ کا ذکر زیادہ کرتا ہو"۔ صالحہ اپنی ہنسی دباتے ہوئے خدشے بیان کرنے لگی۔ وجدان سٹپٹایا۔

"نہیں شوہر بہت شریف ہے"۔ جانے کیوں وہ پھر سے خیالی شوہر کی طرفداری کرنے لگا۔

"کیا یہ آپ سے اس کے شوہر نے کہا؟"۔ اس نے پلٹ کر پوچھا۔

"نہیں لیکن اس کی تصویر چھپی ہوئی ہے۔ بہت بے چارا لگ رہا ہے"۔

"چہرے پر تھوڑی لکھا ہوتا ہے"۔ وہ اس کے قریب آئی اور برابر میں رکھا اخبار اٹھا کر دیکھنے لگی۔

"اوہوووو۔۔۔ یہ والی خبر پڑھی؟"۔ وہ اخبار میں ایک طرف اشارہ کرتے ہوئے پوچھنے لگی۔

کک۔ کونسی؟"۔ وہ ہکلایا۔

"ایک عورت نے اپنے میاں کو چھت سے دھکا دے دیا"۔ یہ جانے بغیر کہ صالحہ واقعی دیکھ کر خبر پڑھ رہی ہے یا خود سے بول رہی وہ گھبرا گیا۔

"لائیں اخبار ادھر دیں۔ آپ اخبار مت پڑھا کریں۔ ٹینشن ہونے لگتی ہے"۔ اس نے تیزی سے اس کے ہاتھ سے اخبار لیا اور تکیے کے نیچے رکھ دیا۔ وہ کھل کر مسکرائی۔

"ویسے آپ اخبار الٹا پڑھتے ہیں؟"۔ طنز کا موقع وجدان نے اسے خود دیا تھا۔ وہ ساکت رہ گیا

"میں نے کب الٹا پکڑا اخبار؟"۔ نگاہیں اس پر جم سی گئیں۔

"ہاں میں کب سے دیکھ رہی تھی شاید میرے نگاہوں کا قصور ہے" اس نے بے حد آرام سے اپنی چادریں لپیٹ کر اندر رکھیں۔ وجدان کو اپنی سانسیں رکتی ہوئی محسوس ہوئی۔

"یا اللہ"۔ اس نے اپنی پیشانی کجھائی۔

"آپ کے کپڑے رکھنے ہیں؟"۔

"میں جو کپڑے پہنا ہوں ان میں ایک ہفتہ بھی گزار سکتا ہوں". وہ طنزاً بولا۔ اب بھلا یہ کوئی پوچھنے والی بات تھی کہ کپڑے اس کے سوٹ کیس میں رکھے جائیں یا نہیں۔۔۔؟

"جی اچھا"۔ اس نے سنجیدگی سے جواب دے کر وارڈروب سے اس کے کپڑے نکالے۔

"کوئی ایسی ٹی شرٹ جو ساتھ رکھوانا چاہتے ہوں ؟"۔ اتنا وقت تو ساتھ گزار لیا تھا کہ وہ اس کی عادتیں جان گئی تھیں۔

"نہیں اپنی مرضی سے رکھ لیں"۔ وہ اب اوندھا لیٹ گیا تھا۔ تکیہ پر منہ رکھے وہ ساتھ ساتھ اسے بھی دیکھ رہا تھا۔ "جو آپ کو پسند ہوں"۔ یہ الفاظ اس نے کچھ سوچ کر ادا کیے تھے۔ صالحہ نے ہینگر میں لٹکے کپڑوں کو بستر پر سجا کر رکھا۔

"یہ کالی ٹی شرٹ بھی رکھ رہی ہوں"۔ اس نے تہہ کر کے سوٹ کیس میں رکھا۔

"اور یہ خاکی رنگ کی پینٹ بھی"۔ ساتھ ساتھ اسے بتا بھی رہی تھی۔

"یہ سفید اور گہری نیلی ٹی شرٹ بھی اور یہ سفید کرتا شلوار بھی۔۔۔ کیا یہ واسٹ کوٹ رکھوں ؟"۔ اس نے شادی کی واسٹ کوٹ اس کے سامنے رکھی۔ یہ واسٹ کوٹ شادی والے دن اس پر بہت جچ رہی تھی۔ وجدان کچھ سوچ کر مسکرایا۔

"وہاں جا کر کونسا آپ نے میری دوسری شادی کروا دینی ہے"۔ وہ جو دو منٹ کے لیے تکیہ سے سر اٹھا کر بولا تھا پھر سے لیٹ گیا۔

"یہ میں جمعہ کے لیے رکھنے کا کہہ رہی ہوں"۔ وہ منہ کے زاویے بگاڑ کر بولی۔

"مرضی ہے آپ کی"۔

"بہت شوق ہے دوسری شادی کرنے کا ویسے آپ کو"۔ وہ واسکٹ کوٹ لپیٹتے ہوئے بولی۔

"خودکشی ایک بار ہی کی جاتی ہے"۔ وہ بے ساختہ بولا تھا

"یعنی مجھ سے آپ کی شادی خودکشی کی طرح ثابت ہوئی ہے؟"۔ وہ حیران ہوئی۔ وجدان مسکرایا۔

"اب آپ کہتی ہیں تو مان لیتا ہوں"۔

صالحہ کو اپنے کانوں سے دھواں نکلتا محسوس ہوا۔ اس نے وجدان کی بلو جینز نکال کر غصے سے بستر پر رکھی اور لپیٹنے لگی۔ یہ اس کے غصے کی علامت تھی۔ وجدان کے لبوں پر ہنوز مسکراہٹ تھی۔

"صالحہ وجدان ایسے چیزیں پٹخنے سے کیا ہوگا؟"۔

"صالحہ بٹ کہیے"۔ اس نے دانت پیس کر الفاظ ادا کیے۔

"میں تو صالحہ وجدان کہوں گا"۔ وہ اسے اب زچ کر رہا تھا۔

"مجھے میرا کام کرنے دیں مسٹر وجدان"۔ اس نے اپنی نگاہیں پھیریں۔

"یہ ٹی شرٹ ڈالنی ہے؟"۔ اس نے کائی رنگ کی ٹی شرٹ اس کے آگے بچھائی۔

"ہم محض تین چار روز کے لیے جا رہے ہیں"۔ اس نے اپنا ہاتھ صالحہ کے آگے لہرایا۔

"ہوسکتا ہے میں ٹھہر جاؤں پورا ایک ہفتہ"۔ لہجے میں بلا کا اطمینان تھا۔ وہ اچھل کر اس کے قریب آیا۔ وہ یکدم پیچھے ہوئی۔

"ٹک۔ کیوں رہیں گی آپ؟۔ میں زیادہ دن نہیں رہ سکتا کیونکہ بزنس چلانے والا میں اکیلا ہوں"۔

"تو میں رہ لوں گی حویلی میں۔ پھر آپ ایک ہفتے بعد آکر لے جائیے گا"۔ اس نے وجدان کی بے قراری کو بہت اندر تک محسوس کیا تھا۔

"میرا بار بار حویلی کے چکر لگانا مشکل ہوگا"۔

"ٹھیک ہے میں شرجیل ویراں سے کہہ دوں گی۔ وہ چھوڑ دیں گے"۔

"مم۔ مگر صالحہ آپ کی یونیورسٹی اور اسکول کا کیا ہوگا؟"۔

"اوہ ہاں"۔ وہ اس کی بات پر غور کرنے کرنے لگی۔

"دیکھا بلکل"۔ وہ اپنے ہاتھ دوسرا ہاتھ مارتا ہوا بولا۔۔

"نقصان ہو جائے گا آپ کا ورنہ مجھے تھوڑی کوئی مسلئہ ہے! بھلے آپ دو ہفتے رہ لیں حویلی میں"۔ اپنی بے قراری وہ پل بھر میں اڑا گیا تھا۔ صالحہ جواباً خاموش رہی۔

"وجیہہ کا فون آیا تھا۔ وہ کل آرہی ہے سالے کے ساتھ"۔ اس کے بتانے پر صالحہ جھٹکے سے مڑی۔

"کیا کہا آپ نے؟"۔ اس کی آواز میں تھوڑی سختی تھی۔

"میں نے کہا جیا آ رہی ہے"۔ اس نے صالحہ کو دیکھ کر حیرانی سے کندھے اچکائے۔

"نہیں! اس کے بعد کیا کہا آپ نے؟"۔ وہ اسے باقاعدہ گھور رہی تھی۔

"سالے کے ساتھ آئے گی جیا"۔ وہ اب بھی سمجھ نہیں پا رہا تھا۔

"آپ نے میرے بھائی کو سالا کہا؟"۔ وہ غم سے سرخ ہو گئی۔ وجدان سٹپٹایا۔

"سالا ہی تو ہے وہ میرا! یقیناً آپ غلط سمجھی ہیں صالحہ"۔

صالحہ شرمندہ ہوئی۔

"معافی چاہتی ہوں میں ہی شاید غلط سمجھی"۔ وہ جھینپ کر پھر سے اپنے کام میں مشغول ہو گئی اور وہ محض اس کنچی آنکھوں والی لڑکی کو تکتے ہوئے مسکرانے لگا جس کی موجودگی ہی اس کے لیے کافی تھی۔ وہ اسے بتانا چاہتا تھا کہ وہ کیسے اس کے دل میں بس گئی ہے۔ وہ اظہارِ محبت کرنا چاہتا تھا۔ اسے کیسے بتائے کہ اب اس سے دور نہیں رہا جاتا۔ ناممکن سا محسوس ہو رہا تھا خود کو روکنا۔ بس ایک صحیح وقت کا انتظار تھا جو بہت جلد میسر ہونے والا تھا۔

---★★---

"میں شہر جا رہا ہوں شاہ جی اور چاہتا ہوں آپ ساتھ چلیں"۔ وہ آستین کے بٹن لگا رہا تھا۔

شاہ جی نے مڑ کر اسے دیکھا۔

"تم خود اپنی پسند سے لے آؤ شرجیل"۔ وہ اس قدر تھک گئے تھے کہ اب بینچ پر بیٹھ کر جوتے اتارنے لگے۔ صبح سے ان کے پاؤں ان بند جوتے میں قید تھے۔ دونوں پیروں کو گھانس پر رکھتے ہی ٹھنڈ کا احساس پورے جسم میں دوڑا تھا۔

"آپ کا بس چلے تو حویلی سے باہر ہی قدم نہ نکالیں"۔ اس کی شاہ جی کی جانب پشت تھی۔

وہ بے ساختہ ہنس پڑے۔

"نہیں دوست! میں ابا سے ملنے جانا چاہتا ہوں"۔ وہ اب اپنی ایڑی کو دبا رہے تھے جواب دکھ چکی تھی۔

"دوسرے گاؤں؟"۔ وہ پلٹا۔

"ہاں بس کل صبح جاؤں گا اور پھر رات تک لوٹ آؤں گا"۔ مسکراہٹ لبوں پر ہنوز قائم تھی۔

"ابا کیسے ہیں شاہ جی؟"۔

"بہت بوڑھے ہو گئے ہیں شرجیل۔ میں بس جلدی سے نکاح کرنا چاہتا ہوں تاکہ باقی زندگی اپنے گاؤں میں گزاروں۔ ابا کی خدمت کا موقع چاہیے اس سے پہلے انہیں کچھ ہو جائے۔

مہینے میں ایک دفعہ مل آتا ہوں ابا سے مگر اس بار دو مہینوں بعد جاؤں گا۔ وہ کل مجھے اپنے پاس دیکھ کر جتنے حیران اور خوش ہوں گے نا شرجیل! میں وہ خوشی لفظوں میں ڈھال کر بیان نہیں کر سکتا"۔ وہ بے چارگی سے نفی میں سر ہلا رہے تھے۔

"آپ کو بہت یاد کرتے ہوں گے"۔ وہ مسکرایا۔

"کون نہیں کرتا اپنی اولاد کو یاد؟۔ میں اپنے باپ کے سائے میں باقی زندگی گزارنا چاہتا ہوں۔ ان کا بیٹا بڑھاپے کی جانب بڑھ رہا ہے تو سوچو وہ کتنے ضعیف ہو گئے ہوں گے"۔

شرجیل محض مسکرا ہی سکا تھا۔

"تم میرے لیے اپنی پسند کا جو بھی لاؤ گے میں پہن لوں گا شرجیل"۔ وہ اٹھ کر اس کے قریب آئے۔

"شہر سے واپس کب آؤ گے؟"۔

"لوٹنے کا من نہیں مگر لوٹنا تو پڑے گا"۔ اجنبی سی مسکراہٹ اس کے لبوں پر پھیلی۔

"رفاہ کہاں ہے؟ واپس نہیں آئی؟"۔

"جن کے لوٹ آنے کی امید نہ ہو ان کا ذکر کر کے زخموں پر نمک نہیں چھڑکا کرتے"۔ اس نے پلٹ کر باغ میں وہ جھولا دیکھا جہاں کسی کے ساتھ بیٹھ کر اس نے ایک رات گزاری تھی۔ شاہ جی جوتے پہننے لگے۔

"جب وہ تم سے کچھ دن دور رہے گی تو وہ محبت کے ہاتھوں مجبور ہو کر تمہارے پاس لوٹ آئے گی"۔

"مجھ میں بھلا ایسی کون سی خوبی ہے جو مجھ سے دور رہ کر وہ مجھے کثرت سے یاد کرنے لگے گی"۔ وہ استہزایہ ہنسا۔

"اس سے بڑی کوئی اور خوبی بھلا کیا ہو سکتی ہے کہ تم شرجیل بٹ ہو"۔ شاہ جی نے اس سے سپاٹ لہجے میں کہا تھا۔ وہ رکے نہیں تھے بلکہ ایک نظر اسے دیکھ کر آگے بڑھ گئے تھے۔

زنجیر از قلم عینا بیگ

قسط ۱۹

صبح کا اجالا ہر سو چھا گیا تھا۔ صالحہ نے معمول کے مطابق اٹھ کر نماز پڑھی اور پھر کچن میں چلی آئی۔ گھر کا تمام کام کرتے کرتے دس بج گئے تھے۔ وہ نیچے کی منزل صاف کر چکی تھی۔ کمرے میں داخل ہوئی تو وجدان اس کو واڈروب سے ہڑبڑی میں کپڑے نکالتا دکھا۔

"مجھے کیوں نہیں جگایا صالحہ"۔ وہ جھنجھلایا ہوا تھا۔

"آج تو حویلی جانا ہے نا؟۔ آپ چھٹی نہیں کریں گے کیا؟"۔ اسے حیرانی ہوئی۔

"میں دوپہر تک آجاؤں گا میرا جانا بے حد ضروری ہے"۔ وہ غصے میں نہیں تھا مگر آخری حد تک سنجیدہ ضرور تھا۔

"مجھے آپ نے بتایا نہیں ورنہ میں ضرور اٹھا دیتی اور یہ کپڑے بھی استری کر دیتی"۔ اس نے وجدان کے ہاتھ میں اس کے آفس کے کپڑے دیکھے۔ وجدان نے اسے نظر بھر کر دیکھا۔

"میں خود کرلوں گا"۔ وہ جلدی میں تھا۔

"میں کر دیتی ہوں"۔ اس کے خراب موڈ کو دیکھ کر وہ اس کے پیچھے لپکی۔

"میں نے کہا نا میں کرلوں گا صالحہ!"۔ وہ سختی سے بولا تھا۔ پیچھے آتی صالحہ وہیں رک گئی۔ وجدان اب جلدی سے کپڑے استری کر رہا تھا۔ صالحہ کی پلکیں لرزیں۔ وہ استری کر کے واش روم میں گھس گیا جبکہ صالحہ کمرے کی صفائی میں لگ گئی۔ وہ اس قدر تھک چکی تھی کہ اس کا جسم درد کر رہا تھا۔ اس نے لان کا سوٹ نکال کر استری کیا اور وجدان کے واش روم سے نکلنے کا انتظار کرنے لگی۔ قریب پندرہ منٹ بعد وہ واش روم سے نکلا۔

"آپ کے لیے ناشتہ کیا بناؤں؟"۔ اس نے جھٹ سے پوچھا۔

"بھوک نہیں ہے مجھے"۔ لہجہ سپاٹ تھا۔ وہ خاموش ہوگئی۔ وہ اب بالوں میں کنگھا کر رہا تھا۔

"آئم سوری"۔ آواز مدھم تھی۔ اس کے ان دو بولوں نے وجدان کو ساکت کردیا۔

"اس میں معافی کی ضرورت کہاں سے پیش آئی؟"۔ اب اسے اس بات پر غصہ آنے لگا۔

"میری غلطی تھی مجھے اٹھا دینا چاہیے تھا آپ کو"۔ وہ زمین کو تکتے ہوئے دکھ سے بول رہی تھی۔

"جب آپ کو معلوم ہی نہیں تھا کہ مجھے آج جانا ہے تو کیسے اٹھاتیں؟۔ آپ شاید واش روم جا رہی تھیں"۔ اس نے استری ہوئے کپڑے دیکھے۔

"جی"۔ وہ مختصراً بولی۔

"تو جائیں"۔

"ناشتہ؟"۔

"آفس میں کرلوں گا"۔ کہتے ساتھ اپنا لیپ ٹاپ بیگ اٹھاتا نیچے بڑھنے لگا۔ وہ روہانسی ہوگئی تھی۔

"اللہ حافظ"۔ وہ کمرا عبور کرہی رہا تھا کہ اس نے صالحہ کی آواز سنی۔ وجدان اس کی آواز میں نمی واضح محسوس کرگیا تھا۔ گردن پھیری تو نگاہ اس پر ٹک گئی۔ وہ بنا آنسو کے رو رہی تھی۔

ناک رگڑنے سے سرخ ہو رہی تھی۔ وجدان کی ماتھے پر چڑھی تیوریاں بحال ہوئیں۔ وہ پلٹ کر اس کی جانب آیا۔ صالحہ نے اس کے قریب آنے پر پلکوں کی بار جھکا لی تھی۔ ناک اور آنکھیں سرخ ہو چکی تھیں۔ اس نے ٹھوڑی ہلکی سی اٹھائی اور اس کی آنکھوں میں اپنا عکس دیکھا۔

"یہ آنکھیں لال کیوں ہو رہی ہیں؟"۔ اس نے مدھم آواز میں اس کی آنکھوں کو تکتے ہوئے پوچھا۔ وہ یوں ہی گھٹ گھٹ سسکتی رہی۔

"ایسے رو کر کیا ثابت کرنا چاہتی ہیں صالحہ بیگم؟۔ کہ میں بہت ظالم شوہر ہوں؟"۔ وہ مبہم سا مسکراتا اس کے دونوں ہاتھ اپنے ہاتھوں میں لیتا ہوا بولا۔ وجدان اس کے بہت قریب کھڑا تھا کہ صالحہ نے حیا سے چہرہ جھکا لیا تھا۔ وہ اسے روکنا نہیں چاہتی تھی۔

"چہرہ جھکانے سے کیا ہوگا؟"۔ وہ شرارتاً مسکرایا تھا۔ صالحہ کے دل میں کچھ ہوا۔

"آپ کو دیر ہو رہی تھی ابھی"۔ اس نے خفا خفا سی نگاہیں اس پر ڈالیں۔

"یہ انداز میرا دل لوٹ رہا ہے صالحہ"۔ وہ اپنے دل پر ہاتھ رکھتا ہوا بے چارگی سے بولا۔ صالحہ نے آنکھیں پھاڑیں۔ اس کی سسکیاں ختم ہو چکی تھیں۔

"خیریت تو ہے نا؟"۔

www.urdunovelsmania.com

"کیوں بھئی؟ ۔ اچھا خاصا شوہر ہوں آپ کا ۔ ۔ ۔ اب میں آپ سے نہیں کہوں گا یہ تو کس سے کہوں گا؟"۔

وجدان کے انداز پر صالحہ شرمائی تھی۔ اس کے سرخ ہونے پر وجدان اس کی پیشانی چومنے سے خود کو روک نہ پایا۔ صالحہ کا جی چاہا سات پردوں میں چھپ جائے۔ وہ اپنا لمس اس کی پیشانی پر چھوڑ گیا تھا۔

"آپ کہیں گی تو شہوار سے کہہ دوں گا"۔ وہ ہنسی چھپاتے ہوئے بولا تو صالحہ نے جھٹکے سے سر اٹھایا۔ یہاں اس کی تیوریاں چڑھیں اور وہاں وہ اپنا لیپ ٹاپ بیگ اٹھاتا نیچے بھاگا۔

"اللہ حافظ صلہ"۔ اس کے قہقہہ کی آواز گونجنے لگی تھی۔

"میرے پاس بھی بہت ایسے لوگ ہیں جن کا نام لے کر میں بھی آپ کو تنگ کر سکتی ہوں"۔ وہ چہرے کے زاویے بگاڑ کر کہنا نہیں بھولی تھی۔ "اور یہ صلہ کون ہے؟۔ شہوار کم تھی کیا؟"۔ دانت پیس کر وہ خود سے بڑبڑائی تھی۔ وہ اس کا پارہ چڑھا گیا تھا۔ اس نے اپنے کپڑے اٹھائے اور واش روم میں گھس گئی۔

---★★---

"رفاہ"۔ ابا کی آواز پر وہ اپنا کام ادھورا چھوڑ کر آئی۔

"جی ابا آپ نے بلایا؟"۔ ڈوپٹے کے پلو سے پیشانی کا پسینہ پونچھتے ہوئے بولی۔

"تم کام کر رہی ہو؟"۔ انہوں نے اپنی عینک اتار کر اسے پسینہ میں لت پت دیکھا۔

"ابا گھر کی صفائی کر رہی ہوں۔ اماں نے ماسی کی کام چوری پر اسے نکال دیا تھا"۔ وہ لہجے سے بہت تھکی تھکی معلوم ہو رہی تھی۔ خالد صاحب نے اسے بہت غور سے دیکھا۔ وہ محض سترہ سال کی تھی مگر پورا گھر اب بھی سنبھالی ہوئی تھی۔

"تمہارے شوہر کا فون آیا؟"۔

"میں نے ان سے کہہ دیا تھا کہ اب میں حویلی نہیں لوٹوں گی"۔ اس کے ارادے مضبوط تھے۔

"اس کے بعد کوئی فون نہیں آیا؟"۔ وہ اب بھی پر سکون تھے۔

"نہیں ابا"۔ وہ دور تخت پر بیٹھ گئی۔

"یہ تمہاری زبان نہیں"۔

"کون سی زبان ابا؟"۔

"کہ تمہیں شرجیل جیسے ذمہ دار، خیال رکھنے، محبت کرنے والے شخص کے ساتھ نہیں رہنا۔ یقیناً یہ تمہاری ماں اور تمہارے بھائی نے کہنے کو کہا ہے"۔ وہ جانتے تھے ان کی بیٹی کے لیے اچھا کیا ہے۔

www.urdunovelsmania.com

"ابا مگر میرے ساتھ ماضی میں جو کچھ ہو چکا ہے اس کے بعد میں وہاں کیسے رہ سکتی ہوں؟"۔ وہ لب بھینچ کر اپنے حق میں بولی۔ ابا کے ماتھے پر بل نمودار ہوئے۔

"تمہارے ساتھ جو ہوا ماضی میں اس کا ذمہ دار تمہارا بھائی ہے! اور اسی کی بات مان لی تم نے؟۔ جو مستقبل میں ہو گا اس کا ذمہ دار بھی تمہارا بھائی ہو گا رفاہ بیٹے۔ شرجیل نے نکال تو لیا تمہیں ہر ظلم سے باہر؟۔ اس کی وفا اور محبت کا صلہ تم یہ دو گی؟ بیٹیاں اپنے گھر میں اچھی لگتی ہیں رفاہ"۔

رفاہ انہیں تکتی رہ گئی۔ اسے شرجیل کا اپنے لیے لڑنا یکدم یاد آیا۔

"مثال کے طور پر تم اسے چھوڑ بھی دیتی ہو تو کل کو تمہیں پھر سے کسی اور شخص سے شادی کرنی پڑے گی۔ لیکن یہ یاد رکھنا وہ کوئی اور شخص شرجیل نہیں ہو گا۔ وہ ایک مضبوط اور ذمہ دار شخص ہے بیٹے۔۔۔ کب تک تم یوں اماں اور بھائی کی ہاں میں ہاں ملاؤ گی؟۔ خود اپنا فیصلہ لو۔۔۔!"۔ وہ پوری آنکھیں کھول کر اس پر نگاہیں جمائے بیٹھے تھے۔ رفاہ سن بیٹھی تھی۔ شاید وہ ان کی بات تسلیم کر رہی تھی۔

"اور فیصلہ کرنے میں جلدی کرو! ایسا نہ ہو کوئی تمہاری جگہ ہتھیا لے"۔ اس ایک جملے میں اسے بہت کچھ سمجھا گئے تھے۔ اس کے دل میں ایک خوف کی لہر برپا ہوئی۔ شرجیل کے

ساتھ کسی اور کو تصور کرنا نجانے کیوں محال ہو رہا تھا۔ وہ تھوک نگلتی اثبات میں سر ہلاتی سیڑھیاں چڑھتی چلی گئی۔

---★★---

وہ بالوں پر تولیہ لپیٹتے، ڈوپٹہ سینے پر پھیلاتی نیچے چلی آئی۔ سورج چڑھ چکا تھا اور معمول کے مطابق آج زیادہ سردی نہیں تھی۔ گھر کا کام وہ مکمل کر چکی تھی۔ کچن میں داخل ہو کر اس نے چائے چڑھائی اور دودھ لینے فریج تک آئی۔ فریج کے دروازے پر ایک کاغذ چپکا تھا۔ وجدان کا اپنایا ہوا انداز یاد آیا تو سر حیا سے پھر جھک گیا۔ نجانے کیوں وہ اسے سوچنے لگی تھی۔ حالانکہ اسے گئے زیادہ وقت نہیں ہوا تھا۔ اس نے وہ کاغذ اٹھا کر نگاہوں کے آگے کیا۔

"ناشتہ نہیں کروایا مگر دوپہر میں بریانی بنا دے گا۔ میں جلد آنے کی کوشش کروں گا صلہ"۔ وہ لفظ یقیناً ہڑبڑی میں لکھے گئے تھے شاید اسی لیے لکھائی بہت خراب تھی۔ وہ اس بار چڑی نہیں تھی۔ بلکہ مسکرا دی تھی۔ وہ صلہ اسے کہہ رہا تھا وہ جان گئی تھی۔ وہ ڈرتی تھی کہ کہیں محبت حد سے بڑھ گئی تو اپنا وجود نہ مٹا دے۔ یہ الفاظ اس نے اپنے دل پر لکھ لیے تھے۔ وہ صالحہ کا نام محبت میں صلہ رکھ گیا تھا۔ نگاہیں بھٹک کر گھڑی کو اٹھیں تو وہ سوچ میں پڑ گئی۔ وقت بہت زیادہ ہو گیا تھا اور یقیناً بریانی بنانے میں وقت لگنا تھا۔ اس نے

چولہے پر چڑھی چائے کو نظر بھر کر دیکھا اور گیس بند کر دی۔ اس کے پاس وقت کم تھا۔ نجانے کیوں اس کاغذ کو پڑھ کر اس کی بھوک ہی مٹ چکی تھی۔ اب جستجو تھی تو وجدان کی خواہش مکمل کرنے کی۔ اسے بریانی بنانے کی تیاری کرنی تھی۔ ساتھ ساتھ نگاہ موبائل پر بھی اٹھ رہی تھی۔ سلاد کے پیاز کاٹتے ہوئے چھری زیادہ چل گئی اور انگلی سے خون بہنے لگا۔ اس نے تیزی سے انگلی دانتوں کے بیچ دبالی۔ ایک کراہ زبان سے ادا ہوئی اور وہ مچلتی ہوئی ہاتھ زور زور سے ہلانے لگی۔ کوئی اور وقت ہوتا تو یقیناً وہ رو پڑتی مگر وجدان کا خیال آتے ہی درد کو فراموش کر گئی۔ دل میں جذبات تھے اس کے لیے جو پروان چڑھنے لگے۔ وہ اس کا شوہر تھا اور اس کے بارے میں سوچ سوچ کر اس کے لب مسکرا رہے تھے۔ اچانک کال آئی تو وہ بھاگتی ہوئی فون کی جانب آئی۔

"ہیلو"۔ نجانے لب پھر کیوں مسکرائے۔ بالوں کی چٹیا باندھے وہ میز کی کرسی پر بیٹھی گئی۔ الٹے ہاتھ کی انگلی میں اب بھی تکلیف تھی۔

"کوئی پرچی ملی؟"۔ وہ جان کر پوچھ رہا تھا اور وہ اس کی چلاکی پر ہنسی کا گلا گھونٹ رہی تھی۔

"نہیں تو۔۔۔ آپ کب آرہے ہیں؟"۔

"جواب سن کر تو دل کر رہا ہے اب نہ ہی آؤں"۔ آواز میں اکتاہٹ تھی۔

"تھکاوٹ ہو رہی ہے؟"۔ صالحہ نے اس کی تھکاوٹ محسوس کی۔

"صلہ آپ وقت دیکھیں۔۔۔ ڈیڑھ بجنے کو ہے۔ ہاں تھک تو بہت گیا ہوں۔ کندھے اب تکلیف کر رہے ہیں"۔ وہ یقیناً کام میں پھنسا تھا۔

"آپ گھر آجائیں"۔ وہ منمنائی۔ وجدان نے حیرت سے فون کو دیکھا۔ نہیں یہ یقیناً اس کا خواب تھا۔

"آپ خود سے بلا رہی ہیں؟"۔ وہ یہ بات کم از کم اس سے توقع نہیں کر سکتا تھا۔

"کندھوں میں درد ہو رہا ہے آپ کے۔۔۔ میں کندھے دبا دوں گی پھر آپ کھانا بھی کھا لے گا"۔ نجانے کیوں اس کا درد صالحہ کو اپنے دل میں محسوس ہو رہا تھا۔ وہ خوشگوار حیرت سے مسکرایا۔

"میری انگلیاں صفحوں پر چلتے چلتے تھک گئی ہیں"۔ وہ کیا کہنا چاہتا تھا؟۔

"کھانا میں اپنے ہاتھوں سے کھلا دوں گی"۔ دل کی بات زبان پر آ گئی مگر اسے افسوس نہ ہوا۔

"صوفے سے کمر کے درد میں اضافہ ہو رہا ہے"۔ مسکراہٹ لبوں سے جانے کا نام نہیں لے رہی تھی۔ کیسے کہے وہ صالحہ سے کہ تم مجبور کرتی ہو مجھے خود سے محبت کرنے کے لیے۔۔۔

"آپ بستر پر سو جائیے گا"۔ کیوں ہو رہی تھی وجدان کی محبت اس پر حاوی۔۔۔

"مگر میں آپ کو صوفے پر سونے نہیں دے سکتا"۔ وہ صاف صاف کچھ کہہ نہیں پا رہا تھا۔

"میں نہیں سوؤں گی صوفے پر۔۔۔"۔ وہ لب بھینچ گئی۔

"میں جمعے کو واسکٹ کوٹ نہیں پہنوں گا"۔ اسے یہی موقع لگا سب باتیں منوانے کا۔

"میں زبردستی نہیں کروں گی"۔ وہ نفی میں سر ہلانے لگی۔

"میں گھر آ جاؤں؟"۔ اس کا چہرہ سامنے محسوس ہوا تو وہ جلدی سے بول پڑا۔

"کہیں تاخیر نہ ہو جائے"۔ وہ کہہ کر حیا اور شرم کے مارے فون کاٹ گئی۔ وجدان نے بھی تاخیر نہیں لگائی۔ کیا یہ پھول خریدنے کا صحیح وقت تھا؟۔ وہ تاخیر نہیں کرنا چاہتا تھا۔ اس کی کنچی آنکھوں والی بیوی اسے پکار رہی تھی۔ ایسا کیسے ہو سکتا تھا کہ صالحہ اسے پکارے اور وہ نظر انداز کر دے۔

---★★---

"ہم کب پہنچیں گے؟"۔ ہر پانچ منٹ بعد وہ حیدر سے یہی پوچھ رہی تھی۔

"حیا جان ہم جلد پہنچ جائیں گے"۔ وہ بظاہر مسکرا رہا تھا، مگر اندر خوف پھیل رہا تھا۔ وہ نہیں جانتا تھا کہ صالحہ کے اسے دیکھ کر کیا تاثرات ہوں گے۔

"ان کے تحفوں کا بیگ ڈگی میں ڈالا تھا؟"۔ اسے یکدم یاد آیا۔

"ہوں"۔ وہ خوش تھی کیونکہ وہ بھائی سے ملنے والی تھی۔ پہاڑوں کے شہر کو دیکھنے والی تھی۔ کتنا وقت ہوگیا تھا وجدان کو دیکھے۔ کتنے مکانات اپنے پیچھے چھوڑتے وہ آگے بڑھ رہے تھے۔

---★★---

"میں نہیں جانتا ثریا کچھ بھی"۔ وہ اپنی ضد پر اب بھی قائم تھا۔

"شاہ زل صاحب میں خطروں کی کھلاڑی نہیں ہوں"۔ وہ بھی اڑی رہی۔

"مگر میں اپنے دوست کو پریشان نہیں دیکھ سکتا"۔ وہ سنجیدہ تھا۔

"اور میں جھوٹ بول کر اسے غمگین نہیں کر سکتی"۔ اس نے نگاہیں پھیریں۔

"مگر وہ لوٹ آئے گی!"۔ وہ پریشان تھا۔

"اور پھر اس کے شوہر نے داجی کی لاٹھی میرے گلے پر رکھ کر دبا دینی ہے"۔ ثریا نے ماتھے پر ہاتھ مارا۔

"آپ کو میرے ہوتے ہوئے کوئی ہاتھ بھی نہیں لگا سکتا"۔ وہ برہم ہوا۔

"وہ آپ سے زیادہ جانتے ہیں اپنی ماؤں بہنوں کی عزت کرنا! میں نے مثال پیش کی ہے صرف"۔

"خدا کا واسطہ ہے آپ کو! وہ شہر سے لوٹنا بھول جائے گا"۔

www.urdunovelsmania.com

"ایسا کیسے ہو سکتا ہے؟"۔ وہ جھنجھلائی۔

"اس کے پاس جب لوٹنے کا جواز نہیں ہوگا تو وہ کیوں پلٹے گا ثریا جی؟"۔ بات گہری تھی۔ ثریا خاموش ہو گئی۔

"فون ملائیں"۔ وہ بس اتنا ہی کہہ پائی۔ شاہ زل کی باچھیں کھل گئیں۔ اس نے جھٹ فون ملا کر ثریا کے ہاتھوں میں موبائل دیا۔ بیل جا رہی تھی اور وہ مقابل شخصیت کے کال اٹھانے کا انتظار کر رہے تھے۔

---★★---

اس نے لال رنگ کا کڑاھی والا سوٹ پہنا تھا۔ ہونٹوں پر ہلکی لال لپ اسٹک لگا کر لمبے بالوں کو سلجھانے لگی۔ آج دل کر رہا تھا کہ وجدان کے آنے پر تیار ہو جائے۔ صبح بغیر ناشتے کے وہ صرف اس کی وجہ گیا تھا۔ اس کے لیے کسٹرڈ بنا کر فریج میں رکھ آئی تھی۔ گاڑی کے ہارن بجنے پر وہ بال باندھے بغیر ہی نیچے بھاگی۔ اس کے خیال میں نہ آیا کہ اس کے بال کھلے رہ گئے ہیں۔ گھنے کالے بال کمر سے نیچے تک لہرا رہے تھے۔ جھٹ سے پورا دروازہ کھول دیا تاکہ وہ گاڑی اندر لا سکے۔ گاڑی میں بیٹھا وجدان تھوڑا حیران بھی ہوا تھا۔ نجانے اسے کیسے معلوم ہوا تھا کہ ہارن بجانے والا وجدان تھا جبکہ اس نے دروازہ پوچھ کر نہیں کھولا تھا۔ وہ گھر کے اندر گاڑی لا کر پارک کرنے لگا۔ وہ ویسے ہی کھلی باچھوں کے

ساتھ کھڑی رہی۔ یاد آنے پر کہ دروازہ کھلا ہے ماتھے پر ہاتھ مارا اور دروازہ بند کرنے لگی۔ وجدان بیگ مڑ کر سے اس کی حرکت دیکھ کر مسکرایا۔ یہ لڑکیاں اپنے گھر کے مردوں کو ان کی گاڑی یا موٹر سائیکل کے ہارن سے ہی پہچان لیتی ہیں۔

"صلہ۔۔۔"۔ اس نے آواز لگائی۔

"جی"۔ وہ گاڑی کے دروازے کی جانب آئی۔

"یہ لیپ ٹاپ بیگ پکڑے گا ذرا۔۔۔ میں گاڑی لاک کرلوں"۔ دیکھے بغیر لیپ ٹاپ بیگ صالحہ کی جانب بڑھایا جسے صالحہ نے جھٹ سے تھام لیا۔ وجدان نے دیکھ بھال کر گاڑی لاک کی اور اس کی جانب مڑا۔ وہاں کوئی بھی نہیں تھا۔ اسے حیرت ہوئی۔ اس نے گول گھوم کر چاروں طرف دیکھا مگر وہ وہاں نہیں تھی شاید اوپر چلی گئی تھی۔

"جادوگرنی! میرے بغیر ہی یہاں سے غائب ہوگئی"۔ وہ آنکھیں پھاڑ کر بڑبڑاتا ہوا اندر داخل ہونے لگا۔ لاؤنج میں آکر اس نے جوتے اتارے۔ پورا گھر بریانی کی خوشبو سے مہک رہا تھا۔ وجدان کی بھوک جیسے جاگ اٹھی تھی۔ اتنے میں صالحہ کی کچن سے آواز آئی۔

"میں کھانا لگا رہی ہوں"۔ وہ جلدی میں لگ رہی تھی۔ اس کی آواز پر وہ مسکرایا۔

"میں فریش ہو کر آرہا ہوں جلدی سے میز پر کھانا لگا دیں"۔ وجدان جوتے اٹھاتا اوپر بھاگا۔ صالحہ نے اپنی زخمی انگلی دانتوں میں دبائی اور اثبات میں سر ہلایا جیسے وہ سامنے کھڑا ہو۔

وہ خود اسے اس حالت میں نہیں دکھانا چاہتی تھی۔ اسے فریش ہونے کا موقع دیتی میز پر کھانا سجانے لگی۔

۔۔۔★★۔۔۔

"ہیلو؟۔ اسلام علیکم"۔ موبائل سے آواز آئی تھی۔ شاہ زل نے اپنے سے ایک اوپر سیڑھی پر بیٹھی ثریا کو دیکھا۔

"وعلیکم سلام۔ ہاں رفاہ میں ثریا بات کر رہی ہوں۔۔ کیسی ہو تم؟"۔ اس نے شاہ زل کے اشارے پر بات کا آغاز کیا۔

"اوہ ثریا آپ؟۔ میں ٹھیک ہوں اللہ کے فضل سے"۔ ثریا اس کی آواز میں صاف خوشی محسوس کر سکتی تھی۔

"میں بھی ٹھیک ہوں۔ اصل میں شاہ زل بہت پریشان ہیں۔ تم جانتی ہو نا وہ شرجیل ویراں کے کتنے گہرے دوست ہیں؟"۔ ثریا نے شاہ زل کو دانت پیس کر دیکھا۔

"جی"۔ وہ سمجھ نہ پائی کہ شرجیل کا ذکر کیوں کیا گیا ہے۔

"ہاں وہ پریشان ہو رہے ہیں شرجیل ویراں کل رات سے حویلی میں نہیں ہیں۔ کہیں وہ تم سے تو ملنے نہیں آئے تھے؟"۔ وہ اسے پریشان نہیں کرنا چاہتی مگر شاہ زل کی ضد کے آگے مجبور ہو گئی تھی۔

رفاہ کا چہرہ پل بھر میں زرد ہوا تھا۔ اس نے فون کو کان سے ہٹا کر دیکھا۔

"نن۔ نہیں۔۔۔ میرے پاس تو نہیں آئے"۔ اس کا ڈرا ڈرا لہجہ ثریا اور شاہ زل کا کام کر گیا۔

"اچھا چلو ٹھیک ہے ہم دیکھ لیتے ہیں"۔ وہ یہ کہہ کر جان بوجھ کر کال رکھنے لگی۔

"ممم۔ مگر وہ کہاں ہیں؟"۔ اس کی آواز فون سے برآمد ہوئی۔ ثریا کے لبوں پر مسکراہٹ پھیلی۔

"انہوں نے ہمیشہ کے لیے شہر جانے کی بات کی ہے"۔ اس نے ٹھہر کر جواب دیا۔

"مگر کیوں؟"۔ اس کا دل تیزی سے دھڑک رہا تھا۔

"تم نے یہ بندھن توڑنے کا فیصلہ جو لے لیا ہے رفاہ۔ وہ بہت زیادہ دلبر داشتہ ہیں۔ افشاں پھپھو کی شادی کے بعد وہ حویلی چھوڑ دیں گے"۔

دوسری طرف خاموشی چھا گئی۔ ثریا انتظار کرتی رہی مگر کوئی جواب نہ آیا۔ شاہ زل کے ماتھے پر بل پڑے۔ اس سے اور انتظار نہ کیا گیا اس لیے اس نے ثریا کے ہاتھ سے فون چھین کر اپنے کان سے لگایا۔

"میں شاہ زل بات کر رہا ہوں۔ دیکھو رفاہ اگر لوٹ کر آنا چاہتی ہو تو تاخیر مت کرو۔ میں اسے روک لوں گا مجھے یقین ہے۔ اور اگر تم شرجیل کے پاس واپس نہیں آنا چاہتی تو بھی

مجھے آگاہ کردو! میں پھر شرجیل کو گاؤں چھوڑنے سے نہ روکوں"۔ ثریا لب بھینچ گئی تھی۔ شاہ زل نے بات ختم کی اور جواب کا انتظار کرنے لگا۔ اس بار بھی دوسری طرف خاموشی چھائی ہوئی تھی۔ جب برداشت ختم ہونے لگی تو شاہ زل غصے میں کال کاٹ دی۔

"اس کی نیت لوٹنے کو ہی نہیں ہے"۔ اس نے غصے میں موبائل پھینکا۔

"اس کی زندگی کے فیصلے لینے والے ہم نہیں! اسے جو ٹھیک لگے گا وہ صرف وہی کرے گی۔ ہم صرف دعا کر سکتے ہیں"۔ اسے شاہ زل کا موبائل پھینکنا قطعی نہیں بھایا تھا۔ وہ اب بھی لال بھبھوکا چہرہ لیے غصے میں کھڑا تھا۔

"موبائل اٹھائیے شاہ زل صاحب۔ غصے میں پھینکنے کی عادت اچھی نہیں ہوتی"۔ ثریا سنجیدگی سے حکم دے رہی تھی۔ شاہ زل نے اس کا رویہ محسوس کر کے موبائل اٹھا لیا۔

"شرجیل ویراں کو کانوں کان خبر نہ ہو کہ ہم نے رفاہ کو کال کی تھی"۔ اس نے شاہ زل کو بتایا تو شاہ زل نے اثبات میں سر ہلایا۔

---★★---

وہ سفید کرتا شلوار پر آستین کے کف فولڈ کرتا سیڑھیاں اترتا نیچے آرہا تھا۔ میز سجی ہوئی تھی۔ صالحہ کچن سے نکلی اور رائتہ رکھنے میز تک آئی۔ وجدان نے اسے بہت غور سے دیکھا تھا۔ لال کرتی پر سفید پاجاما اور گہرا لال ڈوپٹہ۔ چہرے پر ہلکا میک اپ جو اسے اور

خوبصورت بنا رہا تھا۔ اس کے قدم بے اختیار اس کی جانب اٹھے۔ وہ کچن میں واپس پلٹ رہی تھی کہ وجدان نے اس کا ہاتھ پکڑ کر اپنی طرف کھینچا۔ وہ اس کے سینے سے ٹکراتی ٹکراتی بچی۔ اس نے نگاہ اٹھا کر وجدان کو دیکھنے کی کوشش ہی مگر شرم و حیا نے اسے آنکھیں اٹھانے کی اجازت نہ دی۔

"مجھے کچن میں جانا ہے"۔ اس نے جھٹ سے سر کو جھکا لیا۔

"مجھے سلام کیوں نہیں کیا؟"۔ وجدان نے مسکرا کر اس کے جھکے چہرے کو اٹھانے کی کوشش کی۔

"اسلام علیکم"۔ وہ جھٹ بولی۔

"جی کچھ کہا؟"۔ اس نے جیسے کچھ نہ سننے کی اداکاری کی۔

"کان بھی خراب ہو گئے؟"۔ اس کا یہ جملہ بے ساختہ تھا۔ صالحہ نے زبان دانتوں میں دبائی۔

"اب میں اتنا بھی بیمار نہیں"۔ اپنے ہاتھ اس کے رخسار پر رکھ وہ بہت محبت سے بولا تھا۔

صالحہ کا تو حال ایسا کہ کاٹو تو بدن میں لہو نہیں۔

"کچن میں جانا ہے مجھے"۔ وہ منمنائی۔

"جس کے لیے تیار ہوئی ہیں اسے تو اپنا دیدار کروائیں"۔ صالحہ کے دونوں ہاتھ وجدان کے قابو میں تھے۔ اس وقت وہ سیدھا اس کے دل میں اتر رہی تھی۔ صالحہ نے نگاہ اٹھا کر اسے دیکھا اور تھوڑا پیچھے ہٹ کر اپنا جوڑا اسے دکھایا۔ ہاتھ اب بھی وجدان کے ہاتھوں میں دبے تھے۔

"بہت خوبصورت"۔ زبان یہ کہنے سے خود کو روک نہ پائی۔ وہ اسے ساکت کر گئی تھی۔ وجدان نے اس کے لمبے گھنے بال اپنے ہاتھوں میں لے کر محسوس کیے۔ اس کی آنکھوں میں لگا سرمہ اس کے حسن کو اور بڑھاوا دے رہا تھا۔ وہ گھبراہٹ کے عالم میں اب بھی ویسی ہی کھڑی تھی۔ وجدان نے اسے اپنی جانب کھینچا اور سینے سے لگا لیا۔ وہ ساکت اس کے سینے سے لگی کھڑی تھی۔ کب تک وہ اسے گلے لگائے کھڑا رہا تھا صالحہ اندازہ نہیں کر پائی۔۔۔ اس کے گرد ہاتھوں سے بانہوں کا حصار باندھ کر جیسے اسے محفوظ کر رہا تھا۔ صالحہ کا سر وجدان کے کشادہ سینے پر تھا۔ پل بیتنے لگے اور پھر منٹ۔۔۔ وجدان نے اسے خود سے دور نہیں کیا۔ وہ اس کے چہرے کے تاثرات جاننا چاہتی تھی مگر وجدان کا ایک ہاتھ اس کے سر پر تھا جس سے اب وہ اس کے بال دھیرے دھیرے سہلا رہا تھا۔ ایک عجیب سی کیفیت سے وہ دونوں ہی دوچار تھے۔ ایک عجیب احساس۔۔۔ صالحہ کا دل تیزی سے دھڑکنے لگا۔ اچانک وجدان نے اس کو اپنے سینے سے دور کیا۔ وہ جیسے اس کے اشاروں

پر چل رہی تھی۔ اس کے ماتھے ہر بوسہ دیتے ہوئے وہ صرف یہ سوچ رہا تھا کہ صالحہ وجدان صرف اس کی ہے! یہ عورت اللہ نے اس کے حصے میں دی تھی۔۔۔

"اللہ نے آپ کو میری قسمت میں لکھ کر بہت کرم کیا ہے مجھ پر۔۔۔"۔ اس کا ہاتھ تھام کر وہ بہت جذب سے کہہ رہا تھا۔ صالحہ کی کنچی حیرت سے پھٹنے کو تھی۔ وہ مسکرایا اور اس کی آنکھوں کو چوم کر اس کے ہاتھوں کی پشت چومنے لگا۔ یہ وہ لمحہ تھا جب وہ اس کی اسیر ہی ہو گئی تھی۔

"آپ کو بھوک لگی ہو گی نا؟۔ میں نے بہت دل سے آپ کے لیے کھانا بنایا ہے"۔ اس کے لیے پریشان ہوتی صالحہ کو دیکھ کر مسکرایا تھا۔

"میری صالحہ نے میرے لیے کھانا بنایا ہے؟"۔ یہ جذبوں کی شرارت تھی۔ صالحہ نے ہاں میں سر ہلایا۔

"دل سے؟"۔ وہ نجانے کیوں اسے بلکل بچوں کی طرح ٹریٹ کر رہا تھا۔ صالحہ نے پھر ہاں میں سر ہلایا۔

"کھانا کھائیں؟"۔ وہ پوچھ بیٹھی۔ وجدان مسکرایا۔

"اب محبت سے بنایا ہے تو ضرور کھائیں گے"۔ اس کو پکڑتا وہ میز کے قریب آیا۔

"میں پانی کا ایک اور گلاس لے آتی ہوں"۔ اس نے میز پر ایک ہی گلاس رکھے دیکھا تو ہاتھ اس کے ہاتھوں سے نکال کر کچن میں جانے لگی۔ وجدان نے اس کے ہاتھ کو چھوٹنے نہیں دیا۔

"ایک گلاس کافی ہے! بس اب کہیں نہیں جائیں"۔ اس کے لیے میز کی کرسی آگے کرتا ہوا وہ بولا تھا۔ صالحہ وجدان کے انداز پر شرمائی بیٹھی۔

"آخری بار بریانی زید کی شادی پر کھائی تھی"۔ وہ آپس میں ہاتھ مل کر للچائی نظروں سے بریانی کو دیکھ رہا تھا۔ "اور اس سے پہلے اپنی شادی پر۔۔۔"۔ کتنے وقت کا بریانی کا ترسا ہوا تھا۔ صالحہ مسکرائی۔

"میں نکال دیتی ہوں آپ کو بریانی"۔ اس نے پلیٹ تھام کر اسے کھانا نکال دیا۔ اس کی زلفیں بار بار اس کے چہرے پر آ رہی تھیں جسے وہ جھنجلا کر کان کے پیچھے کر رہی تھی۔

وجدان بھنویں ماتھے پر رکھ کے اس کی حرکت نوٹ کرنے لگا۔

"میں بال باندھ کر آتی ہوں وجدان"۔ وہ بال پیچھے کر کے سمیٹتی ہوئی بولی۔

"کیوں؟"۔ وہ اسے یوں کھلے بالوں کے ساتھ اچھی لگ رہی تھی۔

"بال تنگ کر رہے ہیں"۔

"مگر مجھے تو اچھے لگ رہے ہیں"۔ گہری نگاہ اس کے چہرے پر ڈال کر کو وہ بہت محبت سے اس کے دل میں داخل ہو رہا تھا۔

"آپ کو تو آج سب ہی اچھا لگ رہا ہے"۔ وہ کہنے سے خود کو روک نہ پائی۔ وہ قہقہہ لگا کر ہنس دیا۔ کھانا کھاتے ہوئے بھی مسلسل اسے دیکھ رہا تھا۔ صالحہ اس کی نگاہوں کی تپش خود پر محسوس کر رہی تھی۔ وہ وجدان کی وجہ سے صحیح سے کھانا بھی نہیں کھا پا رہی تھی۔ آج دل کچھ معمول سے ہٹ کر دھڑک رہا تھا۔ حالانکہ وہ پہلی بار تو وجدان کے ساتھ کھانا نہیں کھا رہی تھی۔۔۔ مگر بھی نئی نویلی دلہن سا خود کو محسوس کر رہی تھی۔ وجدان اس کے ہر انداز پر لطف اندوز ہو رہا تھا۔ یکدم بیل بجی تو صالحہ نے الجھے ہوئے انداز میں وجدان کو دیکھا۔ بھلا اس وقت کون ہو سکتا تھا؟۔ وجدان بھی حیرت کا مظاہرہ کرتا اگر اسے فوراً یاد نہ آتا کہ جیا اور حیدر گھر آنے والے تھے۔ وہ حلق میں پانی انڈیلتا باہر کی سمت بھاگا۔ صالحہ کو بے جا حیرانی اور پریشانی ساتھ ہوئی۔ وہ سہم کر اس کے پیچھے آنے لگی۔ وجدان دروازہ کھول چکا تھا۔ وہ ابھی گیٹ تک نہیں پہنچی تھی مگر جان گئی تھی کہ کون آیا ہے۔ حیدر کے سلام کی آواز سنی تو اپنی جگہ ساکت رہ گئی۔ کوئی اپنا اس سے بہت دور سے ملنے آیا تھا۔ دھڑکنیں تیز ہو گئیں۔ وہ چادر نہیں پہنی ہوئی تھی مگر اس کا لال ڈوپٹہ اس قدر بڑا تھا کہ چادر کی طرح اسے خود میں ڈھانپا ہوا تھا۔ وجدان کے ہنسنے کی آواز سنائی دی۔ صالحہ قدم بڑھاتی

باہر کی جانب آئی۔ حیدر اس کے ساتھ ہاتھ ملائے کھڑا تھا جب اس کی نگاہ صالحہ پر اٹھی تھی۔ اسے وہ پہلے والی صالحہ نہیں لگی تھی جو ہر وقت خود کو بے رنگ کپڑوں اور پھیکے رنگ کی چادر میں لپیٹ کر رکھا کرتی تھی، جس کے بال ہمیشہ چٹیا میں قید رہتے تھے اور وہ نڈھال گھوما کرتی تھی۔ یہ تو کوئی الگ صالحہ تھی جو شوخ رنگ کے بڑے سے ڈوپٹے میں خود ڈھانپی کھڑی تھی۔ جس کے بال اس کی کمر سے نیچے کھلے لہرا رہے تھے اور جس کا چہرہ گلاب کی مانند محسوس ہو رہا تھا۔ وہ ساکت نظروں سے اسے دیکھتا رہا۔ اس کو دیکھنے سے محسوس ہوتا تھا کہ وہ وجدان کے ساتھ کتنی خوش ہے۔

"اسلام علیکم جیا"۔ اس نے بڑھ کر جیا کو سلام کیا۔ جیا اسے دیکھ کر خوش ہوگئی تھی، مگر حیدر وہیں کھڑا رہ گیا تھا۔

"آئیں اندر آجائیں"۔ وہ جگہ دیتی ان کو آگے چلنے کا کہنے لگی۔ وجدان نے ایک نظر صالحہ کو دیکھا اور پھر حیدر کو۔۔۔ لاتعلقی واضح نظر آرہی تھی۔ وہ کیسے بتائے کہ اس کا دل حیدر کو دیکھ کر مچل اٹھا ہے مگر وہ ظاہر نہیں کرنا چاہتی۔

"ہم لینے آئے ہیں آپ لوگوں کو"۔ لاؤنج پر بیگ رکھتے ہوئے جیا نے بتایا تھا۔ چہرے پر الگ ہی قسم کی مسرت تھی۔ صالحہ نے وجدان کو حیرت سے دیکھا۔ وہ مسکرا رہا تھا۔

"لینے آئے ہیں؟"۔ وہ الجھی۔

"حویلی کے لیے۔۔۔ افشاں پھپھو کا نکاح ہو رہا ہے صالحہ!۔ شاہ جی سے"۔ صالحہ ہل نہ سکی۔ کیا واقعی اس کی دعاؤں میں اتنی صدق تھی کہ اللہ نے اسے قبول کر دیا؟۔ پل بھر میں ہی آنکھیں برسنے لگی تھیں۔ دعائیں قبول ہو گئی تھیں۔ وہ ہچکیاں لیتے ہوئے بھاگ گئی۔

وجدان کی نظروں نے اس کا آخر تک پیچھا کیا۔

"وہ رو پڑی حیدر"۔ آنکھیں حیرت کا مظاہرہ کر رہی تھی۔ حیدر نے اس سمت دیکھا جہاں سے صالحہ گزری تھی۔

"حویلی میں اس سے زیادہ کسی اور کو خوشی نہیں ہو سکتی"۔ لہجہ سنجیدہ تھا۔ وجدان اسے سر تا پیر دیکھا تھا۔ وہ صالحہ کے پیچھے جانا چاہتا تھا مگر جیا اور حیدر کو یوں چھوڑ کر جانا مناسب نہیں لگ رہا تھا۔

"بھائی وہ رو رہی ہے۔ آپ کو جانا چاہیے"۔

"نہیں جیا۔۔۔ وہ اللہ کا شکر ادا کرنے گئی ہے۔ وہ لوٹ آئے گی جب اللہ کے حضور شکر ادا کر لے گی۔ تم لوگ کھانے کی میز پر آجاؤ۔ صالحہ نے بہت مزیدار بریانی بنائی ہے"۔

چہرے پر مسکراہٹ ہنوز تھی۔ حیدر نے اپنے بہنوئی کو غور سے دیکھا۔ اسے سمجھ نہ آیا کہ اس کا کیا ہوا فیصلہ اچھا نکلا یا برا ثابت ہوا۔ آج صالحہ اتنے بڑے گھر کی مالکن تھی۔ اس کے پاس بہترین شوہر تھا جس کی باتوں سے لگتا تھا کہ وہ صالحہ سے محبت کرتا ہے۔ اس

سب میں جو تعلق خراب ہوا وہ بھائی بہن کا تھا۔ وہ اٹھ کر میز کی کرسیوں پر بیٹھ گئے تھے۔

وجدان کا دل چاہ رہا تھا کہ صالحہ کو نیچے بلا لے آئے، مگر یوں جانا اچھا نہیں لگ رہا تھا۔

"میں ٹرے میں اور بریانی لے آتا ہوں"۔ وہ جیا کی طرف دیکھ کر مسکراتا ٹرے اٹھانے لگا۔

"ارے بھائی آپ کیوں لائیں گے میں لے آتی ہوں"۔ وہ بھائی کو کچن میں جاتے دیکھ کر اٹھ کھڑی ہوئی۔

"جیا جان تم بیٹھ جاؤ۔مجھے اچھا نہیں لگے گا کہ اپنی بہن سے اس کے میکہ میں کام کرواؤں"۔ اس کے ماتھے پر بوسہ دیتے ہوئے وہ محبت سے بولا تھا۔ وہ بھائی کی محبت پر نم آنکھوں سے پھر بیٹھ گئی۔ وہ کچن میں جا چکا تھا جب صالحہ نیچے اتری۔ سرخ ہوتی ناک سے سر سر کرتی وہ ادھر ادھر وجدان کو تلاشنے لگی۔

"جیا کھانا کھاؤ نا۔۔۔ میں پانی کا جگ بھر کر لاتی ہوں"۔ وہ حیدر کو ایک نظر دیکھ کر جیا سے کہتی کچن میں مڑی۔ حیدر سے نوالہ حلق میں اتارنا مشکل ہو گیا تھا۔

"آپ یہاں کیا کر رہے ہیں"۔ اس نے حیرت سے سلیپ پر رکھی ٹرے اٹھائی۔ وجدان نے جھٹکے سے مڑ کر اسے دیکھا۔

"آپ ٹھیک ہیں؟"۔ نگاہیں فکرمندی کا ثبوت دے رہی تھیں۔

"میں ٹھیک ہوں اور بہت زیادہ خوش ہوں"۔ چہرے سے گویا خوشی ٹپک رہی تھی۔

وجدان نے گہری سانس خارج کی۔

"آپ نے تو مجھے ڈرا ہی دیا تھا صالحہ"۔ وہ ٹرے اس کے ہاتھوں سے لینے کی کوشش کرنے لگا۔ وہ الجھی۔

"یہ ٹرے کیوں لے رہے ہیں؟۔مجھے بریانی ڈالنی ہے اس میں"۔ وہ اس کے ہاتھوں میں ٹرے کو جانے سے روکنے لگی۔

"میں نکال رہا ہوں بریانی آپ باہر جا کر بیٹھیں صلہ"۔ وہ تحمل مزاجی سے تاکید کرنے لگا۔

"نہیں جی۔ میں نکال رہی ہوں اور اگر کام کرنے کا شوق پیدا ہو رہا ہے تو یہ لیں جگ! اس میں ٹھنڈا پانی بھر لیں"۔ اس نے جگ آگے کیا جسے وجدان نے اسے گھورتے ہوئے تھام لیا۔ بریانی نکال کر وہ میز پر رکھنے لگی۔

"تو پھر کب تک چلنے کا ارادہ ہے حویلی؟۔ ہم نے پہلے ہی افشاں پھپھو کے نکاح کے جوڑے کا آرڈر دے دیا تھا اس لیے بس اب جاتے ہوئے میں اور حیدر دکان سے جوڑے اٹھالیں گے"۔ صالحہ نے مڑ کو وجدان کو دیکھا جو تھکا تھکا سا محسوس ہو رہا تھا۔

"میں بہت زیادہ خوش ہوں حویلی جانے کے لیے۔ مگر ابھی نہیں۔۔۔ وجدان تھوڑے تھکے ہوئے ہیں اس لیے شام تک حویلی کے لیے نکلیں گے تاکہ وجدان تب تک آرام

کر سکیں"۔ اپنی خوشی کے پیچھے وجدان کی صحت نہیں بھولی تھی۔ وجدان حیران ہوا تھا۔ جیا کی باچھیں کھلی تھیں یہ دیکھ کر کہ اس کی بھابھی اس کے بھائی کا خیال رکھ رہی ہے۔ اس سب میں صالحہ نے حیدر سے سرسری سی بات کے علاوہ کوئی اور بات نہیں کی تھی۔ وہ بھی زیادہ تر خاموش رہا تھا۔

"میں نے تمہارا کمرہ کھول دیا ہے جیا۔ سفر کی تھکاوٹ ہو گی تم دونوں کو اس لیے جاؤ آرام کر لو"۔ اس نے قریب آ کر بہن کو کس کر گلے لگایا۔ اسے بتایا کہ وہ اسے سب میں کتنی یاد آئی۔ بہن کو بیاہنا آسان نہیں ہوتا ایک بھائی کے لیے۔۔۔

---★★---

عصر کا وقت تھا اور وہ اپنی کھڑکی کے پاس کھڑی تھی۔ دل بہت زور زور ہل رہا تھا۔ وہ چلا جائے گا اگر وہ نہ لوٹی۔۔۔

"لیکن یہ یاد رکھنا وہ کوئی اور شخص شرجیل نہیں ہو گا۔ وہ ایک مضبوط اور ذمہ دار شخص ہے بیٹے۔ کب تک تم یوں اماں اور بھائی کی ہاں میں ہاں ملاؤ گی؟۔ خود اپنا فیصلہ لو۔۔۔!"۔

اسے ابا کے الفاظ یاد آئے۔ اسے کیا فیصلہ لینا چاہیے وہ الجھی ہوئی تھی۔ یہاں رہی تو ابا ٹھیک کہتے ہیں کبھی نہ کبھی تو شادی کرنی پڑے گی۔

"ابا سچ کہتے ہیں کہ وہ کوئی اور شخص شرجیل نہیں ہوگا"۔ اس کے لب خود سے ہی ملے تھے۔ ماتھے پر الجھن کے آثار تھے۔ اس نے نیچے جھانکا تو ابا گاڑی کے شیشے صاف کرتے دکھائی دیے۔ جانے کیوں شاہ زل نے کہا کہ اگر وہ لوٹ کر آنا چاہتی ہے تو اسے پہلے ہی بتا دے تاکہ وہ شرجیل کو گاؤں چھوڑنے سے روک لے۔ وہ کچھ دیر کھڑی سوچتی رہی اور پھر ابا کو دیکھا۔ اس نے ابا کے کہے پر عمل کیا تھا۔ انہوں نے کہا تھا کہ فیصلہ کرنے میں تاخیر مت کرنا اور اس نے واقعی تاخیر نہیں کی تھی۔

"ابا۔۔۔"۔ اس نے ابا کو آواز لگائی۔ انہوں نے عینک سنبھال کر اوپر دیکھا۔

"ہاں بیٹے؟"۔

"ابا حویلی چھوڑ آئیں گے؟"۔ لب بھینچے ہوئے تھے۔ ابا نے حیرت سے اسے دیکھا اور ہنسنے لگے۔

"آجاؤ پھر نیچے جلدی سے"۔ ان کے ہاتھ کے اشارے پر وہ سامان سمیٹنے لگی۔ کہیں تاخیر نہ ہوجائے اور منزل تک پہنچنے کے راستے بند نہ ہوجائیں۔

---★★---

سفید رنگ کے کرتے شلوار پر وہ کائی رنگ کی شال لپیٹتا چابی گھماتا گاڑی تک آیا تھا۔ شاہ جی جو حویلی کے گیٹ سے اندر داخل ہوئے تھے اسے دیکھ کر چلتے ہوئے اس کے قریب آئے۔

"کہاں برخوددار؟"۔ اسے گاڑی کا دروازہ کھولتے دیکھا تو بھنویں اچکا کر پوچھ بیٹھے۔

"شہر اور کہاں"۔ وہ مسکرایا۔

"اوہ ہاں یاد آیا"۔ وہ جواباً مسکرائے۔ شرجیل نے ہاتھ میں پہنی گھڑی پر نگاہ ڈالی۔

"آپ جا نہیں رہے؟"۔

"کہاں؟"۔

"اپنے والد سے ملنے؟"۔ اس نے شاہ جی کو یاد دلانا چاہا۔

"ہاں بس کچھ دیر میں نکلنے ہی والا ہوں"۔ مسکراہٹ ہنوز لبوں پر قائم تھی۔ وہ مسکرایا۔

"پھر میں بھی چلتا ہوں"۔ اس نے ہاتھ آگے بڑھایا جسے شاہ جی تھام لیا۔

"کب لوٹو گے؟"۔

"کل صبح تک۔۔۔ نکاح بعدِ نماز ظہر شروع ہوگا"۔ اس نے اطلاع دی۔ شاہ جی کے دل میں کچھ عجیب سا برپا ہوا۔ وہ مسکرائے اور اثبات میں سر ہلانے لگے۔ وہ ایک بار پھر جواباً مسکراتا گاڑی میں بیٹھ گیا۔ نگاہ اپنی ہی منزل کے ٹیرس پر اٹھی۔ آج وہاں کوئی نہیں کھڑا

تھا۔ رفاہ جب سے شرجیل کے کمرے میں شفٹ کی گئی تھی۔ کمرے سے زیادہ وہ ٹیرس پر کھڑے ہو کر وقت گزارتی تھی۔ گاڑی ریورس کرتا وہ حویلی کے باہر لے آیا۔ اس نے وقت دیکھ کر گاڑی گھمالی۔

...★★...

وہ لوگ جیا اور حیدر کے نکلنے کے پانچ منٹ بعد نکلے تھے۔ کیونکہ حیدر کا ارادہ افشاں پھپھو کے کپڑے جو آرڈر پر بنوائے تھے لے کر آنے کا تھا۔ وجدان اس کو سیدھا حویلی لے کر نہیں جانے والا تھا۔ شہر کی خوبصورتیوں سے لطف اندوز ہوئے بغیر اس نے گاؤں میں قدم نہ رکھنے کی گویا قسم کھائی ہوئی تھی۔ گاڑی کی رفتار اس نے صالحہ کے کہنے پر آہستہ کی تھی۔

"کہاں جا رہے ہیں؟"۔ وہ مسکرا رہی تھی کیونکہ اس منصوبے میں وہ بھی شامل تھی۔

"ہم جائیں گے پہلے شام کی چائے پییں گے۔ وہ شہر کے کچھ کنارے پر مقیم ہے"۔ وہ گردن پھیر کر اسے دیکھنے لگا۔

"آپ کو غزل پسند ہے صلہ؟"۔ وہ ٹیپ رکارڈ چلانا چاہتا تھا۔ صالحہ نے نگاہ موڑ کر اسے دیکھا۔ اس نے محسوس کیا کہ وہ غزل سننا چاہتا ہے۔

"میں چلاؤں غزل؟؟"۔ اس نے لب کاٹتے ہوئے پوچھا تو وجدان نے اثبات میں سر ہلایا۔ صالحہ نے آگے بڑھ کر ٹیپ رکارڈ چلایا۔ غزل شروع ہو چکی تھی۔

محبت روٹھ جائے تو

اسے بانہوں میں لے لینا

بہت ہی پاس کر کے تم

اسے جانے نہیں دینا

صالحہ کی آنکھیں پھٹیں۔ وہ جھینپ سی گئی۔ وجدان نے گردن پھیر کر اسے دیکھا۔ مسکراہٹ لبوں پر خود سے آئی۔ وہ لال ٹماٹر بنی نظریں نیچی کیے بیٹھی تھی۔ صالحہ نے ٹیپ رکارڈ بند کر دیا۔ وجدان نے حیرت سے گاڑی روکی۔ علاقہ قدرے سنسان تھا۔

"آج غزل اچھی نہیں آ رہی ہیں"۔ سر ویسے ہی جھکا ہوا تھا۔

"مجھے تو اچھی لگی تھی"۔ وہ افسوس سے بولا۔

"میرے پاس ایک غزل کی کتاب ہے۔ ہم جب شہر واپس لوٹیں گے تو میں آپ کو دکھاؤں گی"۔ اس نے رخ اس کی جانب موڑا۔

"ہاں مگر مجھے ابھی کوئی غزل سننی ہے۔ کیا آپ کو کوئی غزل یاد ہے؟"۔ اس نے گاڑی آگے بڑھائی۔ صالحہ سوچنے لگی۔

"مجھے کوئی بھی غزل پوری نہیں یاد۔۔۔"

اس نے ڈیش بورڈ پر سے ایک کتاب اٹھا کر صالحہ کی گود میں رکھی۔

"چلیں اس میں سے پڑھ کر ہی کوئی سنا دیں"۔

"آپ کو غزلیں اتنی زیادہ پسند ہیں؟"۔ وہ ششدر اس کتاب کو الٹ پلٹ کر دیکھ رہی تھی۔

"جی اس سے بھی کہیں زیادہ"۔ نظر بھر کر اس کی حیران آنکھوں میں دیکھا تھا۔ وہ کنچی آنکھیں جو اترتی دھوپ میں چمک رہی تھیں۔ صالحہ نے خوشی کے مارے آنکھیں پھاڑیں۔

"یا اللہ۔۔۔ پھر تو آپ میرے ہی بھا۔۔۔۔۔"۔ وہ خود کو کہنے سے بمشکل روک پائی تھی۔ گاڑی جھٹکے سے رکی اور وجدان نے ششدر ہو کر اسے دیکھا۔

"مطلب شوہر ہیں"۔ وہ کھسیانی ہوئی۔ وجدان کے ماتھے پر بل پڑے اور وہ اسے گھورنے لگا۔

"بس اس کی ہی کمی رہ گئی تھی"۔ وہ بڑبڑاتا ہوا گاڑی چلانے لگا۔ موڈ ایک دم ہی بگڑ گیا تھا۔

"میں آپ کو غزل سناتی ہوں"۔ وہ اس کا لہجہ بھانپتے ہوئے کتاب کھولنے لگی۔

یہ کب کہتی ہوں تم میرے گلے کا ہار ہو جاؤ

وہیں سے لوٹ جانا تم جہاں بے زار ہو جاؤ

ملاقاتوں میں وقفہ اس لیے ہونا ضروری ہے

کہ تم اک دن جدائی کے لیے تیار ہو جاؤ

بہت جلد سمجھ میں آنے لگتے ہو زمانے کو

بہت آسان ہو تھوڑے بہت دشوار ہو جاؤ

وہ اتنی خوبصورتی سے پڑھ رہی تھی کہ وجدان اسے بار بار گردن پھیر کر دیکھ رہا تھا۔ اس کی آواز میں ایک سرور تھا۔

بلا کی دھوپ سے آئی ہوں میرا حال تو دیکھو

بس اب ایسا کرو تم سایۂ دیوار ہو جاؤ

ابھی پڑھنے کے دن ہیں لکھ بھی لینا حالِ دل اپنا

مگر لکھنا تبھی جب لائقِ اظہار ہو جاؤ۔۔۔

غزل ختم ہو چکی تھی اب وہ صفحے پلٹ کر کوئی دوسری غزل ڈھونڈ رہی تھی۔

"پروین شاکر میری پسندیدہ فہرست میں شامل ہیں۔ میں ان کی تقریباً ہر غزل پڑھ چکا ہوں"۔ وہ بتا رہا تھا اور وہ سن رہی تھی۔

"واقعی؟ ۔ کیا آپ کے پاس ان کی غزلوں کی کتاب ہے؟"۔

"کیا آپ نے میری لائبریری دیکھی ؟ ۔ اگر دیکھی ہوتی تو یہ پوچھنا نہ پڑتا صلہ" ۔ اس نے گاڑی منزل آنے پر روکی ۔ "ہم آ گئے ہیں" ۔ وجدان گاڑی کا دروازہ کھول کر اترا ۔ صالحہ نے سامنے دیکھا تو آنکھیں ساکت رہ گئیں ۔ یہ جگہ بھولنے والی نہیں تھی ۔ یہ وہی جگہ تھی جہاں اسے حیدر لایا تھا ۔ جہاں بیٹھ کر انہوں نے چائے پراٹھا کھایا تھا اور دنیا جہاں سے بے خبر ہو کر کئی گھنٹوں باتیں کی تھیں ۔ سڑک کے سیدھے ہاتھ پر کھائی تھی اور بائیں ہاتھ پر ہوٹل اور چٹیل میدان ۔ آبادی سے بہت دور ۔ ۔ ۔ یہ سڑک وہ کیسے بھول سکتی تھی جس پر وہ اور حیدر ساتھ بہت دور تک بھاگے تھے ۔ وجدان نے اس کی طرف کا دروازہ کھولا ۔ وہ لب بھینچ کر گاڑی سے اتری ۔ ۔ ۔ ہوٹل کے باہر ویسے ہی تخت لگے تھے ۔

"یہ جگہ بہت پر سکون ہے ۔ یہ دیکھیں !" ۔ اس نے ہوٹل کی طرف اشارہ کیا ۔ "الٹے ہاتھ پر ہوٹل ہے اور سیدھے ہاتھ پر ۔ ۔ ۔"

"بہت گہری کھائی ۔ یہ ایک لمبی سڑک ہے جو کہاں جاتی یہ نہیں معلوم" ۔ وہ اس کی بات کاٹتی خود بات مکمل کر گئی ۔ وہ حیران ہوا ۔

"آپ جانتی ہیں ؟" ۔ وہ آہستہ آہستہ ہوٹل کی طرف چلتے ہوئے آ رہے تھے ۔

"ویر کے ساتھ آئی تھی ایک دفعہ ! اس کے بعد ہی آپ سے ملاقات ہوئی تھی ریسٹورینٹ میں" ۔ وہ اسے بتاتی ارد گرد دیکھ رہی تھی ۔

"اوہ۔۔۔"۔ اس کے چادر پر چھپے چہرے پر نگاہ ڈالتا ہوا اثبات میں سر ہلانے لگا۔

"آئیں تخت پر بیٹھتے ہیں"۔ ان کو دیکھ کر ایک چھوٹا بچہ بھاگ کر آیا۔ صالحہ نے اسے پہچاننے میں لمحہ نہیں لگایا۔ اسے دیکھ کر لگ رہا تھا کہ وہ صالحہ کو نہیں بھولا تھا۔ زیادہ وقت نہیں گزرا تھا جو وہ اس کا چہرہ بھول جاتا۔ کنچی آنکھوں کو دیکھ کر وہ مسکرا دیا تھا۔ اسی سردیوں میں اس کی دوسری بار اس سے ملاقات ہوئی تھی۔ صالحہ نے ایک بار پھر اپنے مخصوص چھوٹے سے بیگ میں سے کچھ پیسے نکالے اور اس کے آگے بڑھائے۔ اس نے جھجکتے شرماتے وہ پیسے تھام لیے۔ اس کے سر پر ہاتھ پھیر کر صالحہ مسکرائی تھی۔ وہ ہنس دیا۔ وجدان دونوں کو باری باری دیکھ رہا تھا۔

"لگتا ہے یہ آپ کو پہچان گیا ہے"۔ شریر لہجے میں وہ بچے کے گال کھینچنے لگا۔ صالحہ نے ہنسی دبائی۔

"دو کپ جائے اور کیک"۔ اسے آرڈر زبانی یاد کرواتا ہوا وہ اپنے پرس میں سے صالحہ کی دیکھا دیکھی اسے پیسے نکال کر دینے لگا۔

"بل کھانے کے بعد ادا کروں گا۔ یہ پیسے تم خود رکھنا"۔ اس کے بال سہلاتا وہ بہت پیار سے بولا تھا۔ اپنے ہاتھ میں اتنے سارے نوٹ دیکھ کر وہ بچہ خوشی سے ہوٹل میں بھاگ گیا تھا۔

"جو خوشی ہمارے لیے چھوٹی ہوتی ہے وہ ہی ان کے لیے بہت بڑی ہوتی ہے"۔ صالحہ کچھ ٹھہر کر بولی۔ وجدان نے اس کی بات پر اکتفا کیا تھا۔

موسم کی خوبصورتی ماحول کو بھی خوبصورت بنا رہی تھی۔ پرندوں سے آسمان گھرا تھا۔

"موسم کتنا خوبصورت لیے وجدان"۔ وہ تخت پر کھڑی ہو گئی۔ وجدان ہنسنے لگا۔

"میرے دل کا موسم اج بہت مشابہت رکھتا ہے باہر کے موسم سے۔۔۔"۔

صالحہ نے وجدان کو دیکھا۔

"اچھا؟۔ مگر مجھے لگا کہ میرا دل شاید اس شام سا ہو گیا ہے"۔ وہ اسے دیکھتے ہوئے بولی۔

وجدان مسکرایا۔

"وجدان"۔ اس نے پکارا۔

"صلہ"۔

"ٹہلیں؟۔ لمبا لمبا؟۔ جب تک چائے نہیں آجاتی ہم ان سڑکوں کو اپنا اسیر بناتے ہیں"۔ وہ تخت سے نیچے اتر کر کھڑی ہوئی۔ وجدان اسے غور سے دیکھنے لگا۔ اپنا اسیر بنانے کے بعد اب یہاں کی سڑکوں کو بھی اپنا اسیر بنانے کی اجازت مانگ رہی تھی۔ کیا چاہتی ہے یہ لڑکی۔ ہوٹل میں رش نہیں تھا۔ کہیں دور دور دو تین لوگ بیٹھے تھے۔

"چلیں نا میرا دل چاہ رہا ہے"۔ اس نے کچھ سوچ کر پہلی بار اس کا ہاتھ خود سے تھاما۔ وہ حیران کم ساکت زیادہ رہ گیا تھا۔ جیسے زبان خاموش رہ گئی ہو۔ نجانے اب کونسا سحر اس کنچی آنکھوں والی نے پھونکا تھا کہ وہ بول بھی نہیں پا رہا تھا۔

"یعنی آپ نہیں آرہے۔ ٹھیک ہے میں جا رہی ہوں اور ہاں! بھٹک جاؤں تو ڈھونڈنے کی ضرورت نہیں"۔ ایک ناراض نگاہ اس پر ڈال کر اس کی کنپٹی پر انگلی سے چھو کر مڑنے لگی۔ اس سے دور جانے پر وجدان کے ہاتھوں سے اس کا ہاتھ چھوٹ رہا تھا۔ صالحہ کی اسی ادا نے وجدان کو اٹھنے پر مجبور کیا تھا۔

"اگر بارش ہو جاتی تو کتنا اچھا ہوتا نا؟ مجھے بارش میں بھیگنا پسند ہے"۔ وہ یہ کہہ سکتی تھی کیونکہ اس نے ایک رات گھر کے گیٹ پر سو کر نہیں گزاری تھی۔ وجدان کا تو رنگ ہی سفید پڑ گیا تھا۔

"بارش تیز ہوگی تو شہر بھیگ جائے گا"۔ وہ بس اتنا ہی بول پایا تھا۔

"پھوار یا بوندا باندی ہی سہی"۔ اس نے مسکرا کر اس کی جانب دیکھا جو اس کے ہر انداز پر حیران ہو رہا تھا۔ اس کا ہاتھ پکڑ کر صالحہ نے مضبوطی سے دبایا تھا۔ وہ دونوں سڑک کے بیچوں بیچ دھیرے دھیرے آگے بڑھ رہے تھے۔

"کیسا محسوس کر رہی ہیں؟"۔ وہ دھیرے سے اس کے کان میں بولا تھا۔

"اچھا لگ رہا ہے"۔ مسکراہٹ لبوں سے دور ہونے کا نام نہیں لے رہی تھی۔

"کیوں کیا صالحہ آپ نے۔۔۔"۔ وہ دکھ سے نفی میں سر ہلاتا ہوا بولا۔ وہ چونکی۔

"کیا وجدان؟"۔ اسے لگا اس سے کوئی کوتاہی ہوگئی ہے۔

"یہ اندازیہ باتیں آپ کی مجھے کمزور کررہی ہیں"۔ لہجہ کافی حد تک کمزور تھا۔ وہ اسے تکتی رہی۔ وجدان نے بھی نگاہیں اس پر سے نہ ہٹائیں۔ صالحہ نے حیا کے مارے نگاہیں نیچی کر کے تسلسل توڑ دیا۔

"بہت ٹہل گئے۔ اب واپس چلتے ہیں کہیں وہ ہمارا انتظار نہ کر رہے ہوں"۔ وہ اس کا ہاتھ پکڑتی تیز تیز چلنے لگی کہ کہیں ہاتھ چھوٹا تو بچھڑ نہ جائے۔ وہ اپنی صلہ کے جواب کا منتظر رہا مگر وہ بات موڑ گئی تھی۔ اتنا سب کچھ کرنے کے بعد وہ جلد اسے جواب دیدے گی وہ جانتا تھا۔

۔۔۔★★۔۔۔

وہ حویلی میں داخل ہو کر بھاگتی ہوئی سب سے پہلے افشاں کے گلے سے لگی تھی۔ افشاں خوشی سے نہال ہوگئی تھی۔ البتہ وجدان سب بڑوں سے مل کر اب صالحہ سے کچھ دور لاونج کے دروازے سے ٹیک لگائے کھڑا تھا۔ افشاں اسے بار بار چوم رہی تھی جیسے اس کے ہونے پر بے یقین ہو۔ کبیر اور طلعت بڑھ کر اپنی بیٹی کو گلے لگانا چاہتے تھے مگر خود پر ضبط کیے کھڑے تھے۔ افشاں مڑی تو وجدان کی اسے دیکھ کر آنکھیں پھٹ گئیں۔ وہی کنچی

آنکھیں اور وہی چہرہ مگر بہت ہلکی جھریاں۔۔۔اس کی حالت عجیب ہوئی۔اس نے مڑکر ایک نظر طلعت اور کبیر کو دیکھا اور پھر صالحہ کو۔۔۔کبیر نے اسے کچھ کوجھتے دیکھا تو اسے سمجھنے کی کوشش کرنے لگے۔

"کیا ہوا برخوددار؟"۔

وہ گڑبڑایا۔

"نہیں کچھ نہیں۔میں باہر سے آتا ہوں"۔وہ بہانہ کرتا کھلی فضا میں سانس لینے باغ میں چلا گیا۔

صالحہ پیچھے جاتی مگر اماں ابا کو دیکھ کر رک سی گئی۔بڑھ کر ان کے گلے سے لگ گئی۔یہ دوری بھی کیا دوری تھی۔ایک لڑکی کے لیے زندگی میں مشکل وقت ماں باپ کو چھوڑ کر دوسرے گھر جانا ہوتا ہے۔

"ہمیں آئے تو آدھے گھنٹے سے زیادہ ہوگیا۔آپ لوگ کیا گھر سے دیر سے نکلے تھے؟"۔

جیا پوچھ رہی تھی۔صالحہ نے اثبات میں سر ہلایا۔سب بہت بہتر اور اچھی حالت میں تھے۔وہ ثریا کے کس کے گلے لگی تھی۔اس کی بہن جیسی دوست جو تھی۔حیدر وہیں صوفے کے برابر کھڑا تھا۔لب خاموش تھے البتہ نظریں ہر جگہ دوڑ رہی تھیں۔وہ سب سے مل کر

باغ میں آگئی تھی۔ وجدان گہری سوچ میں غرق بینچ پر بیٹھا تھا۔ دونوں ہاتھوں کو سینے پر باندھ کر وہ گھانس کو تک رہا تھا۔

"وجدان آپ باہر کیوں آ گئے؟"۔ وہ اس کے بلکل سامنے آ کھڑی ہوئی۔ نگاہوں کا تسلسل ٹوٹا اور نظریں اس پر اٹھیں۔

"میں جان گیا ہوں کیونکہ اب سب کچھ!"۔ ماتھے پر بل نمودار ہوئے۔

"کیا جان گئے ہیں؟"۔ وہ حیران تھی۔

"آپ کبیر انکل کی بیٹی نہیں ہیں"۔ وہ پوچھ رہا تھا یا بتا رہا تھا وہ سمجھ نہ پائی۔

"کیا مطلب؟"۔ وہ الجھی۔

"وہ افشان پھپھو۔۔۔ آپ یقیناً ان کی بیٹی ہیں میں بتا رہا ہوں آپ اس بات سے غافل ہیں"۔

صالحہ زور سے ہنسی۔

"وہ میری پھپھو ہیں وجدان۔۔۔ اور میں ہو بہو ان جیسی ہوں"۔ اس نے محبت سے بینچ پر بیٹھے وجدان کو دیکھ کر سمجھایا۔ وجدان نے نفی میں سر ہلایا۔

"میں نہیں مانتا"۔

"وہ غیر شادی شدہ ہیں وجدان صاحب۔ کل ان کا نکاح ہے"۔ وہ دھیما سا ہنسی۔

"یا اللہ کس خاندان میں داخل ہوگیا میں۔۔۔ بھلا پھپھو سے کوئی اس قدر بھی مشابہت رکھتا ہے؟"۔ وہ اب بھی حیران تھا۔

"میں رکھتی ہوں"۔ وہ اس کے بالوں پر انگلیاں پھیر کر بولی۔ اس کے اس انداز پر وہ جی جان سے مسکرایا۔

#زنجیر از قلم #عینا_بیگ

#آخری_قسط پارٹ 1

"یقین نہیں آرہا۔ جب تک آپ کی پیدائش کا سرٹیفکیٹ نہیں دیکھوں گا بے یقین رہوں گا"۔

"اللہ اکبر! کیا کہہ رہے ہیں۔ اب باتیں بات میں کریں گے آپ کو سب اندر بلا رہے ہیں"۔ اسے جانے کے لیے رستہ دیتی وہ پیچھے ہٹی۔ وہ لاؤنج کی طرف بڑھنے لگا تھا کہ اچانک مڑ کر اسے دیکھنے لگا۔

"مجھے لگتا ہے آپ کو گود لیا ہے۔ سوچیے گا ضرور اس بارے میں"۔ وہ شریر لہجے میں کہنا بھولا نہیں تھا۔ صالحہ نا چاہتے ہوئے بھی ہنس پڑی تھی۔

---★★---

گاڑی حویلی کے سامنے رکی تھی۔ وہ خالد صاحب کو اللہ حافظ کہتی حویلی کے گیٹ پر آئی۔ چوکیدار نے چادر میں چھپے چہرے کو پہچان کر دروازہ کھول دیا۔ اپنا سامان اٹھا کر وہ لاؤنج کی طرف بڑھ رہی تھی۔ شاہ زل لاؤنج کے دروازے پر کھڑا اس کو باغ سے آتا ہوا دیکھ رہا تھا۔

"رفاہ تم؟"۔ اسے بے جا حیرانی ہوئی تھی۔

"جی"۔ وہ اس کے سامنے خاموش کھڑی ہو گئی۔

"شرجیل شہر چلا گیا"۔ شاہ زل کے کہنے پر اس نے بے ساختہ سر اٹھایا۔ دل زور سے دھڑکنے لگا۔

"وہ سچ۔ چلے گئے؟۔ ایسا نہیں ہو سکتا"۔ اس کی آنکھوں سے موٹے موٹے آنسو نکلنے کی دیر تھی جب شاہ زل فوراً بول پڑا۔

"وہ کل واپس آ رہا ہے رفاہ! ضروری کام سے گیا ہے شہر! کل پھپھو کے نکاح سے پہلے لوٹ آئے گا"۔ مسکراہٹ دباتا وہ باہر چلا گیا۔ رفاہ کے حواس بحال ہوئے۔ اس کا غم سے دل پھٹ جاتا اگر یہ بات سچ ہوتی۔ لاؤنج خالی تھا۔ وہ سامان اٹھاتی اپنے کمرے میں چلی گئی۔

۔۔۔★★۔۔۔

مغرب کی آذان سن کر سب نماز پڑھنے کے لیے اپنے اپنے کمروں میں تھے۔ وہ جائے نماز پر نماز پڑھ کر اب بستر پر لیٹ گیا تھا۔ صالحہ واش روم سے کپڑے چینج کر کے نکلی۔ وجدان نے اس کی طرف کروٹ لیا۔ صالحہ نے نظریں پورے کمرے میں دوڑائیں۔ اس کا کمرہ اب تک ویسا ہی تھا جیسا وہ شادی سے پہلے چھوڑ کر گئی تھی۔ وجدان اٹھ کر اس کی میز کے قریب آیا۔ ڈھیر ساری کتابیں جو شاید صالحہ کی تھیں وہ الٹ پلٹ کر دیکھنے لگا۔

صالحہ اسے دیکھ کر میز کے پاس آئی۔

"یہ کتابیں تو بڑی کام کی ہیں"۔ وہ تعجب سے ایک نیلی کتاب کو کھول کر دیکھنے لگا۔۔

"کرسی پر بیٹھ جائیں وجدان"۔ اس نے میز کی کرسی وجدان کے قریب کی تو وجدان اس پر بیٹھ گیا۔

"شکریہ صلہ"۔ وہ کہنے سے خود کو روک نہیں پایا تھا۔ صالحہ سرخ ہوئی۔ وجدان نے اس کی میز کی پہلی دراز کھولی۔ اس دراز میں صالحہ کے قلم رکھے تھے۔ اسے جان کر خوشی ہوئی تھی کہ صالحہ ہمیشہ سے اپنی چیزیں بہت اہتمام سے رکھتی ہے۔ اس نے دوسری دراز کھولی تو اس میں کسی کی تصویر تین حصوں میں پھٹی ہوئی رکھی تھی۔ اگر صالحہ کو معلوم ہوتا تو وہ وجدان کو میز کی طرف بھی نہ آنے دیتی۔

"یہ تصویر کس کی ہے؟"۔ اس نے ان تینوں حصوں کو دراز سے باہر نکالا۔ وہ تین حصے جب وجدان نے آپس میں ملائے تو وہ حیران ہوا۔ وہ کوئی لڑکا تھا جو تصویر میں مسکرا رہا تھا۔ تصویر پلٹی تو اس پر کچھ لفظ لکھے نظر آئے۔ وہ انہیں جلد پڑھنے والا تھا کہ صالحہ نے سہم کر اس کے ہاتھ سے وہ تصویر چھین لی۔ وجدان نے مڑ کر حیرت سے صالحہ کو دیکھا۔

"یہ تصویر کس کی ہے اور آپ نے ایسے کیوں ہاتھ سے لے لی؟"۔ اسے تھوڑا عجیب محسوس ہوا۔ صالحہ کا دل زور سے دھڑکنے لگا۔

"نن۔ نہیں وہ۔۔۔ چھوڑیں اس تصویر کو۔۔ میں اسے رکھ دیتی ہوں"۔ وہ بات گول کرتی الماری کا پٹ کھول کر تصویر رکھنے لگی۔ وجدان نے وہ جگہ بہت غور سے دیکھی جہاں صالحہ نے اسے چھپایا تھا۔ صالحہ کا چہرہ سفید لٹھے کی مانند ہو رہا تھا۔ وہ اٹھ کھڑا ہوا۔

"آپ۔۔۔ کک۔ کچھ کھائیں گے؟۔ میں لے کر آؤں؟"۔ وہ پیشانی پر آئے پسینے کو صاف کرتی اس کی جانب آئی۔ وجدان بے ساختہ مسکرایا۔

"پریشان کیوں ہو رہی ہیں"۔ اس کے رخسار پر ہاتھ رکھتا وہ محبت سے بولا۔

"نہیں تو"۔ وہ جھٹ سے بولی۔ وجدان نے اس کا ہاتھ تھام کر اسے خود سے قریب کیا۔ وہ اس کے سینے سے لگتی اگر خود کو نہ سنبھالتی۔ اس نے چہرہ اٹھا کر اسے دیکھا۔ وہ اس کے اس قدر قریب کھڑی تھی کہ اپنے چہرے پر پڑنے والی اس کی گرم سانسوں تپش

محسوس کر رہی تھی۔ دل تو جیسے بند ہو گیا تھا۔ شرم سے کانوں کی لوؤں تک سرخ ہو چکی تھیں۔ وجدان نے اس کی پیشانی چومی۔ صالحہ کی پلکیں لرز اٹھیں۔ اس نے آنکھیں سختی سے بند کر لیں۔ دل میں ایک خواہش اٹھی کہ وجدان اس سے اظہارِ محبت کر لے۔۔۔ وہ انتظار کرنے لگی۔ مگر وہ اظہارِ محبت یوں نہیں کرنے والا تھا۔ وہ اسے اسلام آباد کی اس دکان سے خرید کر پھول پیش کرے گا اور پھر بتائے گا کہ زندگی کہ کس لمحے میں وہ اس کے دل میں داخل ہوئی۔ لمبے گھنے کھلے بال اس کے شانوں پر بکھرے ہوئے تھے۔ صالحہ کا ایک ہاتھ وجدان کے شانے پر تھا جب اس نے سختی سے پکڑ رکھا تھا۔ یکدم صالحہ کو وجدان کا چہرہ اپنے چہرے کے بہت قریب محسوس ہوا۔ وجدان نے اس کی بند آنکھوں کو باری باری چوما۔ اچانک کسی نے نیچے سے صالحہ کو آواز دی۔ وجدان چڑ کر پیچھے ہٹا۔

"مجھے نیچے بلا رہے ہیں۔ میں جا رہی ہوں"۔ وہ ہنس کر دروازے کی جانب بڑھنے لگی۔

"رومینس کا بیڑا غرق کر دیا"۔ وہ چڑ ہی تو گیا تھا۔ اس کی بات پر صالحہ زور سے ہنسی تھی۔

"اور ہاں صالحہ! میں رات صوفے پر نہیں سوؤں گا اور کتنی اچھی بات ہے نا۔ اس کمرے میں صوفہ ہے ہی نہیں"۔ وہ مسکراہٹ لبوں پر چپکاتا ہوا بولا تھا۔ صالحہ شرم کے مارے وہاں سے بھاگ نکلی۔ وہ پیشانی کھجاتا مسکرانے لگا۔

---★★---

"ثریا"۔ وہ اس کے پیچھے آیا تھا۔ ثریا کچن میں حویلی کی عورتوں کے ساتھ کھانا بنا رہی تھی۔

"جی"۔ اس نے شمیلہ بھابھی کے آگے کٹی ہوئی سبزیاں رکھیں اور چولہے کے قریب چلی آئی۔

"آپ نے جواب نہیں دیا؟"۔ اس کے سوال پر ہانڈی میں چمچ چلاتی ثریا نے مڑ کر اسے دیکھا۔ شاہ زل ویسے ہی کھڑا رہا۔ اس نے شاہ زل کو ایک تیز گھوری سے نوازا۔ بھلا حویلی کے افراد کے سامنے پوچھا جانے والا سوال تھا یہ؟۔

"ایسے کیا گھور رہی ہیں؟"۔ اس نے پھر سے جان بوجھ کر بلند آواز میں سوال کیا۔ ثریا کی تو آنکھیں ہی حیرے سے پھٹ گئی تھیں۔

"کیا مطلب ہے آپ کا شاہ زل صاحب"۔ اس نے دانت پیسے۔ شمیلہ چچی بے ماتھے پر بل ڈال کر شاہ زل کو دیکھا۔ صالحہ کرسی پر بیٹھی لسی کے لیے دہی پر کام کر رہی تھی۔

"اس کو کام کرنے دو شاہ زل"۔ شمیلہ چچی نے ٹوکا۔ شاہ زل نے بھنویں اچکائیں۔

"اہا چچی اس لڑکی نے میرا جینا حرام کیا ہوا ہے"۔

صالحہ نے نگاہ اٹھا کر بولتے شاہ زل کو دیکھا۔

"مجھے تو پہلے سے شک تھا خیر"۔ صالحہ نے گفتگو میں حصہ لیا۔

"ہائے ہائے میری بہن کتنے عرصے بعد حویلی آئی ہے اور اسے کچن کے کاموں پر لگا دیا۔ ویسے استانی جی ٹھیک کہا نا ثریا کے بارے میں"۔ وہ اس کے سامنے والی کرسی پر آ بیٹھا۔ صالحہ کھلکھلائی۔

"بلکل ٹھیک۔ اس لڑکی کی شادی کرا دو"۔ وہ ثریا کو ترچھی نگاہوں سے دیکھ کر بولی۔ ثریا نے جھٹکے سے مڑ کر صالحہ کو دیکھا۔

"اب حادثاتی طور پر آپ کی شادی ہو گئی ہے اس کا مطلب یہ نہیں کہ سب کی گوٹی گرائی جائے"۔ وہ تڑخ کر بولی۔ شاہ زل اور صالحہ کا قہقہہ گونجا۔

"مگر میری تو نہیں ہوئی"۔ شاہ زل نے افسوس میں سر نہیں میں ہلایا۔

"تو کر لیں آپ بھی!"۔ وہ جلد بازی میں بول گئی مگر جلد ہی اسے پچھتانا پڑا۔

"میں تو تیار ہوں آپ جب "قبول ہے" بولیں"۔ وہ لب کو کنارے سے دانتوں سے کاٹتا مسکراہٹ چھپاتے ہوئے بولا۔ ثریا سرخ ہوئی۔ اس نے خاموش رہنے میں عافیت سمجھی۔

"میں اماں کو جلد تائی کے پاس بھیجنے لگا ہوں اور یاد رکھیے گا ثریا۔ میں انکار نہیں سنوں گا"۔ لہجہ خطرناک حد تک سنجیدہ تھا۔ ثریا کے لبوں پر مسکراہٹ پھیلی۔ وہ خاموش رہی البتہ ہانڈی میں چمچ گھماتے ہوئے مبہم سا مسکرائی ضرور تھی۔

"میں جب سے آئی ہوں مجھے رفاہ نظر نہیں آئی؟۔ حیرت ہے وہ میرے سامنے بھی نہیں آئی؟"۔ صالحہ کو یکدم یاد آیا تو حیرانی سے پوچھ بیٹھی۔ ثریا نے گہری سانس خارج کی۔

"وہ حویلی چھوڑ کر اپنے گھر جا چکی ہے"۔ وہ شاید اس کی آمد سے بے خبر تھی۔

"نہیں! وہ آچکی ہے۔ کمرے میں ہوگی"۔ شاہ زل نے بات کی تصحیح کی۔ ثریا نے ہانڈی پر ڈھکن لگایا۔

"کیا یہ سچ ہے؟"۔ وہ حیران تھی جبکہ صالحہ الجھے دماغ سے دونوں کو باری باری دیکھ رہی تھی۔

"جی ثریا"۔جواب کچن میں آتی رفاہ نے دیا تھا۔ "اسلام علیکم صالحہ باجی"۔ وہ ثریا کے گلے لگنے کے بعد صالحہ کے گلے سے لگی تھی۔ ثریا ایک دم خوش ہوئی تھی۔

"اچھا لگا تم لوٹ آئی"۔ وہ مسکرائی۔ صالحہ نے ثریا کی بات ختم ہونے کے بعد رفاہ کو دیکھا۔

"کیا مطلب تم ہمیشہ کے لیے حویلی چھوڑ کر چلی گئی تھی؟"۔

"شاید۔ لیکن اب ایسا نہیں ہوگا"۔ رفاہ کے کہنے پر سب نے باری باری اسے دیکھ کر اثبات میں سر ہلایا تھا۔

www.urdunovelsmania.com

"قسمت اچھی ہے کہ شرجیل ویراں کل لوٹ آئیں گے"۔ ثریا کے بتانے پر وہ مبہم سا مسکرائی تھی۔ شاید یہی وقت تھا قسمت آزمانے کا۔۔۔

۔۔۔★★۔۔۔

رات کے کھانے پر حویلی کی بڑی میز سجی تھی۔ حویلی کے تقریباً تمام لوگ میز کے ساتھ لگی کرسیوں پر بیٹھے تھے۔ خوش گپیوں میں مصروف پورا خاندان ساتھ کھانا کھا رہا تھا۔

"ہمیں بہت خوشی ہے صالحہ کہ تم آہستہ آہستہ اپنے سارے خواب مکمل کر رہی ہو"۔ شمیلہ چچی کے چہرے سے خوشی جھلک رہی تھی صالحہ نے گردن پھیر کر مسکراتے وجدان کو دیکھا۔

"تمہارا بہت شکریہ وجدان! ہماری صالحہ واقعی قسمت والی ہے کہ اسے تم جیسا شوہر ملا"۔ کبیر نے اپنی بیٹی کی قسمت پر رشک کیا تھا۔ مسکراتے وجدان کی مسکراہٹ کو بریک لگا۔

"ارے نہیں انکل۔ یہ تو میرا فرض ہے"۔ اس نے اپنے سینے پر ہاتھ رکھتے ہوئے دل سے کہا تھا۔

افشاں نے وجدان کے سر پر محبت سے ہاتھ پھیرا۔ صالحہ کھل کر مسکرائی تھی۔ کھانے کے بعد سب اپنے اپنے کمروں میں چل دیے۔ کل کا دن بہت مصروف گزرنے والا تھا یہ سوچ کر سب نے ہی جلدی سونے کا ارادہ رکھا ہوا تھا۔ وہ صالحہ کا کمرے میں آنے کا

انتظار کر رہا تھا۔ نگاہیں بھٹک کر الماری پر پڑیں تو اسے صالحہ کا وہ تصویر الماری میں چھپانا یاد آگیا۔ وہ الماری کا پٹ کبھی نہ کھولتا اگر وجدان کو صالحہ کا سہمنا یاد نہیں آتا۔ اسے زیادہ تلاش کرنا نہیں پڑا تھا۔ وہ تین حصوں میں بٹی ہوئی تصویر اسے صالحہ کے سامان کے نیچے سے مل گئی تھی۔ اس نے جلدی سے ان ٹکڑوں کو جوڑا اور پلٹ کر اس کے پیچھے قلم سے کچھ لکھا ہوا دیکھ کر پڑھنے لگا۔

"صالحہ ارحم بٹ"۔ ہونٹوں نے جنبش کی اور وہ ساکت رہ گیا۔ یہ تین لفظ تصویر کی پشت پر لکھے تھے "ارحم بٹ یعنی صالحہ کا سابقہ منگیتر"۔ اس کے لب بے ساختہ ہلے۔ ماتھے پر فوراً بل نمودار ہوئے۔ ابھی وہ کچھ کرتا ہی کہ پیچھے سے دروازہ بند ہونے کی آواز آئی۔ وہ مڑا تو صالحہ نے اس کے ہاتھوں میں وہ تصویر دیکھی جو وہ خود چھپا کر گئی تھی۔ سانسیں سینے میں چڑھ گئیں۔ وجدان نے کچھ کہے بغیر وہ تصویر میز پر رکھی اور دروازہ کھولتا اسے تنہا چھوڑ کر باہر نکل گیا۔ صالحہ کو محسوس ہوا جیسے وہ پتھر کی بن گئی ہو۔ ایک آنسو آنکھ سے نکلا اور گال پر بہنے لگا۔ ابھی تو بہار آنی تھی، ابھی تو زندگی میں دھنک باقی تھی۔ وہ اس کے پیچھے بھاگی۔ سب سو چکے تھے۔ حویلی اندھیرے میں گھری تھی۔ وہ نہیں جانتی تھی وہ کہاں گیا ہوگا۔ اندازے سے وہ باغ میں داخل ہوئی تو وہ اسے درخت کے نیچے بینچ پر بیٹھا نظر آیا۔

دھیرے قدموں سے ڈولتے دل کو سنبھالتی وہ اس کے بلکل قریب آئی۔ وہ موبائل پر جھکا موصول ہوا کوئی میسج پڑھ رہا تھا۔

"وجدان"۔ ہونٹ لرزنے لگے۔ اسے یہ جان کر کیسا لگا ہوگا کہ اس کی بیوی اس سے پہلے کسی اور سے محبت کرتی تھی۔ دل کی دھڑکنیں لمحوں کے حساب سے چل رہی تھیں۔ وہ اسے دیکھ ہی نہیں رہا تھا۔ بے تاثر چہرے سے بیگانگی برت رہا تھا۔

"ارحم مم۔ میرے سابقہ منگیتر تھے۔۔۔"۔ اب چھپا کر کیا کرنا تھا یہ سوچ کر وہ خود سے ہی بول پڑی۔ وہ بے حرکت پہلے جیسا ہی بیٹھا رہا۔ ارحم کے ذکر پر اس کی خود کی حالت غیر ہونے لگی۔

"کھیت اور زمینوں کے معاملے میں دشمنی پیدا ہوگئی تھی اور۔۔۔ ان کے ایک شخص نے ارحم کو قتل کر دیا۔۔۔"۔ وہ ٹھہر کر آنسو ضبط کر کے بتا رہی تھی۔ نگاہ اٹھا کر دیکھا تو وجدان ابھی بھی بے حس و حرکت سر جھکائے موبائل پر نظریں مرکوز کیا ہوا تھا۔

"آپ جواب کیوں نہیں دے رہے؟"۔ اس کی بے حسی پر وہ روہانسی ہوگئی۔ بھلا کوئی اتنی بھی لاتعلقی برتتا ہے؟۔

"وجدان کیا اس بات پر ہمارا رشتہ خراب ہوگا؟"۔ دور لگے مدھم بلب کی ملگجی سی روشنی میں اگر وہ نگاہ اٹھاتا تو رخسار پر بہتے اس کے چمکتے آنسو دیکھ پاتا۔ صالحہ کو غصہ چڑھنے لگا۔

"کیا آپ کو حید رویراں نے میری پہلی منگنی کے بارے میں نہیں بتایا تھا؟۔ وجیہہ نے تو بتایا ہوگا۔ میں مان ہی نہیں سکتی کہ آپ اس بات سے لاعلم رہے ہوں گے"۔ وہ بلند آواز میں روتے ہوئے بولی۔ لہجہ انتہائی مضبوط تھا۔ وجدان نے سر اٹھا کر اسے دیکھا۔

"ہر کسی کو محبت ہوتی ہے اور مجھے بھی تھی۔ ماننے کی بات کی جائے تو میں یہ بھی نہیں مان سکتی کہ آپ نے اپنی زندگی میں کبھی محبت نہ کی ہو۔۔۔ ہر انسان کرتا ہے اور یہ ایک فطری عمل ہے۔ آپ سے پہلے کیا میری زندگی رکی ہوئی تھی؟۔ نہیں نا؟۔ یا پھر میں آپ کے آنے کا انتظار کررہی تھی کہ محبت کر سکوں! محبت بتا کر نہیں ہوا کرتی وجدان قریشی! محبت خود سے ہوتی ہے۔ راہ چلتے شخص سے جو ہو جائے وہ بھی محبت ہی ہوتی ہے"۔ وہ اس پر چیخ رہی تھی اور وجدان اسے ٹکر ٹکر تک رہا تھا۔

"کیوں خاموش بیٹھے ہیں بولتے کیوں نہیں"۔ جواب نہ ملا تو وہ جھنجلا گئی۔

"دیکھ رہا ہوں"۔ وہ آہستہ آواز میں بولا۔

"کیا دیکھ رہے ہیں؟"۔ اس کی آواز قدرے بلند تھی۔ صالحہ کے اس سوال پر اس نے کچھ کہنا مناسب نہیں سمجھا۔

"رشتہ ختم کرنے کا تو نہیں سوچ رہے؟"۔ بمشکل اس نے الفاظ ادا کیے تھے۔ "اگر سوچ رہے ہیں تو مجھے زیادہ افسوس نہیں ہوگا۔ جانتے ہیں کیوں؟۔ کیونکہ ایک تو یہ کہ میں صالحہ

ہوں! میری نیت میرے اللہ کے سوا صرف وہ جانتے ہیں جو میرے اپنے ہیں۔ دوسرا یہ کہ حال میں بیٹھی ہوئی صالحہ اپنا ماضی بدل نہیں سکتی"۔ آنسوؤں کے بہتے دریے کے درمیان اس کے لیے کہنا محال ہو رہا تھا۔ وجدان کے ماتھے پر بل نمودار ہوئے۔

"کیا اول فول بولی جا رہی ہیں؟۔ میں نے کچھ کہا آپ سے؟۔ کوئی سوال کیا؟۔ خود سے سب کچھ جلدی اخذ نہیں کیا کریں"۔ لہجہ یکدم سخت ہو گیا تھا۔ وہ صالحہ کو ڈرا ہی تو گیا تھا۔ وہ اسے پہلے دن والی ڈری سہمی صالحہ لگ رہی تھی۔

"آپ نے کچھ کہا ہی تو نہیں"۔ وہ ہچکیوں کے درمیان بولی۔

"اور صحیح کہا آپ نے! محبت سب کو ہوتی ہے۔مجھے بھی ہوئی تھی کسی زمانے میں بھورے بالوں والی لڑکی سے۔۔۔"۔ لہجہ یہ کہتے اب سخت نہیں تھا البتہ سنجیدگی ہر لفظ سے ٹپک رہی تھی۔ صالحہ کا دل رک سا گیا۔

"کک۔کون تھی وہ؟"۔ ہکلاتے ہوئے پوچھا۔

"میں بتانا پسند نہیں کرتا کیونکہ میں ماضی کو دہرانا نہیں چاہتا۔۔۔ آپ کے ساتھ جب زندگی شروع کی تو سب کو پسِ پشت رکھ دیا تھا"۔

صالحہ سن کھڑی اس کی باتیں سن رہی تھی۔

"مگر نام تو بتا سکتے ہیں"۔

"کیا میں نے آپ سے ارحم کا نام پوچھا تھا؟"۔ بس ایک دفعہ کہیں سے سنا تھا جسے فوراً خیالوں سے رفع دفع کردیا تھا"۔ اس کے سختی سے کہنے پر صالحہ کے رخسار پر موٹے آنسو بہنے لگے۔ وہ پل بھر میں لب بھیچ گیا۔ اس کے دونوں ہاتھوں کو تھام کر اسے خود سے قریب کیا۔

"اذیت ایسے ہی دے دیں مگریوں روکر میرے دل پر چیرا نہ لگائیں خدارا"۔ باری باری اس کے ہاتھوں کو چوم کر آنکھوں پر عقیدت سے لگائے۔ وہ اس کی محبت پا کر اور زیادہ رونے لگی۔

"آپ ناراض ہیں مجھ سے"۔ وہ بتا رہی تھی شاید۔۔۔

"نہیں میں ناراض نہیں ہوں صلہ۔۔۔ آپ نے جو مجھے ارحم کی کہانی سنائی میں سب کچھ پہلے سے جانتا ہوں۔ کچھ بھی میرے لیے نیا نہیں ہے"۔ اس کے تاثرات بحال ہوئے تھے۔

"یعنی آپ خفا نہیں ہیں؟"۔

"کس بات پر خفا ہوں گا حالانکہ کوئی بات ہی ایسی نہیں"۔ مبہم سی مسکراہٹ لبوں پر پھیلی۔

"تو یوں کمرے سے کیوں چلے آئے؟"۔

وہ لب بھینچ گیا۔

"یہ دیکھنے کہ آپ میری فکر میں پیچھے آتی ہیں یا نہیں"۔

"بھلاایسا بھی کوئی کرتا ہے؟"۔ اس نے بھنویں آپس میں ملائیں۔ وجدان ہنس پڑا۔ ٹھنڈ کا احساس بڑھ رہا تھا۔ رات گہری تھی اور ٹھنڈ بڑھ چکی تھی۔ اب باقاعدہ بات کرتے ہوئے منہ سے دھواں نکلتا محسوس ہو رہا تھا۔ ٹھنڈ کے باعث صالحہ کو اچانک چھینکے شروع ہوگئیں۔ وجدان نے فکرمندی سے آنکھیں سکیڑیں۔ دونوں ہاتھ اب بھی وجدان کے ہاتھوں میں دبے تھے۔ اس نے صالحہ کو اپنے اور قریب کیا۔

"آئیں کمرے میں چلتے ہیں"۔ وہ اٹھ کر اس کو خود سے لگا تا کمرے میں لے جانے لگا۔ صالحہ غصے میں اس کے سینے پر دباؤ ڈال کر پیچھے ہٹی۔ وہ اسے پکڑ لیتا اگر وہ بدک کر پیچھے نہ ہٹتی۔

"مجھے نہیں جانا اب کمرے میں۔۔۔ آپ جانتے ہیں میں کتنا ڈر گئی تھی آپ کے یوں بنا کوئی بات کیے جانے سے؟۔ اب میں بھی نہیں جاؤں گی۔۔۔ آپ چلے جائیں اب کمرے میں"۔ ایک ناراض نگاہ اس پر ڈال کر وہ واپس آکر بینچ پر بیٹھ گئی۔ سردی اسے کانپنے پر مجبور کر رہی تھی مگر وہ ایسے ماننے بھی نہیں والی تھی۔ وجدان تیزی سے اس کے قریب آیا۔

"سردی بہت ہورہی ہے صالحہ! ٹھنڈ لگ جائے گی۔ اچھا میں مانتا ہوں میں نے غلط کیا مگر آپ اس وقت مجھے تکلیف دے کر اچھا کررہی ہیں؟"۔ وہ بات مکمل کرکے اس کے جواب کا انتظار کرنے لگا۔ وہ منہ پھیرے جواب میں کچھ نہ بولی۔ وجدان کے ماتھے پر بل نمودار ہوئے۔

"مجھے غصہ آجائے گا صلہ"۔ وہ سنجیدگی کے آخری حدوں پر تھا۔ صالحہ نے سر اٹھا کر اسے دیکھا جو اسے ہی گھور رہا تھا۔

"اچھا تو کیا کریں گے پھر؟"۔ وہ جان گئی تھی اسے کیسے قابو کرنا ہے۔ وجدان نے بڑھ کر اپنا ایک پاؤں صالحہ کے برابر بینچ پر اٹھا کر ٹکایا۔ وہ مکمل اسے گھیرے کھڑا تھا۔

"اگر مجھے غصہ آگیا تو میں۔۔۔"۔ وہ جان بوجھ کر بات ادھوری چھوڑ گیا۔ چہرے کے تاثرات خطرناک حد تک بگڑ چکے تھے۔ صالحہ کے دل میں خوف پیدا ہوا۔

"ت۔ تو کیا؟"۔ بمشکل منہ سے نکلا۔ وجدان نے اپنا چہرہ اس کے چہرے کی جانب جھکایا۔ خاموشی کا وقفہ طویل ہوا تو خوف بھی بڑھنے لگا۔ اس نے آنکھیں سہم کر میچ لیں۔ لمحہ نہیں گزرا تھا کہ صالحہ کی چیخ سے خاموش فضا میں شور پیدا ہوا۔ وجدان اسے گود میں اٹھا چکا تھا۔

"تو میں گود میں اٹھا کر خود کمرے تک لے جاؤں گا"۔ شرارت سے کہتا وہ اسے دیکھ کر آنکھ دبا گیا۔ صالحہ کی دھڑکنوں کی رفتار تیز ہوئی۔

"یہ کیا کر رہے ہیں کوئی دیکھ لے گا وجدان"۔ وہ رو دینے کو تھی۔

"تو دیکھ لے بھئی اچھا خاصا محبت میں تڑپایا گیا شوہر ہوں"۔ وہ ہنس کر کہتا وہ لاؤنج سے اندر داخل ہوا۔ چاروں طرف خاموشی اور اندھیرے کا راج تھا۔

"مجھے زمین پر اتاریں میں وعدہ کرتی ہوں خود چلتے ہوئے کمرے تک جاؤں گی پکا"۔ وہ چیخے مارتی گڑگڑانے لگی۔

"آج آپ کو اٹھایا تو اندازہ ہوا کہ آپ میرے آفس جانے کے بعد دوبارہ ناشتہ کرتی ہوں گی یقیناً"۔ اس کے تاثرات سے لگ رہا تھا جیسے صالحہ بہت بھاری ہو۔۔۔

"میں موٹی تو نہیں"۔ وہ اسے گھور کر بولی۔ اس کا ایک ہاتھ وجدان کے شانے پر تھا جس کی وجہ سے وجدان کو تکلیف ہو رہی تھی۔ وہ اس کا کندھا پکڑی ہوئی نہیں تھی بلکہ دبوچی ہوئی تھی۔

"ہاں بس ذرا جلدی تک کمرے میں پہنچ جائیں ورنہ میری کمر ٹوٹ جائے گی۔۔۔"۔ وہ اب سیڑھیاں چڑھ رہا تھا۔

"اب ذرا کم بولیں کیونکہ آپ بہت بھاری ہیں اور ذرا بھی ہلی جلیں تو آپ سمیت میں بھی گروں گا"۔ اس کی بات میں ستر فیصد مبالغہ آرائی شامل تھی۔ وہ جانتی تھی وہ محض اسے چھیڑ رہا ہے۔ نجانے صالحہ کو کیا ہوا وہ اس کا چہرہ تکنے لگی۔ ہلکی ہلکی بڑھی ہوئی شیو میں وہ بہت اچھا لگ رہا تھا۔ لب بھینچنے پر گہرے ڈمپل چہرے پر عیاں تھے۔ کھڑے نین و نقش والا وہ شخص اس کا شوہر تھا۔ اللہ نے اسے بہترین مردوں میں سے ایک مرد سے نوازا تھا۔ وہ جتنا شکر کرتی اتنا ہی کم تھا۔ وہ بھی کچھ نہ بولی۔ وجدان تیزی سے سیڑھیاں چڑھ رہا تھا۔ صالحہ نے آنکھیں میچ کر اس کے سینے پر سر رکھ لیا۔ وہ حیران ہوا تھا اس کے انداز پر۔۔۔ اسے یقین تھا کہ اس کی زندگی میں بہار آنے سے کوئی نہیں روک سکتا۔۔۔

---★★---

رات کے تین بج رہے تھے۔ صالحہ اور وجدان کی آوازیں جائے نماز پر بیٹھی افشاں کو واضح سنائی دیں تھیں۔ یہ آوازیں ان دونوں کے کمرے سے آ رہی تھیں۔ صالحہ شاید کھلکھلا رہی تھی اور وجدان اسے کچھ بتا رہا تھا۔ ابھی کچھ دیر قبل اسے باغ سے صالحہ کی چیخنے کی آوازیں بھی آئی تھیں۔ افشاں کا دل کٹ گیا تھا۔ وہ نیچے اتر کر اس کے پاس جانا چاہتی تھی مگر یہ سوچ کر رک گئی تھی کہ یہ میاں بیوی کا معاملہ ہے۔ اس وقت نجانے وجدان اسے ایک برا شوہر محسوس ہوا تھا۔ مگر یہ بھی محض خیال ہی رہا۔ وہ ایک بہترین شوہر تھا وہ یہ

جان گئی تھی۔ اب کی بار دونوں کی ہنسی کی آوازیں پہلے کے مقابلے میں زیادہ بلند تھی۔ اس کے لبوں پر مسکراہٹ پھیلی۔۔۔ صالحہ خوش تھی یہ سوچ کر افشاں کو بھی خوشی ہو رہی تھی۔ افشاں کا کمرہ صالحہ کے برابر والے کمرے میں سیٹ کیا گیا تھا۔ کل اس کا نکاح تھا اور پھر شام تک رخصتی انجام پانی تھی۔ وہ اس حویلی کو چھوڑ کر جانے والی تھی۔ وہ کوئی نو عمر لڑکی نہیں تھی جس کے دل کی دھڑکنیں اپنی شادی کا سن کر بے ربط چلنے لگیں، جو خواب بننے لگے اور حیا سے سرخ ہو جائے جب جب اپنے ہونے والے شوہر کا نام سنے۔ وہ سوچ رہی تھی کاش اس کے پاس زبان ہوتی۔۔۔ تو وہ دنیا کے سامنے چیخ کر کہتی کہ میری زندگی کے وہ پل لوٹاؤ جسے میں نے تم ظالموں کے ظلم پر ایک اندھیرے میں گزارے۔۔۔ ہاں اسے خوشی تھی کہ وہ اب بشارت حسین کی بیوی بننے والی ہے مگر اب وہ بات نہیں رہی تھی۔ وہ مچلتے جذبات نہیں تھے۔ وہ سوچنے لگی کہ وہ کل کیسی دلہن لگے گی؟۔ جس کے چہرے پر ہلکی جھریاں ہوں گی، جس کے بال پانچ فیصد بال سفید ہوں گے، جو بے زبان ہو گی۔۔۔ بھلا وہ جچے گی شادی کے جوڑے میں؟۔ بڑھاپے کی طرف جانے والی عورت شادی کے جوڑے میں بیٹھی نو عمر لڑکی بننے کی کوشش کر رہی ہو گی۔ اب تو کھلنے کی عمر اس کے بھتیجے بھتیجیوں کی تھی۔۔۔ جیسے صالحہ یا شرجیل۔۔۔ اس شخص کا نام افشاں کے نام کے آگے لگنے جا رہا تھا جسے اس نے اپنی جوانی سے مانگا تھا۔ اب اللہ اس

شخص سے اس کو نواز ہی رہا ہے تو وہ کیوں ناشکرا پن کرے؟۔ اس نے سنا تھا کہ بشارت اس کا علاج کروانے شہر لے کر جائے گا۔ وہ گہری سانس خارج کرتی جائے نماز سے اٹھ کھڑی ہوئی۔ اس کا کل نکاح تھا اور رات بہت گہری ہو گئی تھی۔ اسے اب سوجانا چاہیے۔ وہ بستر پر بیٹھی اور پھر لیٹ گئی۔ آنکھیں موندیں مگر نیند نہ آئی۔ اس نے آنکھیں کھولی نہیں۔۔۔ بس بند ہی رکھیں کہ نیند بھی آ ہی جائے گی۔

۔۔۔★★۔۔۔

"نکاح کتنے بجے ہے؟"۔ لرزی ہوئی آواز کانوں پر پڑی تو وہ لالٹین لے کر اس بوڑھے وجود کی جانب آئے۔

"ابا جان بعدِ نمازِ ظہر۔ میری خواہش ہے کہ آپ بھی شامل ہوں مگر آپ چل نہیں سکتے"۔ دکھ چہرے پر واضح تھا۔

"کوئی بات نہیں۔۔۔ بیٹے۔۔۔ میری بہو سے مجھے ضرور ملوانا جب گھر لے آؤ"۔ وہ ایک باپ تھا جو بستر پر لیٹا بیٹے سے خواہش کا اظہار کر رہا تھا۔ شاہ جی مسکرائے۔

"کیوں نہیں ابا"۔ لالٹین میز پر رکھ کر وہ ان کا کمبل ٹھیک کرنے لگے۔

"کب آؤ گے اب؟"۔ کمزور نگاہیں اپنے بیٹے پر ڈالیں۔ یہ آنکھیں اس کو دیکھنے کے لیے کب سے تڑپ رہی تھیں۔

"کل شام تک آجاؤں گا ابا۔۔۔ ہمیشہ کے لیے۔۔۔ آپ کے پاس! پھر کہیں نہیں جاؤں گا بس آپ کی خدمت کروں گا۔۔۔ تھک گیا ہوں اتنا طویل عرصہ اس حویلی میں گزار کر۔۔۔ میرا مقصد اور میری دعائیں قبول ہو چکی ہیں اب وہاں کیا ٹھہرنا ابا۔۔۔ اب تو بس اپنے گھر میں رہوں گا"۔ وہ باری باری ان کے دونوں ہاتھ چوم کر بولے۔ بوڑھا لاچار آدمی ایک دم مسکرایا۔ آنکھوں میں چمک پیدا ہوئی۔ اس سے بڑی اور کیا خوشی کی بات ہو سکتی تھی۔

"میں انتظار کروں گا بشارت"۔ وہ اس کا ہاتھ مضبوطی سے پکڑتے ہوئے بولے۔ بشارت نے محبت میں ان کی پیشانی چومی۔

۔۔۔★★۔۔۔

صبح کے سات بج رہے تھے جب وہ گاؤں واپس جانے کے لیے گاڑی چلا رہا تھا۔ بیک مرر سے اس نے پچھلی سیٹ میں رکھا شاہ جی کا سوٹ دیکھا اور نگاہیں پھر سے آگے کرلیں۔ اسے جلد سے جلد حویلی پہنچنا تھا۔ سڑکیں ٹریفک سے خالی تھیں۔ وہ سکون سے گاڑی چلا رہا تھا۔ موسم بہت خوبصورت تھا۔۔۔ اس کے راستے میں ایک قبرستان پڑتا تھا۔ وہ قبرستان کے پاس سے گزرنے لگا تو اندر موجود قبریں نظر آنے لگیں۔ وہ آگے بڑھ جاتا اگر کسی کو یاد کر کے رکتا نہیں۔۔۔ گاڑی کو یکدم بریک لگے اور اس کا سر اسٹیئرنگ پر

لگتے لگتے بچا۔ اس نے گہری سانس خارج کرتے ہوئے اسٹئیرنگ کو پھٹتی آنکھوں سے دیکھا۔ دل میں ایک تکلیف اٹھی۔ کوئی اپنا یہاں رہتا تھا۔ اس سے بہت دور ایک لڑکی یہاں رہا کرتی تھی۔ جانے کس کوتاہی پر ماری گئی تھی اس کی باجی۔ وہ تیزی سے گاڑی سے اترا اور قبرستان کے گیٹ کو عبور کرتا قبر ڈھونڈنے لگا۔ "شرجیل مجھے لگتا ہے وہ مجھے مار دے گا"۔ ایک آواز اس کے کانوں میں گونجی تھی اور آنکھ سے نکلنے والے آنسو کو وہ روک نہیں پایا تھا۔ وہ ساری فون کالز اسے یاد تھیں۔ دوسری قبروں کے برابر سے نکلتے ہوئے وہ ایک پکی قبر کے پاس آیا تھا جس پر بڑا بڑا فضیلہ اور اس کے ساتھ چچا کا نام لکھا تھا۔

"شرجیل مجھے لگتا ہے میری روح کہیں دفن ہوگئی ہے۔۔۔ بس باقی یہ تو جسم"۔ وہ آنسوؤں سے روتے ہوئے جھٹکے سے اس قبر کے پاس بیٹھا۔ آنسو تھے کہ بس بہے جا رہے تھے۔ اس نے دونوں ہاتھوں سے چہرہ رگڑا۔ فاتحہ پڑی اور پھر سے بیٹھ گیا۔ قبر کی مٹی شرجیل کے کپڑوں پر لگ گئی۔ اس نے موبائل نکال کر بہت پرانی ریکارڈنگز نکالیں جو اس نے اپنے پاس محفوظ کی ہوئی تھیں۔ وہ بہت سارے ریکارڈنگز تھی جسے وہ باری باری کر کے سن رہا تھا۔

"ہیلو؟۔ شرجیل؟۔ دیکھو باجی سے ناراض مت ہو! تم تو جانتے ہو میرا حال۔۔۔ بہت مشکل ہے میرے لیے یہ سب قابو کرنا۔۔۔ تم نے کال کی تھی مگر میں اٹھا نہیں

سکی۔۔۔ دیکھو باجی سے بات کرلو"۔ وہ اسے منا رہی تھی کیونکہ وہ اس سے ناراض تھا۔ ناراضگی بھی محض اس لیے تھی کیونکہ وہ اس سے ملنے گاؤں نہ آسکی تھی۔ روتے روتے اب ہچکیاں بندھ گئیں۔

"شرجیل۔۔۔ تو میرا پرا ہے نا؟۔ تیری بہن داجی کو کبھی معاف نہیں کرنے والی! کبھی بھی نہیں۔۔۔مجھے جہنم میں دھکیل دیا گیا ہے شرجیل۔ انہوں نے اپنے خون کو جہنم میں پھینک دیا شرجیل"۔ فضیلہ باجی کی آواز رندھ گئی تھی۔

"مجھے معاف کردیں باجی"۔ وہ قبر کے سامنے ہاتھ جوڑ کر بول رہا تھا۔ "میں بچا نہیں پایا آپ کو اس درندے سے"۔ روتے ہوئے گڑگڑا کر شرجیل معافی مانگ رہا تھا۔

"تو جانتا ہے نا مجھے سانپوں سے کتنا ڈر لگتا ہے؟۔ گاؤں میں بھی جب تم مجھے ڈرایا کرتے تھے تو میں کتنا رویا کرتی تھی؟۔ وہ شخص اپنے پاس ایک کالا چھوٹا سا سانپ رکھتا ہے۔ تاکہ مجھے ڈرا سکے۔ ایک کمرے میں بند کردیتا ہے اور جب مجھے سانپ سے ڈراتا ہے میری چیخیں نکل جاتی ہیں اور اکثر میں اپنے حواس کھو بیٹھتی ہوں۔ وہ بہت ظالم ہے شرجیل۔ مگر تو میری اماں کو نہ بتانا۔۔۔ وہ مرجائیں گی اگر تو نے انہیں بتایا تو۔۔۔ بہت مشکل سے رخصت کیا ہے مجھے۔۔۔ بہت روئی ہیں وہ اس ظلم پر۔۔۔ داجی کو اس ظلم سے بہت روکا مگر ظالم کسی کی سنتے ہیں؟۔ انہیں سزا صرف اللہ دیتا ہے شرجیل۔۔۔ اور دیکھنا اللہ

بہت جلد پلٹائے گا ظالموں پر اپنا عذاب۔۔۔"۔ ریکارڈنگ اس نے جس دل سے سنی تھی یہ صرف وہ ہی جانتا تھا۔ اس نے قبر کی مٹی مٹھی میں دبائی۔

"میرا جسم خون میں لت پت ہے۔ اس نے مجھے بہت مارا ہے اور اب ایک کمرے میں زمین پر مرنے کے لیے چھوڑ دیا ہے۔ دعا کرو میں مرجاؤں شرجیل"۔ اسے یاد آیا وہ اس بات پر کتنا چیخا تھا کہ وہ ایسی دعا کرنے کو کیوں کہہ رہی ہیں؟۔ وہ رو پڑی تھیں۔ "مرجانے کی دعا نہ کروں تو اور کیا کروں شرجیل؟۔ میں مرجاؤں گی نا تو ان تکلیفوں سے جان چھوٹ جائے گی۔ میں اپنے اللہ کو مرنے کے بعد بتاؤں گی کہ میرے ساتھ اس ظالم شخص نے کیا کیا ہے۔۔۔ میں اپنے خدا کو ایک ایک بات بتاؤں گی شرجیل! بس تم اللہ سے کہنا اپنی فضیلہ کو اپنے پاس بلالے"۔ وہ جانتا تھا وہ کس تکلیف میں یہ سب کہہ رہی ہیں۔ بھلا کوئی عام شخص ایسی باتیں کرسکتا تھا؟۔ وہ کس تکلیف سے گزر رہی تھیں وہ جانتا تھا۔ وہ مر ہی تو گئیں تھیں۔۔۔ نہیں! بلکہ وہ مار ہی تو دی گئی تھیں۔۔۔ اپنے ظالم شوہر کے ہاتھوں وہ قتل ہوگئی تھیں۔

"میری اماں کو کہنا کہ فضیلہ بہت خوش ہے اپنے گھر میں۔۔۔ اس کا شوہر بہت اچھا ہے۔ انہیں نہ بتانا کچھ بھی ورنہ وہ جیتے جی مرجائیں گی۔ ان کے ساتھ اب شجر بھی ہے۔ اگر انہیں کچھ ہوگیا تو شجر کو کون پالے گا؟۔ کہیں وہ بھی رسم و رواج کی بھینٹ نہ چڑھ جائے۔ ماں کا

ہونا بہت ضروری ہوتا ہے۔ میں ایک کمزور عورت ہوں شرجیل! ایک ایسی عورت جو خود کے لیے بھی نہ لڑپائی۔۔۔"۔

وہ نڈھال ہوگیا تھا وہ ریکارڈنگ سنتے سنتے۔

"میں مرجاؤں تو کسی کو قبرستان کا پتہ نہ دینا۔ وہ مجھے ماردے گا اس بات کا مجھے اب یقین ہوگیا ہے۔ نہیں جانتی کہ شہر کے کونسے قبرستان میں جا کر گاڑدے۔ تم جب بھی شہر آؤ مجھے اس سکون والی جگہ میں ضرور ملنے آنا۔۔۔ تم مجھے شہر کے قبرستانوں میں ڈھونڈلو گے شرجیل مجھے یقین ہے"۔ یہ اس کی آخری کال ریکارڈنگ تھی۔ اس کے بعد اس ظالم درندے صفت انسان نے انہیں ماردیا تھا۔ وہ مرگئیں مگر کچھ الفاظ اس کے کانوں میں گونجتے چھوڑ گئیں۔

"میرے مرنے کے بعد وہ شخص مجھے جہاں دفنائے گا اس قبرستان کا پتہ داجی کو نہیں معلوم ہونا چاہیے۔ تم سب کو بتانا کہ تم نے مجھے بہت ڈھونڈا مگر میں نہیں ملی۔۔۔ مجھ سے وعدہ کرو شرجیل! وعدہ توڑنے سے پہلے یہ سوچ لینا کہ تمہاری بہن فضیلہ نے تم سے یہ وعدہ کیا تھا"۔ وہ باتیں، یادیں، ملاقاتیں ذہن میں رہ گئی تھیں۔ اس نے کہا تھا وہ اپنے اللہ کو ایک ایک بات بتائے گی۔ ان کے شوہر کی پچھلے دنوں ٹرک کے نیچے آنے سے اموات ہوگئی۔ یہ خبر جب اسے ملی تو وہ چپ ہوگیا تھا۔ داجی کو جب اللہ نے حکمرانی دی تو وہ

فرعون کی طرح ظالم بن گئے۔ اور جب اللہ نے چھینا تو وہ گاؤں کے سب سے لاچار آدمی بن گئے۔ وہ فضیلہ باجی کی قبر پر حاضری دینے کے بعد ارحم کی قبر پر بھی جائے گا یہ اس نے سوچ لیا تھا۔ کتنے لوگ ظلم سے مر گئے تھے۔۔۔

۔۔۔★★۔۔۔

سورج کی کرنیں جب چہرے پر پڑیں تو آنکھیں چندھیانے لگیں۔ بمشکل آنکھیں کھول کر ارد گرد دیکھا۔ نگاہ برابر میں سوتے وجدان پر پڑی اور پھر اس کے دونوں ہاتھوں میں دبے اپنے ہاتھ پر۔۔۔ وہ لب کاٹنے لگی۔ وجدان کا چہرہ صالحہ کے لمبے کھلے بالوں سے گھرا ہوا تھا۔ دونوں ہاتھوں سے اس کا ہاتھ بھینچ کر اپنے چہرے کے قریب کیا ہوا تھا۔ وہ ہاتھ چھڑانے لگی مگر کامیاب نہ ہو سکی۔ شرم کے مارے گال گلابی ہونے لگے مگر وہ ڈھیٹ سوتا ہوا شخص ملنے کو تیار نہیں تھا۔ اس نے دیوار پر لگی گھڑی دیکھی جو بارہ بجا رہی تھی۔ اس کی آنکھیں حیرت سے پھٹنے لگیں۔ آج افشاں پھپھو کا نکاح تھا اور وہ اتنی تاخیر کر کے اٹھی تھی۔

"یا خدایا"۔ وہ ہڑبڑا کر اسے تھپکنے لگی۔ "وجدان میرا ہاتھ چھوڑیں مجھے جانا ہے"۔ مگر مجال ہے وہ کسمسایا بھی ہو۔ اچانک اسے کوئی خیال آیا اور وہ اس پر عمل کرتی اپنا چہرہ اس کے کان کی طرف لائی۔ "وجدان" یک دم چیخ اس کے کان میں ماری تو وہ ہڑبڑا کر اٹھ بیٹھا۔ "یا

اللہ"۔ کان میں انگلی گھماتا وہ خمار آلود لہجے میں بولا۔ صالحہ نے اپنا ہاتھ ہٹایا اور بستر سے اتر کر زمین پر کھڑی ہوگئی۔

"اللہ خیر کرے۔۔۔ یہ کیا طریقہ ہے مجازی خدا کو اٹھانے کا؟"۔ اسے گھورتا ہوا وہ بہت بے چارگی سے بولا تھا۔

"پھپھو کا نکاح ہے اور جمعہ بھی ہے۔ آپ اب تک سو رہے ہیں۔ میں کپڑے نکال کر استری کر رہی ہوں آپ کے! پہن لے گا"۔ وہ کہتی سوٹ کیس میں سے اپنا اور اس کا جوڑا نکالنے لگی۔ وجدان بستر پر ٹیک لگا کر اسے تکنے لگا۔

"آپ کیا پہن رہی ہیں؟"۔ وہ انگڑائی لیتا ہوا پوچھ رہا تھا۔ صالحہ نے اس کو اپنی گہری ہری فراک دکھائی۔ دس سے پندرہ منٹ میں اس نے وجدان اور اپنا جوڑا استری کر کے بستر پر رکھ دیا تھا۔

"پہلے میں نہانے جاؤں گی پھر آپ جائے گا"۔ اپنے کپڑے بستر سے اٹھاتی وہ واش روم میں گھس گئی۔ اتنے میں دروازے پر کھٹکا ہوا تو وہ تیزی سے بستر سے اتر کر کھڑا ہوگیا۔ شاید کوئی انہیں بلانے آیا تھا۔ وہ خاموش رہا اور کچھ نہ بولا۔ صالحہ واش روم سے نکلی تو وہ اسے آگاہ کرتا ہوا خود واش روم میں گھس گیا۔ اس نے فوراً فوراً کمرہ سمیٹا اور تیار ہونے لگی۔

جب تک وہ واشروم سے نکلا وہ نیچے جا چکی تھی۔ جمعے کی تیاریاں عروج پر تھیں۔ مرد مسجد

میں جانے کو تیار بیٹھے تھے۔ نکاح حویلی میں ہونا طے پایا تھا۔ لاؤنج کے دروازے سے شرجیل داخل ہوا تھا۔

"اسلام علیکم"۔ بلند آواز میں سلام کرتا وہ پہلی فرصت میں صوفے سے ٹیک لگا کر بیٹھ گیا تھا۔

"وعلیکم سلام۔ ویراں آگیا"۔ صالحہ خوش تھی اسے دیکھ کر۔۔۔

"اوہو پھپھو کی چہیتی آگئی ہے"۔ اس نے اوپر سے نیچے تک صالحہ کو دیکھا۔ پرندوں کی چہچہاہٹ ماحول کو اور خوبصورت بنا رہی تھی۔

"میں تو کل شام ہی آگئی تھی"۔ وہ بڑا سا ہرے رنگ کا ڈوپٹہ سر پر پہنی ہوئی تھی۔ "شاہ جی کہاں ہیں؟"۔

"وہ اپنے گھر گئے تھے۔ آتے ہوئے انہیں ان کے کپڑے دے آیا ہوں۔ ان شاء اللہ نماز کے بعد ہی آئیں گے اب"۔ وہ حالات سے مطمئن تھا۔ صالحہ نے اثبات میں سر ہلایا۔

"شرجیل جاؤ نہا دھو آؤ! نماز کو جانا ہے"۔ کبیر صاحب سیڑھیاں اتر کر نیچے آئے۔

"اچھا پھر میں آتا ہوں"۔ وہ صالحہ کو کہتا سیڑھیاں چڑھتا چلا گیا۔

"صالحہ بیٹی وجدان کہاں ہے؟ مسجد کے لیے نکلنا ہے؟"۔ کبیر صوفے پر بیٹھ گئے۔

"ابا میں دیکھتی ہوں"۔ وہ پلٹنے لگی، مگر وجدان کو سیڑھیاں اترتے دیکھ کر رک گئی۔ ظہر کی آذان شروع ہوگئی۔

"چلو میاں اور تمام لوگ بھی آجائیں! مولوی صاحب نماز کے فوراً آجائیں گے۔ شرجیل وضو کرکے خود سے آجائے گا مسجد"۔ کبیر صاحب نے سب کو باری باری آواز لگائی اور لاؤنج کے گیٹ سے باہر نکل گئے۔ صالحہ افشاں کے کمرے میں مڑ گئی۔

---★★---

سرخ فراک پہنی وہ لال جھمکیاں کانوں میں ڈالنے کی کوشش کررہی تھی۔ نیچے چوڑی دار لال پاجامہ اور گولڈن خوبصورت سینڈل اس پر بہت جچ رہا تھا۔ بمشکل جھمکیاں پہنتی اب وہ چوڑیاں پہننے کی تیاری کرنے لگی۔ پلٹ کر بستر سے ڈبہ اٹھانے مڑی کہ کمرے میں آتے شرجیل کی حیرت کا مظاہرہ کرتی آنکھوں کو دیکھ ٹھہر گئی۔ وہ بے یقینی سے اسے تکتا رہا۔ وہ وہیں کھڑی رہی۔ نہ وہ بولا نہ رفاہ نے کچھ کہا۔ شرجیل کے ماتھے پر گہرے بل نمودار ہوئے۔ وہ سوچ رہا تھا کہ رفاہ کب حویلی آئی۔۔۔ تو کیا وہ اس سے طلاق نہیں لینا چاہتی؟۔ یا پھر وہ اپنا فیصلہ بدل گئی۔ ڈوپٹہ شانے پر پھیلا ہوا تھا۔ شرجیل نے سر تا پیر دیکھ کر اس کی طرف سے نگاہیں موڑ لیں۔ شال اتار کر بستر پر پھینکی اور وہ الماری سے کپڑے نکالنے لگا۔ رفاہ نے خود کو نظر انداز ہوتے ہوئے صاف محسوس کیا تھا۔ اس کے کپڑے مٹی لگنے

سے گندے ہو رہے تھے۔ وہ ہر چیز کی پرواہ نہ کرتے ہوئے کپڑے نکالتا واش روم میں گھس گیا۔ وہ وہیں کھڑی رہ گئی۔ دماغ سن رہ گیا تھا۔ وہ کیسے اس سے منہ موڑ گیا تھا۔ مگر یہ سوچ کر خود کو تسلی دی کہ اتنی ناراضگی کا تو اس کا حق بنتا ہی تھا۔

---★★---

افشاں کو نماز پڑھتے ہی تیار کر دیا گیا تھا۔ سفید نگوں والی خوبصورت سی قمیض پر اسی رنگ کا پاجامہ تھا۔ ہلکا گلابی بھاری ڈوپٹہ تھا جو اس پر گھونگھٹ کی طرح ڈالا گیا تھا۔ صالحہ کی نظر کتنی دفعہ دیکھ کر بھی نہیں بھر رہی تھی۔ کنچی آنکھوں والی لڑکی کنچی آنکھوں کو دیکھ رہی تھی۔ میک اپ صرف نام کا کیا تھا کیونکہ اسے میک اپ کی ضرورت بھی نہیں تھی۔ مرد حویلی لوٹے تو نکاح کا شور اٹھا دیا۔ مولوی صاحب آ گئے تھے اور شاہ جی کا انتظار ہو رہا تھا۔

"دلہا کہاں ہے بھئی؟"۔ کبیر نے ماتھے پر ہاتھ مارا۔

"لو جی! وہ ہی نہیں آیا ابھی تو۔۔۔" شبیر ہنسنے لگے۔ صالحہ بھی کھلکھلا دی۔ تقریباً دس منٹ بعد ہی شاہ جی نے لاؤنج کے اندر قدم رکھا تھا۔

"تاخیر تو نہیں کر آیا میں؟"۔ واسٹ کوٹ درست کرتے وہ بہت ہڑبڑی میں لگ رہے تھے۔

"نہیں جی! ہمیں تو لگ رہا ہے نکاح کروانے کی ہمیں ہی جلدی ہے"۔ شرجیل صوفے پر آڑا ترچھا لیٹا ہوا تھا۔

"انسان کا بچہ بن"۔ شاہ جی نے ڈپٹا۔ شرجیل نے مڑ کر اپنے باپ کو دیکھا جو مسکرا رہے تھے۔

"اچھے خاصے انسان کا بچہ ہوں"۔ وہ معصوم قطعی نہیں تھا۔ شاہ نے ایک گھوری سے اسے نوازا۔

"چلو جی نکاح کا آغاز کرتے ہیں"۔ شاہ زل نے بحث و مباحثہ سے بچنے کے لیے کہا۔ اس خوبصورت دن میں ایک خوبصورت جوڑے کا نکاح پڑھایا گیا تھا۔ افشاں سے دستخط اس کے کمرے میں ہی لیے گئے۔ نجانے کیوں ایک دفعہ بھی دستخط کرتے ہوئے اس کا ہاتھ نہیں کانپا تھا۔ شاید اسے معلوم تھا کہ وہ ایک محفوظ ہاتھوں میں جا رہی ہے۔ وہ شخص کبھی اسے رسوا نہیں کر سکتا تھا۔ صالحہ نے افشاں کی پیشانی چومیں۔ آنکھیں چھلک پڑی تھیں افشاں کو دیکھ کر۔۔۔ وہ افشاں بشارت حسین بن چکی تھی۔۔۔

"بہت خوبصورت لگ رہی ہیں آپ پھپھو! میرا دل کر رہا ہے آپ کو بس دیکھتی رہوں! بہت پیاری! بہت خوبصورت! اللہ کے گھر دیر ہے اندھیر نہیں ہے! ساری دعائیں ایک ساتھ قبول ہوگئیں پھپھو"۔ وہ رندھی ہوئی آواز میں کہتی ہوئی پھر سے ان کی پیشانی چومنے

لگی۔ افشاں رونا نہیں چاہتی تھی مگر خود پر قابو نہیں رکھ پائی۔ شمیلہ نے ٹشو سے اس کا چہرہ تھپکا۔

"مولوی صاحب چلے گئے ہیں! افشاں کو باہر لے آؤ"۔ مردوں کی طرف سے موصول ہوا پیغام طلعت لے کر آئی تھیں۔ صالحہ نے ان کے گرد ڈوپٹہ پھیلایا۔ اس کے لیے مردانے میں اب کوئی نا محرم نہیں تھا۔ ایک شوہر تھا اور باقی سب بھائی یا پھر بھتیجے۔۔۔ اسے لاؤنج میں لے آیا گیا تھا۔ پیچھے سے دیکھنے پر معلوم ہوتا تھا کہ جیسے وہ کوئی نو عمر، دبلی پتلی لڑکی ہو۔۔۔ سچ صرف چہرہ دیکھنے سے معلوم ہوتا تھا۔ شاہ جی سامنے صوفے پر بیٹھے تھے۔ نگاہیں نیچی تھی۔ اس نے لاؤنج میں داخل ہوتے ہی ایک نظر بشارت حسین پر ڈالی اور پھر اپنے بھائیوں پر۔۔۔ وجدان بشارت حسین کے صوفے کے پیچھے کھڑا تھا۔ کبیر سمیت سب بھائیوں نے باری باری اسے گلے سے لگایا تھا۔ نم آنکھیں باری باری چھلک رہی تھیں۔ شرجیل نے پھپھو کے دونوں ہاتھوں کو چوم لیا تھا۔ رفاہ پیچھے ہی کھڑی مسکرا رہی تھی۔ سب سے مل کر وہ شاہ جی کے بالکل سامنے والے صوفے پر بیٹھی تھی۔ گہری سانس خارج کرتے ہوئے بشارت حسین نے پہلی بار اپنا حق سمجھتے ہوئے نظریں اٹھا کر اسے دیکھا۔ نگاہیں اس پر پڑیں تو وہ ہٹ نہ سکیں۔ دل زور سے دھڑکنے لگا۔۔۔ افشاں

اپنے بھائی کو دیکھ کر مسکرا رہی تھی اور وہ اپنی بیوی کو دیکھ کر ساکت بیٹھے تھے۔ خوبصورتی کا مجسمہ ان کی نظروں کے سامنے تھا۔

"بشارت! ہم چاہتے ہیں کہ رخصتی شام تک ہو۔۔۔ تاکہ افشاں ہم سے اور ابا جان سے ایک بار پھر مل لے"۔ کبیر نے التجا کی تھی جس پر شاہ جی فوراً مان گئے تھے۔

"جو بہتر لگے آپ کو"۔

"چلو پھر کھانا لگواؤ"۔ انہوں نے بلند آواز میں کہا۔ وجدان کی صالحہ پر نگاہ پڑی تو ٹھہر سی گئی۔

"یا اللہ یہ لڑکی تیار ہو گئی مگر مجھے ایک بار بھی نہیں دکھایا اپنے آپ کو"۔ وہ بڑبڑاتا اس کی جانب بڑھا۔ وہ کچن میں پلٹ رہی تھی جب اس کا ہاتھ وجدان نے پکڑا اور کھینچتا زبردستی باغ میں لے آیا۔

"ایسے کوئی سب کے سامنے ہاتھ پکڑتا ہے کیا؟"۔ وہ مصنوعی غصے میں بولی۔ وجدان نے ایک آئبرو اچکا کر اسے دیکھا۔

"حالانکہ وہ "کوئی" شوہر بھی ہو؟ حد ہوتی ہے ویسے! اتنا تیار ہوئی ہیں اور ذرا توفیق نہیں ہوئی کہ شوہر کو بھی اپنی تیاری دکھا آئیں"۔ وہ لمحے بھر میں شکوہ کر گیا۔ صالحہ نے ہنسی دبائی۔

"میرے شوہر نے کب دکھائی مجھے اپنی تیاری؟"۔ وہ بھی نگاہیں پھیر کر بولی۔ وجدان نے آنکھیں پھاڑ کر اسے دیکھا۔

"میں نے کونسی چوڑیاں پہنی ہیں اور میک اپ کیا ہے؟۔ سیدھا سادھا کرتا شلوار پہنا ہوا ہوں۔ اس میں کیا دکھانا؟"۔ اس کی بات پر وہ کھل کر ہنسی۔ وہ منہ پھیر گیا۔ وہ جان گئی تھی کہ وہ اب اس سے روٹھ گیا ہے۔

"اچھے لگ رہے ہیں آپ"۔ وجاہت سے بھرپور وہ شخص اس کے بلکل قریب کھڑا تھا۔ صالحہ نے اسے رشک بھری نگاہوں سے دیکھا۔ وہ سیدھا ہو کر کھڑا ہوا۔

"سچ میں؟ ہینڈسم لگ رہوں نا؟"۔ وہ اپنے کالر درست کرتا ہوا اس سے پوچھ رہا تھا۔ لبوں پر مسکراہٹ اپنی تعریف پر یکدم پھیلی تھی۔

"آپ کو شک ہے؟"۔ وہ ہنس کر بولی۔

"شک تو نہیں ہے مگر آپ کی منہ سے پہلی بار سنا ہے تو یقین کر رہا ہوں"۔ اس نے اپنے کالر کھڑے کیے۔

"آپ تو اترانے لگے؟ بس اب اتنے بھی اچھے نہیں ہیں آپ!"۔ وہ اس کو عرش سے فرش تک لاتے ہوئے بولی۔

"میرے ساتھ کہیں چلیں گی تو معلوم پڑے گا کہ کتنا عظیم شخص آپ کے حصے میں آیا ہے۔ رشک کریں گی خود پر!"۔ وہ کہنا کیا چاہ رہا تھا۔ اس کی اتراہٹ پر صالحہ نے آنکھیں چندھیا کر اسے دیکھا۔

"مطلب؟؟"۔

"مطلب یہ کہ آپ بہت خوش قسمت ہیں کہ یہ ہینڈسم بندہ آپ کے حصے میں آیا ہے۔ ورنہ لڑکیاں تو۔۔۔"۔ وہ بات مکمل کر لیتا اگر صالحہ بات نہ کاٹتی۔

"پٹ پٹ گرتی رہتی تھیں۔۔۔ لڑکیاں تھیں یا جوئیں؟۔ جو گرتی ہی رہتی تھیں؟۔ ویسے یہ آج کل کے ہر شوہر کا جملہ ہے۔ مطلب ایک آدھ لڑکی کے لڑکوں کو دیکھ کر کیا حواس کھو بیٹھیں لڑکوں کے دماغ آسمانوں پر پہنچ جاتے ہیں"۔ وہ اس کی بات خود مکمل کر گئی۔ وہ آنکھیں پھاڑ کر اسے دیکھتا رہ گیا۔

"ایسی بھی بات نہیں اب! چاہیں تو زید سے پوچھ لیں۔ وہ بتائے گا آپ کو۔۔۔"۔ وہ جھوٹ نہیں بول رہا تھا۔ صالحہ نے خود کو خوش قسمت محسوس کیا۔ اس کی ہر بات سچ تھی۔

وجدان نے اس کا ہاتھ تھام کر لبوں سے لگایا تھا۔

"پہلے تو وہ تمام مرد آجائیں جو شادی شدہ ہیں"۔ لاؤنج کے دروازے پر کھڑے ہو کر شاہ زل نے آواز لگائی تھی۔

"کیوں بھئی؟۔ کون سی سزا منعقد کی ہے شادی شدہ مردوں کے لیے؟"۔ وجدان نے شرارت سے پوچھا تھا۔

"ہماری کہاں جرات وجدان صاحب! آپ کی بیوی کافی ہے"۔ شاہ زل نے ہنسنے ہوئے جواب دیا تھا۔

"جب نکاح نامے پر دستخط کیے تھے اسی وقت عمر قید کی سزا ہو گئی تھی۔ اب کوئی سزا بڑی نہیں لگتی"۔ وہ صالحہ کی طرف ترچھی نگاہوں سے دیکھتا ہوا بولا۔ صالحہ نے اسے گھورا تھا۔

"زبردستی نہیں کی تھی کسی نے! نہیں کرتے دستخط"۔ وہ دونوں ہاتھ کمر پر رکھ کر بولی۔

"بس بس بعد میں لڑیے گا! ابھی ذرا تصویر اتروالیں۔۔۔ ہم شادی شدہ حضرات کی ان کی بیویوں کے ساتھ تصویریں لے رہے ہیں"۔ شاہ زل نے اشارہ کر کے بتایا اور اندر چلا گیا۔ وجدان کے چہرے پر مسرت پھیلی اور اس نے مڑ کر صالحہ کا ہاتھ پکڑا۔

#زنجیر

#عینا_بیگ

#آخری_قسط پارٹ 2

"چلیں پھر تصویریں اترواتے ہیں"۔ وہ اسے کھینچنے لگا مگر وہ جانے کو کسی صورت تیار نہیں تھی۔

"انہوں نے ان حضرات کو نہیں بلایا جنہوں نے نکاح نامے پر دستخط کرنے پر عمر قید کی سزا حاصل کی ہے"۔ وہ چڑ کر بولی۔ وجدان کا قہقہہ جاندار تھا۔ وہ اس کے ہنسنے پر بے چارگی سے نفی میں سر ہلانے لگی۔

"جو شوہر اپنی استانی بیوی کی قدر نہیں کرتے ان کا انجام بہت برا ہوتا ہے"۔ وہ سینے پر ہاتھ باندھتے ہوئے بڑے اطمینان سے بولی۔ وہ اس کے قریب آیا۔

"مگر یہ استانی ایک بزنس مین کی بیوی ہے"۔ اس کی کنچی آنکھوں میں خود کا کھو کر وہ سحر انگیز لہجے میں بولا تھا۔ صالحہ اس کی آنکھوں میں دیکھنے لگی۔

"شوہر چاہے وزیرِ اعظم کیوں نہ ہو! بیوی کے سامنے اس کی پھر بھی نہیں چلتی"۔ وہ ذہین بہت تھی وہ یہ پہلے سے جانتا تھا۔ وہ ہنس پڑا۔

"میں ان کنچی آنکھوں کو خود سے دور نہیں کر سکتا صالحہ۔۔۔"۔ اسے خود سے قریب تر کرتے ہوئے اس کی آنکھوں کے سحر میں پھر سے کھو گیا تھا۔

"کیوں؟"۔ اس کا دل زور سے دھڑکا۔ دل نے خواہش کی کہ وجدان اپنی محبت کا اظہار کردے۔۔۔ پھر وہ بھی بتائے گی اسے کہ وہ وجدان کے بارے میں کیا سوچتی ہے۔ وہ خاموش رہا اور کچھ نہیں بولا۔ صالحہ انتظار کرتی رہ گئی۔ وجدان نے شرارت سے لب بھینچے اور اسے کھینچتا اندر لے جانے لگا۔

"آئیں اندر چلتے ہیں۔ میں چاہتا ہوں ہماری ساتھ کچھ تصویریں ہوں"۔

صالحہ اس کی پشت تکتی رہ گئی۔ وہ شخص اظہار کیوں نہیں کرنا چاہتا تھا؟۔ اس نے ساتھ کھڑے ہو کر بہت سی تصویریں کھنچوائی تھیں۔ سسرالی دعوت میں وہ بہت خوش نظر آرہا تھا۔

دن امید سے زیادہ اچھا گزرا۔ افشاں مسکرا رہی تھی۔ دوپہر گزری اور شام آئی۔ رخصتی کا وقت ہونے لگا تو افشاں کو چادر سے گھونگھٹ اوڑھا دیا۔ باقاعدہ پورے پردے میں اسے گاڑی تک لے جایا گیا تھا۔ صالحہ کی آنکھیں برسنے لگی تھیں۔ اس نے سختی سے وجدان کا ہاتھ پکڑلیا تھا۔ رفاہ باغ کی دیوار کے ساتھ کھڑی افشاں کو رخصت ہوتے دیکھ رہی تھی۔ ہوا کے باعث اچانک اس کی چادر سر سے ڈھلک گئی۔ وہ اس بات سے بے خبر ہی تھی۔

شرجیل لاؤنج سے ہوتا ہوا باغ تک آیا۔ اسے باہر نکلنا تھا مگر تمام عورتیں راستے میں کھڑی تھیں۔ نگاہ بھٹک کر رفاہ کے کھلے سر پر پڑی تو وہ اس کے پاس سے گزرتے ہوئے

اس کے پلو کو اٹھا کر اس کا سر ڈھانپ گیا۔ وہ مڑی مگر تب تک وہ آگے کو نکل گیا تھا۔ چہرے پر وہی بردباری اور سنجیدگی۔ وہ لب بھینچ گئی۔ حیدر افشاں کو گاڑی میں بٹھانے میں مدد دے رہا تھا۔ اسے محسوس ہوا تھا کہ افشاں چادر کے اندر شاید رو رہی ہے۔ اس نے آخری بار اپنی پھپھو کو گلے سے لگایا اور گاڑی میں بٹھا آیا۔ شرجیل کا دل گویا کسی نے مٹھی میں بند کیا ہوا تھا۔ اسے لگ رہا تھا جیسے اس کی پھپھو نہیں بلکہ بہن رخصت ہو رہی ہو۔ بشارت گاڑی میں آگے بیٹھے ہوئے تھے۔ کچھ دیر میں ڈرائیور نے گاڑی آگے بڑھا لی۔ اب نہ کوئی درخت کے نیچے رات کے وقت کھڑے ہو کر اوپر والی منزل کو تکنے والا تھا اور نہ کوئی کھڑکی پر کھڑے ہو کر کسی کی غزل سننے والی تھی۔ وہ دونوں آپس میں مل چکے تھے۔ صالحہ پھپھو کی موجودگی میں روئی نہیں تھی۔۔۔ اسے رونا تب آیا جب وہ اسے رخصت کر کے باغ میں آ کر کھڑی ہوئی۔ وہ روئی تو بس روتی چلی گئی۔ اپنے باپ اور پھر شوہر کے سینے سے لگ کر۔۔۔ وہ اس کی خوشی میں بے حد خوش تھی مگر اس کی کمی ابھی سے محسوس کرنے لگی تھی۔ کبھی نہیں سوچا تھا کہ حویلی میں ایسا دن بھی آئے گا جب عورت کو عزت دی جائے گی۔ وجدان اس کی کمر سہلاتا چپ کروانے لگا۔ اسے سمجھانے لگا کہ اس کی پھپھو اب خوش رہنے والی ہیں۔ اس نے صالحہ سے یہ وعدہ کیا تھا کہ وہ جب بھی کہے گی وجدان اسے ضرور افشاں سے ملوانے لے کر جائے گا۔ اس وعدے پر وہ خاموش ہو گئی تھی۔ شاید

دل کو سکون مل گیا تھا۔ شام بھی گزر گئی۔ رفاہ سونے کے لیے لیٹنے لگی تھی جب شرجیل کمرے میں داخل ہوا۔ اسے دیکھ کر اس نے فوراً سونے کا ارادہ ترک کر لیا۔

"شرجیل"۔ اس کے منہ سے بے ساختہ نکلا۔ وہ جو سنگھار میز کی جانب بڑھ رہا تھا، رک گیا مگر مڑا نہیں۔۔۔

"کہو"۔ لہجہ سخت تھا۔

"معافی مانگوں گی تو معاف کریں گے؟"۔ اس نے تھوک نگل کر پوچھا۔ وہ استہزایہ ہنسا۔

"تم معافی کیوں مانگو گی؟۔ تمہیں تو طلاق چاہیے نا؟. مگر معذرت کے ساتھ یہ والی خواہش آپ کی میں پوری نہیں کر پاؤں گا"۔ وہ سر جھٹکتے ہوئے سنگھار میز کے پاس آ کر رکا۔ رفاہ کی آنکھیں نم ہوئیں۔

"مجھے طلاق نہیں چاہیے شرجیل۔ مجھے معافی چاہیے"۔ وہ روتے ہوئے بولی۔ اس کی آواز پر وہ اس کی جانب مڑ کر آیا۔

"تمہیں طلاق نہیں چاہیے؟۔ یہ بھی تمہارے اس فضول سے بھائی نے بولا ہوگا؟۔ حیرت ہے پہلے طلاق کی پٹیاں تمہارے گھر والوں نے تمہیں پڑھائیں اور پھر طلاق نہ لینے کی بھی پڑھا دی؟۔ بہت حیرت ہے ویسے! تمہارے بھائی نے زندگی میں پہلی بار کوئی اچھا کام کیا

ہے! طلاق نہ لینے کا تم سے بول کر۔۔۔ ہونہہ"۔ ایک ایک لفظ چباتا ہوا وہ اپنے اندر کی بھڑاس نکال رہا تھا۔ اس کے رونے میں روانی آگئی۔

"ایسی بات نہیں ہے شرجیل۔۔۔ بھائی نے مجھے کچھ نہیں کہا ہے"۔ اس نے چہرے کو دونوں ہاتھوں سے چھپالیا۔

"اوہ یعنی اس نے زندگی میں کوئی اچھا کام ہی نہیں کیا"۔ لہجہ قدرے تلخ تھا۔

"آپ کی ناراضگی مجھ سے ہے تو مجھے کہیں جو بھی کہنا ہو! خدارا میرے بھائی کو کچھ نہ کہیں شرجیل"۔ وہ دیوار سے لگ کر کھڑی تھی۔ شرجیل نے اپنا ایک ہاتھ اس کے برابر دیوار پر جمایا۔

"تم تو آزادی چاہتی تھی نا رفاہ شرجیل؟۔ چند دن اپنے قاتل بھائی کے گھر میں رہ کر پتا چلا؟۔ جو شخص ایک دفعہ قتل کر سکتا ہے وہ دوسرا قتل کرتے ہوئے بھی نہیں کانپ سکتا!۔ بہت شوق چڑھ رہا تھا نا تمہیں ہر جگہ ونی بن کر جانے کا؟۔ ایک بات یاد رکھنا رفاہ! ہر دوسرا شخص تمہارا بھائی ہو سکتا ہے مگر ہر کوئی شرجیل نہیں ہو سکتا!" وہ انگلی اٹھا کر اسے کیا باور کروانے کی کوشش کر رہا تھا وہ اچھی طرح سمجھ رہی تھی۔

"میں سمجھ گئی ہوں شرجیل"۔ وہ ہچکیوں کے درمیان بولی۔

"کاش تم پہلے سمجھ جاتی۔۔۔ میرا اعتماد توڑنے کے بعد تمہیں ہر چیز سمجھ آگئی ہے"۔ وہ طنزیہ بولا۔ وہ تکلیف سے آنکھیں میچ گئی۔

"میں معافی مانگتی ہوں آپ سے"۔ رفاہ نے اس کے آگے ہاتھ جوڑے۔

"اور اگر میں معاف نہ کروں تو؟"۔ اس نے تلخی سے پوچھا۔

"میں گھر چلی جاؤں گی۔۔۔ شاید میں قابلِ معافی ہی نہیں"۔ وہ زاروقطار رو رہی تھی۔

"تم واقعی قابلِ معافی نہیں رفاہ"۔ وہ ایک ایک لفظ چبا کر بولا تھا۔ رفاہ نے ساکت نظروں سے اسے دیکھا۔ اس کے ایک ایک لفظ میں اسے حقارت محسوس ہوئی تھی۔ شاید وہ نہیں چاہتا تھا کہ رفاہ حویلی میں رہے۔ اس نے تھوک نگل کر شرجیل کو دیکھا۔ کیا وہ ان ڈھکے چھپے الفاظوں میں اسے حویلی سے نکل جانے کو کہہ رہا تھا؟۔ وہ کسی کا انتظار نہ کرتی ہوئی اپنا سوٹ کیس نکالنے بڑھی۔ دو قدم ہی چلی ہو گی جب شرجیل نے اس کا ہاتھ پکڑ کر پوری قوت سے اسے کھینچ کر دیوار سے لگایا۔ اس کا سر دیوار سے لگتے لگتے بچا تھا۔

"آئندہ حویلی چھوڑنے سے پہلے ایک بات ضرور ذہن میں رکھنا! تمہارا شوہر تمہارے ساتھ صرف اس وقت کھڑا ہے جب تک تم حویلی میں ہو! اگر حویلی سے اس ارادے سے کبھی نکلی کہ پلٹ کر نہیں آؤ گی تو حویلی کے دروازے تم پر بند ہوں نہ ہوں مگر میرے دل کے

دروازے تم پر بند ہو جائیں"۔ وہ دھمکی آمیز لہجے میں خبردار کر رہا تھا۔ رفاہ نے سہم کر اس کی آنکھوں میں دیکھا۔

"ایسا کبھی نہیں ہو گا شرجیل"۔

"ایسا کبھی ہونا بھی نہیں چاہیے ورنہ قتل اب کی بار میں کروں گا! وہ بھی تمہار فضول سے بھائی کا"۔ اس کے چہرے سے صاف معلوم ہو رہا تھا کہ وہ صرف دھمکی دے رہا ہے۔ ورنہ قتل جیسے بڑے گناہ میں وہ کبھی بھی اپنا نام نہ لکھوائے۔

"سمجھ آئی؟"۔ اس کا جواب نہ پا کر وہ دھاڑا۔

"آ گئی ہے"۔ اس نے سہم کر سانسیں بحال کرتے ہوئے جواب دیا۔

"اچھی لڑکی"۔ اس کے گال پکڑ کر چہرے کے تاثرات بحال کرتا ہوا بولا اور بستر پر جا بیٹھا۔

"آپ اب ناراض تو نہیں نا؟"۔ وہ اس کے پیچھے آئی۔

"ناراض تو اب نہیں مگر سزا پھر بھی ملے گی۔ آخر کو میری کی گئی گہری محبت کا ناجائز فائدہ اٹھایا ہے تم نے"۔ آستین کے کف فولڈ کرتا ہوا وہ بہت اطمینان سے بولا۔ سزا؟؟ وہ لرز اٹھی تھی۔ کہیں وہ سزا اسے شرجیل سے دور نہ کر دے۔۔۔ وہ کیسے کہے شرجیل سے کہ وہ اب اس سے دور نہیں جانا چاہتی۔۔۔

"کیسی سزا؟"۔ اس نے ڈرتے ڈرتے پوچھا۔ شرجیل نے نگاہ اٹھا کر اسے دیکھا جو اپنے لب کاٹ رہی تھی۔

"کل صبح گلابی جوڑا پہنو گی جو میں تمہارے لیے لایا تھا۔ پورا تیار ہو گی اور ساتھ جھمکے بھی پہنو گی۔۔۔ پھر رات میں پیلی کرتی جس پر لال کڑھائی ہے۔۔۔ ایک ہفتے تک خوب تیار ہو گی حویلی میں اور جب بھی تیار ہو گی سب سے پہلے مجھے دکھاؤ گی"۔ وہ اسے سنجیدگی سے گھور رہا تھا اور وہ حیران کھڑی اس کی شکل دیکھ رہی تھی۔

"جواب؟۔ ہاں یا ناں؟"۔ آواز بلند تھی۔ وہ اس بار بھی اس کی شکل دیکھتی رہی پھر یکدم اتنی زور سے ہنسی کہ شرجیل نہ چاہتے ہوئے بھی مسکرا دیا۔ وہ یہ سزا خوشی خوشی پوری کرنے والی تھی۔

۔۔۔★★۔۔۔

صالحہ ثریا کے کمرے سے نکلی تو حیدر سامنے سے آتا ہوا دکھائی دیا۔ وہ مڑ کر اپنے کمرے میں جانے لگی تھی جب حیدر نے آواز دی۔

"صالحہ"۔ وہ مڑی۔

"جی؟"۔ لہجہ سخت بلکل نہیں تھا۔

"مجھے بات کرنی ہے"۔ بمشکل اس نے اپنے اندر بات کرنے کا حوصلہ پیدا کیا تھا۔

"مجھے شاید وجدان بلا رہے ہیں"۔ وہ بات بناتی وہاں سے گزر جاتی اگر حیدر اسے یہ بول کر نہ روکتا۔

"اپنے ویر کی بات مان لو صالحہ"۔ وہ رک گئی تھی جب حیدر نے یہ کہا تھا۔ وہ اسے چھت پر لے آیا تھا۔

"نہیں جانتا کہ بات کہاں سے شروع کی جائے مگر کہنے کو بہت کچھ ہے صالحہ۔ جانتا ہوں میں! مجھ سے برا اس دنیا کا اور کون بھائی ہوگا بھلا؟۔ محبت کے لیے میں نے اپنے قیمتی رشتوں کی ناراضگی پال لی۔۔۔"۔ وہ کہہ رہا تھا اور وہ نگاہیں نیچی کیے سن رہی تھی۔

"میں چاہ کر بھی ماضی نہیں بدل سکتا اب! سچ کہوں تو تمہیں خوش دیکھ کر ماضی بدلنے کی خواہش بھی نہیں رکھتا"۔ یہ رشتہ اتنا حساس تھا کہ حیدر کی آنکھوں سے آنسو نکل پڑے تھے۔

"آپ کیا چاہتے ہیں؟"۔ وہ موم بن رہی تھی۔

"چاہتا ہوں تم مجھے معاف کر دو۔ ایک بار حیدر ویراں بول دو جیسے پہلے بولا کرتی تھی"۔ وہ بہت آس سے اس کی جانب دیکھ رہا تھا۔ وہ زیادہ دیر خفا نہیں رہ پائی تھی۔ وہ مان گئی تھی اور اس خاموش فضا میں جہاں نہ ایک انسانی آواز تھی اور نہ پرندوں کی! وہ وہاں زور سے

حیدر رویراں بولی تھی۔ آواز پلٹ کر اپنے پاس آتی اسے محسوس ہوئی۔ وہ بڑھ کر اس کے گلے سے لگ گئی تھی۔

اس کے بھائی سے چوک ہوگئی تھی! ایک ایسی چوک جس سے اس کی زندگی میں بہار آگئی تھی۔۔۔ وہ معافی نہیں بھی مانگتا تو بھی وہ اسے بہت پہلے معاف کر چکی تھی۔۔۔ وہ اس کا ویراں تھا۔۔۔۔ اور صالحہ اس کی بہن۔۔۔

۔۔۔★★۔۔۔

محبت کی کوئی عمر نہیں ہوتی۔ رات کے اس پہر بشارت حسین نے افشاں سے کہا تھا کہ وہ دنیا میں دوسری عورت ہے جس کے ہونے پر وہ اللہ کا شکر ادا کرتے رہے ہیں۔ ایک ان کی ماں! اور ایک ان کی بیوی۔ اس رات انہوں نے کھل کر اس سے باتیں کی تھیں۔ وہ اپنی کی گئی ہر بات کا جواب اس کے منہ سے سننا چاہتے تھے مگر یاد کرنے پر کہ وہ بے زبان ہے وہ خاموش ہو گئے تھے۔ وہ پیدائشی بے زبان نہیں تھی! اس کا علاج ممکن تھا۔ اور حال میں بیٹھے بشارت حسین عرف شاہ جی نے اپنی شریکِ حیات سے وعدہ کیا کہ وہ اس کا علاج کروائیں گے۔ وہ اسے اپنے دل سے نکلنے کا موقع نہیں دیں گے۔ بقایا زندگی ہاتھ تھام کر گزاریں گے۔ کیا ہوا اگر دیا بجھ گیا تو؟۔ وہ ساتھ مل کر نئے سرے سے دیا جلائیں گے۔ وہ اپنے عشق کی داستان آگے بڑھائیں گے۔ افشاں ان کی زندگی میں ہونے

والا ایک خوبصورت حادثہ تھی۔ وہ ان کی افشاں تھی۔ وہ اسے بتائیں گے کہ انہیں زندگی کے کون سے حصے میں غزلیں بھانے لگیں۔۔۔ تب جب وہ ان کے درخت کے نیچے کھڑے ہو کر ان کا کھڑکی پر آنے کا انتظار کرتے تھے۔۔۔ وہ اسے یہ بتانے والے تھے کہ کیسے انہوں نے اتنی عمر اس کے انتظار میں گزاری۔۔۔ وہ خط اب بھی محفوظ تھے ان کے پاس! افشاں کا لکھا ہر خط ان کی پرانی الماری میں بند تھا۔ ان کی اپنی ہی داستان تھی۔۔۔ ایک الگ سی۔۔ نجانے کون سی؟۔ شاید داستان عشق تھی یا داستانِ ظلم۔۔۔ نہیں! ان کی داستان معمولی نہیں تھی۔۔۔ اس میں عشق بھی تھا اور ظلم بھی۔۔۔ اور اس داستان کا موضوع "وفا" تھا۔۔۔

___★★___

دو دن اور گزر گئے۔ وہ شہر واپس جانے کے لیے سامان گاڑی میں رکھ رہا تھا۔ صالحہ اس کو سامان ڈگی میں ڈالتے دیکھ رہی تھی۔ اس نے یونہی کالے آسمان کی طرف نگاہ اٹھائی تو بھٹک کر شرجیل اور رفاہ پر پڑی۔ وہ دونوں اپنے ٹیرس پر کھڑے اس خوبصورت موسم کا مزہ لے رہے تھے۔ شرجیل نے رفاہ کے گرد ہاتھوں کا حصار بنایا ہوا تھا۔ وہ شاید کچھ بول رہی تھی اور شرجیل اسے بڑے انہماک سے سن رہا تھا۔

"صالحہ چلیں؟"۔ وہ سامان رکھ چکا تھا۔ وہ پلٹی۔

"جی"۔ گاڑی میں بیٹھ کر اس نے کھڑکی کھولی اور پلٹ کر حویلی کو دیکھنے لگی۔ گاڑی کچھ منٹوں بعد ہی حویلی کے باہر نکل آئی تھی۔ کئی گھروں اور حویلیوں کو اپنے پیچھے چھوڑ کر وہ شہر میں قدم رکھ رہے تھے۔ آج بارش کی پیشن گوئی تھی۔

"جانتی ہیں میں اس کنچی آنکھوں والی لڑکی کو خود سے دور کیوں نہیں کرنا چاہتا؟"۔ وہ سیدھی لمبی سنسان سڑک تھی جس پر وہ دونوں اکیلے تھے۔ سڑک کے سیدھی طرف ریگستانی علاقہ تھا اور دور دور پہاڑ محسوس ہوتے تھے۔۔۔ جبکہ الٹے ہاتھ پر بھی بلکل یہی مناظر تھے۔

ریگستانی علاقہ اور دور دور پہاڑ۔۔۔

"کیوں؟؟"۔ اس نے گردن پھیر کر اسے دیکھا۔

"کیونکہ وہ کنچی آنکھوں والی لڑکی میرے جینے کی وجہ بن گئی ہے۔ اس سے دور رہنا اب میرا محال ہے"۔ وہ اظہارِ محبت بالآخر کر گیا تھا۔ صالحہ ششدر ہوئی اسے دیکھنے لگی۔

"میری شریکِ حیات میری کمزوری بن چکی ہے۔ کہتے ہیں کبھی کسی کو اپنی عادت نہیں بنانا چاہیے۔۔۔ مگر آپ کی تو مجھے لت لگ گئی ہے"۔ وہ کہتے کہتے ہنس پڑا تھا۔ گاڑی اسلام آباد میں ہی تھی۔ دور ایک دکان تھی جس کے قریب آکر وجدان نے جھٹکے سے گاڑی روکی۔ وہ اس کی باتوں کے سحر سے ابھی نکلی ہی نہیں تھی۔ وہ گاڑی سے اترا اور اس چھوٹی سی دکان کے پاس چلا آیا۔

"ایک خوبصورت پھولوں کا بکے چاہیے"۔ وہ مسکرا کر اس بوڑھے کو بتا رہا تھا۔ وہ بوڑھا شخص اسے دیکھتے ہی پہچان گیا۔

"کیا پہلا والا بکے کسی کام آیا؟"۔ وہ بہتر پھولوں کے درمیان اس کے لیے بہترین پھولوں کو تلاش کر رہے تھے۔ وہ گاڑی میں بیٹھی ان کی گفتگو سن رہی تھی۔ وہ حیران ہوئی۔۔۔ پہلا والا بکے؟۔

"نہیں انکل! مگر امید ہے یہ والا کام کر جائے گا"۔ وہ کھلکھلایا تھا۔ بوڑھا مسکراتے ہوئے اثبات میں سر ہلانے لگا۔ اچانک بارش شروع ہوئی تھی۔ ایک دم تیز اور دھواں دھار۔۔۔ نگاہیں آسمان کو اٹھیں۔

"لگتا ہے آج کی رات شہر بھیگ جائے گا"۔ ایک بار پھر یہ الفاظ دہرائے تھے۔۔۔

"جانے کیا ہوگا کسے خبر؟"۔ وہ ایک بکے جلدی سے اس کے ہاتھوں میں رکھتے ہوئے بولے۔

"مگر آپ کے پھول مرجائیں گے"۔ انہیں ان کے پھولوں کی فکر کھائی جانے لگی۔ وہ بوڑھا ایسے مسکرایا تھا جیسے کوئی پھول مرجھائے ہوں۔ اس نے اپنے پرس میں سے پھولوں کی قیمت سے زیادہ پیسے نکالے اور ان کی جانب بڑھائے۔

"مگر یہ تو پھولوں کی قیمت سے بھی زیادہ ہیں میرے بچے"۔ وہ اس بار حیران نہیں ہوئے تھے۔۔۔ہاں مگر نم آنکھوں سے مسکرائے ضرور تھے۔

"لگتا ہے آپ نے مجھے اب تک اپنا بیٹا نہیں سمجھا۔۔۔اللہ آپ کا حامی و ناصر ہو۔۔۔ مجھے خوشی ہے کہ آج مجھے پچھلی بار کی طرح گیٹ کے باہر نہیں سونا پڑے گا"۔ وہ گاڑی کے دروازے کی طرف بھاگتا ہوا بول رہا تھا۔ تیز بارش کی وجہ سے آواز سننے میں مشکل ہوئی تھی۔ گاڑی کا دروازہ کھول کر وہ جھٹ سے بیٹھا اور اس کے ہاتھ میں پھولوں کا بکے پکڑایا۔

"انا احبک۔ میں نے سوچا تھا اپنی محبت کا اظہار تب کروں گا جب پھولوں کا بکے آپ کو دوں گا۔۔۔میں نے اپنی خواہش کی تکمیل کرلی صالحہ وجدان اور میں جانتا ہوں! میں محبت کے اس سفر میں قطعی اکیلا نہیں"۔ اس کا اشارہ صالحہ کی جانب تھا جو خوشی سے پھولی نہیں سما رہی تھی۔ اسے پھولوں سے بہت محبت تھی۔ جو ماضی میں تھی وہ وقتی نفرت تھی۔

"یہ کون سی زبان ہے؟"۔ اس نے پھولوں کی بھینی بھینی خوشبو سے اپنی سانسوں کو مہکایا۔

"یہ عربی زبان ہے۔۔۔"انا احبک" اس کے معنی ہیں کہ مجھے آپ سے محبت ہے"۔ وہ اسے حیرانی سے تکتی رہ گئی۔ وجدان گاڑی سڑک پر ایک بار پھر سے چلانے لگا۔ خالی سڑک پر وہ دونوں اور ان کی محبت کا راج تھا۔ بادل برس رہے تھے۔ صالحہ نے بڑھ کر ڈیش بورڈ

سے کتاب اٹھائی اور اسے کھول کر صفحے پلٹنے لگی۔ ایک غزل سامنے آئی تو کچھ یاد آنے پر وہ مسکرادی۔ اس نے پڑھنا شروع کیا۔

محبت روٹھ جائے تو

اسے بانہوں میں لے لینا

بہت ہی پاس کر کے تم

اسے جانے نہیں دینا

وہ دامن چھڑائے تو

اسے تم قسم دے دینا

دلوں کے معاملوں میں تو

خطائیں ہو ہی جاتی ہیں

تم ان خطاؤں کو

بہانہ مت بنا لینا

محبت روٹھ جائے تو

اسے جلدی منا لینا

www.urdunovelsmania.com

وہ غزل مکمل کررہی تھی اور وہ پر سکون ڈرائیونگ کرتا اس کے منہ سے نکلے ہر لفظ کو دل پر محسوس کررہا تھا۔ مسکرانے کے باعث اس کے ڈمپل گہرے ہورہے تھے۔ محبت عادت بن جائے تو کبھی سکون دیتی ہے تو کبھی تکلیف۔۔۔ مگر وہ اس کی عادت نہیں جینے کی وجہ بنتی جارہی تھی۔

تمت بالخیر

urdu novels mania
www.urdunovelsmania.com